اسلام
اور
جدید معاشی مسائل
جلد اوّل
تجارت کے فضائل و مسائل
۱
شیخ الاسلام جسٹس (ر) مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم
ادارہ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

اِسلام

اور

جدید معاشی مسائل

جلد اوّل

تجارت کے فضائل و مسائل

اِسلام اور جدید معاشی مسائل

جلد اوّل

تجارت کے فضائل و مسائل

شیخ الاسلام جسٹس (ر) مفتی محمّد تقی عثمانی دامت برکاتہم

ترتیب و تالیف

مولانا مفتی محمود احمد صاحب
دارالافتاء جامعہ اشرفیہ۔ لاہور

اِدارہ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

★ ۱۴ دینا ناتھ مینشن مال روڈ، لاہور
فون ۷۳۲۴۴۱۲، فیکس ۹۲-۴۲-۷۳۲۴۷۸۵

★ ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان
فون ۷۲۴۳۹۹۱، ۷۳۵۳۲۵۵

★ موہن روڈ، چوک اُردو بازار، کراچی
فون ۲۷۲۲۴۰۱

نام کتاب

اسلام
اور
جدید معاشی مسائل

جلد اول

تجارت کے فضائل و مسائل

اشاعت اول

جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ ——— جون ۲۰۰۸ء

ادارہ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

۱۴- دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور فون ۷۳۲۴۴۱۲ فیکس ۷۳۲۴۷۸۵-۴۲-۹۲+

۱۹۰- انارکلی، لاہور- پاکستان ....فون ۷۲۲۳۹۹۱-۷۳۵۳۲۵۵

موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی- پاکستان.....فون ۲۷۲۲۴۰۱

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف، جامعہ دار العلوم، کورنگی، کراچی نمبر۱۴

مکتبہ دار العلوم، جامعہ دار العلوم، کورنگی، کراچی نمبر۱۴

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، چوک لسبیلہ، کراچی

دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی نمبر۱

بیت القرآن، اردو بازار، کراچی نمبر۱

بیت العلوم، نابھہ روڈ، لاہور

فہرست مضامین

کیا مال و دولت کا نام دنیا ہے؟ ۴۵

عبادات کی اقسام ۵۵

تجارت کی فضیلت ۸۱

تجارت دین بھی دنیا بھی ۹۱

رزق کی طلب مقصودِ زندگی نہیں ۱۷۱

مشتبہات سے بچنے کا حکم ۲۱۵

پیش لفظ

مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی
جامعہ دار العلوم کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ ربّ العالمین والصّلاۃُ والسّلامُ علی سیّد المرسلین سیدنا محمد و آله وصحبه ومن تبعهم باحسان الیٰ یوم الدّین. امابعد

اہل نظر کو اس میں کیا شبہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر دور میں اپنے دین حنیف کی حفاظت کے لئے ایسی عبقری شخصیات پیدا فرما دیتے ہیں۔ جو دین کی تجدید کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔

یہ عبقری شخصیات قرآن وسنت کی اس صحیح تعبیر کو اختیار کرتی ہیں جو رسول ﷺ سے منقول ہے اور جس پر آپ ﷺ نے خود بھی عمل کیا ہے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین کرام، تبع تابعین اور سلف صالحین سمیت امت اسلامیہ اس پر عمل کرتی چلی آرہی ہے۔

اس توارث اور تعامل کی راہ میں دو چیزیں آڑے آجاتی ہیں، ایک ان لوگوں کی طرف سے افراط وتفریط جو قرآن وسنت کا کما حقہ علم نہیں رکھتے اور محض اپنی عقل کی روشنی یا اپنے جذبات کی شدت کی وجہ سے افراط وتفریط میں پہلے خود بھی مبتلا ہو جاتے ہیں پھر اُمت اسلامیہ کے افراد پر بھی اپنے افکار و جذبات کو مسلط کرنا چاہتے ہیں۔

دوسری رکاوٹ تیزی سے بدلتے ہوئے دنیا کے وہ حالات ہیں جس کی وجہ سے عام لوگوں کو یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ ان بدلے ہوئے حالات میں قرآن وسنت کی عملی تطبیق ہو سکے گی یا نہیں؟ اور اگر ہو سکے گی تو اس کا طریق کار کیا ہوگا اور حقائق کی دنیا میں اس کا نفاذ کیسے ہوگا؟

یہ عبقری شخصیات جنہیں مجدّد بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن وسنت کے توارث وتعامل کی حقانیت کو آشکارا کرتے ہوئے افراط وتفریط کے گرد وغبار کو دور کرتے ہیں جس سے شریعت کا راستہ بالکل واضح

ہو جاتا ہے اور پھر وہ شریعت اسلامیہ کے احکام کی دور حاضر میں عملی تطبیق کے سلسلہ میں اُمت کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اور بدلی ہوئی دنیا میں اسلام کے ابدی اصولوں پر عملی نفاذ کا راستہ اس طرح واضح کردیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یا ادارہ شریعت پر عمل کرنا چاہے تو نفس وشیطان کے علاوہ اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

ان مجدّدین کا سلسلہ چونکہ قرآن وسنت ہی سے نہیں بلکہ قرآن وسنت کی صحیح تعبیر اور سلف صالحین بلکہ اُمّت اسلامیہ کے توارث وتعامل سے پوری طرح جُڑا ہوا ہوتا ہے اس لیے منجانب اللہ اسے صلحاء وعلماء اور پھر اُمّت کی طرف سے قبولیت نصیب ہوتی ہے اور اُمّت اسلامیہ بآسانی اس پر عمل کرتی چلی جاتی ہے۔

ان قابل قدر شخصیات میں سے ایک حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدّظلہم ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل خاص کی بدولت قرآن، حدیث، فقہ اور تصوف سمیت دین کے تمام شعبوں میں تحریری اور تقریری طور پر حیرت انگیز خدمات انجام دی ہیں۔

تفسیر معارف القرآن اردو کی تالیف میں انکی شرکت، علوم القرآن، پھر تفسیر معارف القرآن انگریزی کی آٹھ جلدیں۔ کسی مستند عالم دین کی طرف سے قرآن مجید کا مکمل انگریزی ترجمہ مختصر انگریزی تفسیر (نوبل قرآن) اور اب قرآن مجید کا اُردو ترجمہ اور مختصر تفسیر قرآن کریم کی خدمت میں ...... صحیح مسلم کی عربی شرح چھ جلدوں میں، صحیح بخاری اور جامع ترمذی کی مقبول عام مطبوعہ اُردو تقاریر حجیت حدیث اور دیگر تالیفات حدیث شریف کی خدمت کے طور پر ...... ہزار ہا فتاوٰی، بیسیوں فقہی رسائل اور متعدد تعداد میں اور مفتیان کرام کی تربیت، شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ میں ان کے اہم فیصلے فقہ اسلامی کی خدمت کے طور پر ...... اصلاحی مجالس وبیانات اور ارشاد وتربیت کی انفرادی واجتماعی مجالس پر مبنی کئی سو تصوف آداب کے رسائل تصوف کے میدان میں ان کی مقبول محنت کے طور پر ...... انکی دینی خدمت کے کچھ شاہد عدل ہیں۔

لیکن مولانا مدّظلہم العالی کی خدمت کا ایک میدان موجودہ دور کے معاشی مسائل میں اسلام کے ابدی اصولوں کی عملی تطبیق اور ان کے نفاذ کا طریقہ کار ہے اس میدان میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انہیں توفیق خاص سے نوازا ہے اور انہوں نے اس میدان میں ہمہ جہتی خدمات انجام دے کر بلاشبہ اُمّت اسلامیہ کا ایک فرض کفایہ ادا کیا ہے، اس میدان میں ان کی گرانقدر کاوشوں کا اعتراف علماء عجم ہی نے نہیں بلکہ علماء عرب نے بھی کیا ہے۔ اسی بناء پر اسلامی ممالک کے نامور علماء اور فقہاء کی عالمی تنظیم مجمع الفقہ اسلامی (جدّہ) کے وہ نائب الرئیس ہیں جبکہ مجلس

المعاییر الشرعیہ نے انہیں دوسری بار اپنا رئیس منتخب کیا ہے۔

اسلام کے اٹل معاشی احکام اور دور حاضر میں ان کے عملی نفاذ کے موضوع پر حضرت مدظلہم العالی نے جو ہمہ جہتی کام کیا ہے وہ اُردو میں بھی ہے اور انگریزی میں بھی اور عربی میں بھی ۔ دل چاہتا تھا کہ اُردو زبان میں اب تک حضرت مدظلہم کا جتنا کام موجود ہے وہ مرتب شکل میں یکجا سامنے آجائے تا کہ اس موضوع کے شائقین اس سے بآسانی استفادہ کرسکیں اور جس عنوان کے تحت وہ تفصیل دیکھنا چاہیں انہیں اس تک رسائی کی سہولت حاصل ہو۔ الحمدللہ کہ احقر کی اس خواہش کی عملی شکل آپ کے سامنے ہے۔ عزیز مکرم مولانا محمود احمد صاحب نے بڑی محنت اور جان فشانی کے ساتھ بکھرے ہوئے مضامین کو عنوانات کے تحت مرتب کیا اور معاشی مسائل پر حضرت کے مضامین کو آٹھ جلدوں پر مشتمل اس مجموعہ کی شکل دی جس کی بناء پر ایک عام قاری کے لیے ان مضامین سے استفادہ کرنا آسان تر ہو گیا ہے۔ اُمید ہے کہ اس موضوع پر یہ مجموعہ ایک خلا کو پُر کرے گا اور اہل نظر اس کی قدر کریں گے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ حضرت مدظلہم کو صحت و عافیت کے ساتھ مزید خدمات مقبولہ کی توفیق عطا فرماتے رہیں اور طالبان علم دین ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے رہیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

احقر محمود اشرف غفراللہ لہٗ
۱۰ ربیع الاوّل ۱۴۲۹ھ
۱۹ مارچ ۲۰۰۸ء

عرضِ مرتب

الحمد للّٰہ و کفیٰ والصلوٰۃ والسلام علی سید الرسل و خاتم

الانبیاء۔ امابعد۔

اللہ رب العزت کا یہ احسان عظیم ہے کہ وہ ہر دور میں پیش آنے والے جدید مسائل کا شرعی حل ڈھونڈنے کیلئے ایسے لوگوں کو بھیجتا رہا جنکی خدمات اور صلاحیتیں، محنتیں اور کوششیں امتِ مسلمہ کیلئے مشعلِ راہ بنتی ہیں، انہی عظیم ہستیوں میں سے ایک شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ ہیں۔ جنکی فقہی مہارت اور علمی بصیرت پر اہل نظر وفکر کا اتفاق ہے، مگر اسلامی بینکنگ اور جدید معیشت و تجارت کے حوالے سے آپکی جو صلاحیتیں نکھر کر سامنے آئیں اور آپ کے دستِ فیض سے جو کارنامے انجام پائے اُنکی مثال دُنیا میں ناپید ہے، حضرت کی تحریرات، تقریریں، مقالات اور دُروس۔ نظامِ معیشت کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے کیلئے راہِ عمل فراہم کرتے ہیں۔ وسعت علم، نگاہِ دوررس، فکرِ صحیح، ذہن ثاقب اور معاملاتِ جدیدہ وقدیمہ پر مکمل دسترس ایسے امور کا اجتماع کسی ایک شخص میں کم ہی نظر آتا ہے اور اس کے ساتھ وہ سلف کی روایات کے امین، جادۂ اعتدال پر کاربند ہیں اور دُنیائے علم و فقہ میں خُداداد بصیرت و صلاحیت کے پیشِ نظر علمی مجالس اور فقہی محافل میں ان کا بڑھتا ہوا اعزاز واکرام انکی قابلیت کو اجاگر کرتا ہے۔

میرے لئے بہت بڑی خوش نصیبی ہے کہ ایسی عظیم اور باکمال ہستی کے بکھرے ہوئے موتیوں کو یکجا کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، اسلام کے نظام معیشت وتجارت سے متعلق حضرت دامت برکاتہم کی تحریرات، تقریریں، کتب اور جرائد ورسائل میں بکھرے ہوئے مضامین سے استفادہ ایک عام قاری کیلئے جہاں مُشکل تھا وہاں ایک عالم کیلئے بھی مضامین میں مسئلہ کو تلاش کرنا دشوار تھا، محترم جناب سعود اشرف عثمانی صاحب کے مشورہ اور استاذِ محترم حضرت مولانا محمود اشرف صاحب مدظلہ کی گراں قدر آراء سے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو یکجا کرنے کا آغاز ہوا اور الحمدللہ اب یہ کتاب آٹھ جلدوں میں آپ کے سامنے ہے، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی جملہ مطبوعہ تحریرات وتقاریر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے موضوعات کی تقسیم اور مواد کے یکجا کرنے میں اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ تکرار نہ رہے تاہم کسی مقام پر بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر کسی مضمون کا اعادہ ملے تو مقام کی مناسبت اور موضوع کی تکمیل کی خاطر ہوگا اور اس میں از حد کوشش کی گئی ہے کہ فقط متعلقہ حصہ کو ہی ذکر کیا جائے۔ مندرجہ ذیل مجموعہ میں حضرت والا دامت برکاتہم کی جملہ تحریرات تقاریر اور عربی و انگریزی زبان میں مقالات کے اردو

ترجمہ کو شامل کرنے کی سعی کی گئی ہے، چنانچہ بحوث فی القضایا الفقھیۃ المعاصرۃ جلد اول میں موجود عربی مقالات میں سے متعلقہ مقالات اور مسائل کا اردو ترجمہ درج کیا گیا ہے، مثلاً احکام البیع بالتقسیط (قسطوں پر خرید و فروخت کے احکام) بیع الحقوق المجردۃ (حقوق مجردہ کی خرید و فروخت) عقود المستقبلیات فی السلع (مستقبل کی تاریخ پر خرید و فروخت)، ان کے علاوہ دیگر متعدد مقالات اور مسائل جو عربی میں تھے ان کا ترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح ''اسلامی بنکاری'' اور ''سود پر تاریخی فیصلہ'' دراصل حضرت والا دامت برکاتہم کی انگریزی زبان میں تحریر کردہ تصانیف تھیں، ان کے اردو تراجم کو بھی شامل اشاعت کیا گیا ہے اور حضرت والا کی کتاب ''سود پر تاریخی فیصلہ'' اگرچہ اپنے موضوع پر جامع اور مدلل کتاب ہے اور مسئلہ سود کے حوالے سے دقیق جزئیات کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے لیکن اس کتاب میں سود کی حرمت سے متعلق حضور ﷺ کے ارشادات کا عنوان تشنہ تھا، چنانچہ اس موضوع پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تصنیف ''مسئلہ سود'' سے سود کی حرمت پر چالیس احادیث کو شامل کیا گیا ہے، جس سے موضوع کی تکمیل ہوگئی ہے۔

علاوہ ازیں حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ کی بخاری شریف کی بے مثال تقریر ''انعام الباری'' میں عملی اور تحقیقی نوعیت کے مسائل کا بیش بہا ذخیرہ ہے اور حضرت والا دامت برکاتہم کی یہ تقریر بعض نئی تحقیقات پر مشتمل ہے اور اس لئے بھی زیادہ لائق اعتماد ہے کہ الآخر فالآخر کے اصول اور ضابطہ کے مطابق حضرت والا دامت برکاتہم کی ترجیحات اور فیصلہ کن آراء پر مشتمل ہے، جن سے موجودہ نظامِ معیشت و اقتصاد کو اسلامی ضابطوں کے مطابق ڈھالنے کی حدود کا واضح تعین ہوتا ہے اور افراط و تفریط کے درمیان راہ اعتدال کی ترجمانی ہوتی ہے اسی وجہ سے اکثر و بیشتر مسائل میں آئمہ متبوعین کے مذاہب اور راجح مذہب کی ترجیح کے سلسلے میں ہم نے اسی کتاب سے ماخوذ اقتباسات پر اعتماد کیا ہے، بخاری شریف میں ابواب کے تنوع اور استنباطِ مسائل کی کثرت کی وجہ سے مذکورہ تقریر میں بھی جزوی مسائل کی تحقیقِ انیق اور مسائل مستنبطہ میں اقوال فقہاء کو ذکر کرنے کے ساتھ مسلک راجح کیلئے استدلالی انداز سے اس کتاب کی جامعیت میں بے حد اضافہ ہوا، لیکن معیشت و اقتصاد سے متعلقہ ابحاث مذکورہ کتاب میں ایک جگہ میسر نہ تھیں، جس سے قاری کو ضخیم جلدوں کی ورق گردانی کا بوجھ برداشت کرنے کے ساتھ بعض اوقات مطلوبہ مقام میں مسئلہ کی عدم دستیابی کا شکوہ رہتا، زیرِ نظر مجموعہ میں معیشت و اقتصاد کے مسائل کی تبویب کے بعد عنوانات لگا کر مرتب انداز میں سامنے لایا گیا جس سے مسئلہ کو تلاش کرنے میں آسانی ہوگی۔

اور حضرت مدظلہ کی تحریرات و تقاریر کے حوالہ جات بقیدِ صفحات دے دیئے گئے ہیں تاکہ اگر

کوئی شخص اصل کی طرف مراجعت کرنا چاہے تو اس کیلئے آسانی ہو، تقریر بخاری وترمذی میں موقع کی مناسبت سے ذکر کیا گیا سیاق وسباق مثلاً ترجمۃ الباب کی وضاحت وغیرہ کو حذف کر کے عبارت میں مناسب ترمیم کی گئی ہے، اور حضرت کے دستِ فیض سے اسلامی معاشیات کے موضوع پر لکھی جانے والی تحریرات اس کتاب کی آئندہ کی طباعتوں میں شامل ہوتی رہیں گی، ان شاء اللہ۔ میں مولانا شعیب صاحب رفیق دارالافتاء جامعہ اشرفیہ کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے اس عظیم کام میں میری عملاً معاونت کی اور تمام جلدوں کی پروف ریڈنگ کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ اس سارے عمل کو محض اپنی رضاء کیلئے قبول فرمائے۔ (آمین)

محمود احمد

استاد و خادم دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور

دنیا سے دل نہ لگاؤ

زیرِ نظر خطاب اصلاحی خطبات جلد نمبر ۳ سے لیا گیا ہے۔ مذکورہ خطاب میں دنیا کی حقیقت سے پردہ اُٹھایا گیا ہے۔ نیز یہ بیان کیا گیا ہے کہ دنیا کی کونسی محبت نقصان دہ ہے اور پھر جس طرح موضوع کو پے در پے ایمان افروز واقعات سے مزین کیا گیا ہے تو صورتحال اس بات کی مقتضی تھی کہ اس کو من وعن نقل کیا جائے، چنانچہ اس خطاب کو یہاں بعینہٖ نقل کیا جا رہا ہے۔ از مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دنیا سے دل نہ لگاؤ

الحمد لله نحمده و نستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له، ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، ونشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله واصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا. اما بعد:

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم.

"يَاۤأَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وقفة وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝"(۱)

امنت بالله صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبی الكريم. ونحن علىٰ ذلك من الشاهدين والشاكرين والحمد لله رب العالمين.

دنیا کی راحت دین پر موقوف ہے

ہر مسلمان کے لئے اخلاقِ باطنہ کی تحصیل ضروری ہے جن کے حاصل کیے بغیر نہ دین درست ہوسکتا ہے اور نہ دنیا درست ہوسکتی ہے۔ کیونکہ حقیقت میں دنیا کی درستگی بھی دین کی درستگی پر موقوف ہے۔ یہ شیطانی دھوکہ ہے کہ دین کے بغیر بھی دنیا اچھی پُرسکون اور راحت و آرام والی ہو جاتی ہے۔ دنیا کے اسباب و وسائل کا حاصل ہو جانا اور بات ہے اور دنیا میں پُرسکون زندگی، اطمینان، راحت و آرام اور مسرت کی زندگی حاصل ہو جانا اور بات ہے۔ دنیا کے وسائل و اسباب تو دین کو چھوڑ کر حاصل ہو جائیں گے، پیسوں کا ڈھیر لگ جائے گا، بنگلے کھڑے ہو جائیں گے۔ کارخانے قائم ہو جائیں گے۔ کاریں حاصل ہو جائیں گی۔ لیکن جس کو "دل کا سکون" کہا جاتا ہے، سچی بات یہ ہے کہ وہ دین کے

(۱) سورۃ الفاطر: ۵۔

بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور اسی وجہ سے دنیا کی حقیقی راحت بھی انہی اللہ والوں کو حاصل ہوتی ہے جو اپنی زندگی کو اللہ جل شانہ کے احکام کے تابع بناتے ہیں۔ اس لئے جب تک ان اخلاق کی اصلاح نہ ہو، نہ دین درست ہوسکتا ہے اور نہ دنیا درست ہوسکتی ہے۔

''زہد کی حقیت''

اخلاقیات کے باب میں ایک بہت بنیادی اخلاق ہے جس کو ''زہد'' کہا جاتا ہے۔ آپ نے یہ لفظ بہت سنا ہوگا کہ فلاں شخص بڑا عابد اور زاہد ہے۔ زاہد اس شخص کو کہتے ہیں جس میں ''زہد'' ہو، اور ''زہد'' ایک باطنی اخلاق ہے، جسے ہر مسلمان کو حاصل کرنا ضروری ہے، اور ''زہد'' کے معنی ہیں ''دنیا سے بے رغبتی'' اور ''دنیا کی محبت سے دل کا خالی ہونا''، دل دنیا میں اٹکا ہوا نہ ہو، اس کی محبت اس طرح دل میں پیوست نہ ہو کہ ہر وقت اسی کا دھیان اور اسی کا خیال اسی کی فکر ہے اور اسی کے لئے دوڑ دھوپ ہو رہی ہے، اس کا نام ''زہد'' ہے۔

گناہوں کی جڑ ''دنیا کی محبت''

ہر مسلمان کو اس کا حاصل کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اگر دنیا کی محبت دل میں سمائی ہوئی ہو تو پھر صحیح معنیٰ میں اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں نہیں آسکتی اور جب اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں ہوتی وہ محبت غلط رُخ پر چل پڑتی ہے، اسی وجہ سے حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ:

"حب الدنیا راس کل خطیئة." (۱)

''دنیا کی محبت ہر گناہ اور معصیت کی جڑ ہے۔''

جتنے جرائم اور گناہ ہیں اگر انسان ان کی حقیقت میں غور کرے گا تو اس کو یہی نظر آئے گا کہ ان سب میں دنیا کی محبت کارفرما ہے۔ چور کیوں چوری کر رہا ہے؟ اس لئے کہ دنیا کی محبت ہے۔ اگر کوئی شخص بدکاری کر رہا ہے تو کیوں کر رہا ہے؟ اس لئے کہ دنیا کی لذتوں کی محبت دل میں جمی ہوئی ہے۔ شرابی اس لئے شراب نوشی کر رہا ہے کہ وہ دنیاوی لذتوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ کسی بھی گناہ کو لے لیجئے۔ اس کے پیچھے دنیا کی محبت کارفرما نظر آئے گی۔ اور جب دنیا کی محبت دل میں سمائی ہوئی ہے تو پھر اللہ کی محبت کیسے داخل ہوسکتی ہے۔

---

(۱) کنز العمال، حدیث نمبر ۶۱۱۴۔

میں ابوبکر کو اپنا محبوب بناتا

یہ دل اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ اس میں حقیقی محبت تو صرف ایک ہی کی سما سکتی ہے۔ ضرورت کے وقت تعلقات تو بہت سے لوگوں سے قائم ہو جائیں گے لیکن حقیقی محبت ایک ہی کی سما سکتی ہے۔ جب ایک کی محبت آ گئی تو پھر دوسرے کی محبت اس درجے میں نہیں آ سکے گی۔ اس واسطے حضور اقدس ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ:

"لو كنت متخذا خليلًا لتخذت ابابكر خليلًا."(۱)

''اگر میں اس دنیا میں کسی کو اپنا محبوب بناتا تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو بناتا۔''

حضور ﷺ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اس درجہ تعلق تھا کہ دنیا میں ایسا تعلق کسی اور سے نہیں ہوا، یہاں تک کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مثال حضور اقدس ﷺ کے سامنے ایسی ہے جیسے کہ ایک آئینہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے رکھا جائے اور اس آئینے میں حضور اقدس ﷺ کا عکس نظر آئے، اور پھر کہا جائے کہ یہ حضور اقدس ﷺ ہیں، اور آئینے میں جو عکس ہے وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ مقام تھا — لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں ان کو اپنا محبوب بناتا ہوں، بلکہ یہ فرمایا کہ اگر میں کسی کو اپنا محبوب بناتا تو ان کو بناتا، لیکن میرے محبوبِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں، اور جب وہ محبوب بن گئے تو دوسرے کے ساتھ حقیقی محبت کے لئے دل میں جگہ نہ رہی۔ البتہ تعلقات دوسروں سے ہو سکتے ہیں۔ اور وہ ہوتے بھی ہیں، مثلاً بیوی سے تعلق، بچوں سے تعلق، ماں سے تعلق، باپ سے تعلق، بھائی سے تعلق، بہن سے تعلق، مگر یہ تعلقات اس محبت کے تابع ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حقیقی محبت دل میں ہوتی ہے۔

دل میں صرف ایک کی محبت سما سکتی ہے

لہٰذا دل میں حقیقی محبت یا تو اللہ تعالیٰ کی ہوگی، یا دنیا کی ہوگی، دونوں محبتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ اسی وجہ سے مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

(۱) رواہ البخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الخوخۃ والممر فی المسجد، حدیث نمبر ۴۶۶۔

یعنی دنیا کی محبت بھی دل میں سمائی ہوئی ہو، اور اللہ تعالیٰ کی محبت بھی سمائی ہوئی ہو، یہ دونوں باتیں نہیں ہوسکتیں، اس لئے کہ یہ صرف خیال ہے اور محال ہے اور جنون ہے۔ اس واسطے اگر دل میں دنیا کی محبت سما گئی تو پھر اللہ کی محبت نہیں آئے گی۔ جب اللہ کی محبت نہیں ہوگی تو پھر دین کے جتنے کام ہیں، وہ سب محبت کے بغیر بے روح ہیں، بے حقیقت ہیں، ان کے ادا کرنے میں پریشانی دشواری اور مشقت ہوگی اور صحیح معنیٰ میں وہ دین کے کام انجام نہیں پاسکیں گے، بلکہ قدم قدم پر آدمی ٹھوکریں کھائے گا، اس لئے کہا گیا کہ انسان دل میں دنیا کی محبت کو جگہ نہ دے۔ اسی کا نام ''زہد'' ہے اور ''زہد'' کو حاصل کرنا ضروری ہے۔

دنیا میں ہوں، دنیا کا طلب گار نہیں ہوں

لیکن یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ بڑا نازک مسئلہ ہے کہ دنیا کے بغیر گزارہ بھی نہیں ہے، دنیا کے اندر بھی رہنا ہے، جب بھوک لگی ہے تو کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے، اور جب پیاس لگتی ہے تو پانی کی ضرورت پیش آتی ہے، سر چھپانے اور رہنے کے لئے گھر کی بھی ضرورت ہے، کسبِ معاش کی بھی ضرورت ہے، لیکن اب سوال یہ ہے کہ جب یہ سب کام بھی انسان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انسان دنیا کے اندر بھی رہے، اور دنیا کی ضروریات بھی پوری کرے لیکن اس کے ساتھ ساتھ دل میں دنیا نہ آئے، دل میں دنیا سے بے رغبتی پائی جائے۔ ان دونوں کا ایک ساتھ جمع ہونا مشکل نظر آتا ہے۔ یہی وہ کام ہے حضرات انبیا علیہم السلام اور ان کے وارثین آکر سکھاتے ہیں کہ کس طرح تم دنیا میں رہو، اور دنیا کی محبت کو دل میں جگہ نہ دو۔ ایک حقیقی مسلمان دنیا کے اندر بھی رہے گا، دنیا والوں سے تعلق بھی قائم کرے گا، حقوق بھی ادا کرے گا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی محبت سے بھی پرہیز کرے گا۔ حضرت مجذوب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ؎

دنیا میں ہوں، دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں، خریدار نہیں ہوں

یہ کیفیت کیسے پیدا ہوتی ہے کہ آدمی دنیا میں رہے، دنیا سے گزرے، دنیا کو برتے، لیکن دنیا کی محبت دل میں نہ آئے؟

دنیا کی مثال

اسی بات کو مولانا رومیؒ نے ایک مثال سے سمجھایا ہے اور بڑی پیاری مثال دی ہے۔ فرماتے

ہیں کہ دنیا کے بغیر انسان کا گزارہ بھی نہیں ہے، اس لئے کہ اس دنیا میں زندہ رہنے کے لئے بے شمار ضرورتیں انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں، اور انسان کی مثال کشتی جیسی ہے، اور دنیا کی مثال پانی جیسی ہے، جیسے پانی کے بغیر کشتی نہیں چل سکتی، اس لئے کہ اگر کوئی شخص خشکی پر کشتی چلانا چاہے تو نہیں چلے گی، اسی طرح انسان کو زندہ رہنے کے لئے دنیا ضروری ہے، انسان کو زندہ رہنے کے لئے پیسہ چاہئے، کھانا چاہئے، پانی چاہئے، مکان چاہئے، کپڑا چاہئے، اور ان سب چیزوں کی اس کو ضرورت ہے، اور یہ سب چیزیں دنیا ہیں — لیکن جس طرح پانی کشتی کے لئے اس وقت تک فائدہ مند ہے جب تک وہ پانی کشتی کے نیچے ہے اور اس کے دائیں طرف اور بائیں طرف ہے، اس کے آگے اور پیچھے ہے، وہ پانی اس کشتی کو چلائے گا، لیکن اگر وہ پانی دائیں بائیں کے بجائے کشتی کے اندر داخل ہوگیا تو وہ کشتی کو ڈبو دے گا، تباہ کر دے گا۔

اسی طرح دنیا کا یہ اسباب اور دنیا کا یہ سازوسامان جب تک تمہارے چاروں طرف ہے تو پھر کوئی ڈر نہیں ہے، اس لئے کہ یہ سازوسامان تمہاری زندگی کی کشتی کو چلائے گا، لیکن جس دن دنیا کا یہ سازوسامان تمہارے اردگرد سے ہٹ کر تمہارے دل کی کشتی میں داخل ہو گیا، اس دن تمہیں ڈبو دے گا، چنانچہ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ ؎

آب اندر زیر کشتی پشتی است
آب در کشتی ہلاک کشتی است

یعنی جب تک پانی کشتی کے اردگرد ہو تو وہ کشتی کو چلاتا ہے، اور دھکا دیتا ہے، لیکن اگر وہ پانی کشتی کے اندر داخل ہو جاتا ہے تو وہ کشتی کو ڈبو دیتا ہے۔ (۱)

دو محبتیں جمع نہیں ہو سکتیں

لہٰذا ''زہد'' اسی کا نام ہے کہ یہ دنیا تمہارے چاروں طرف اور اردگرد رہے، لیکن اس کی محبت تمہارے دل میں داخل نہ ہو، اس لئے کہ اگر دنیا کی محبت دل میں داخل ہو گئی تو پھر اللہ کی محبت کے لئے دل میں جگہ نہیں چھوڑے گی، اور اللہ کی محبت دنیا کی محبت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ایک شعر سنایا کرتے تھے، غالباً حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے شیخ حضرت میاں جی نور محمدؒ کی طرف یہ شعر منسوب فرماتے تھے، وہ انہی کے مقام کا شعر ہے، فرماتے کہ ؎

(۱) مفتاح العلوم، مثنوی، مولانا رومی، ج ۲، ص ۳۷، دفتر اوّل، حصہ دوم۔

بھر رہا ہے دل میں حبِ جاہ و مال
کب سماوے اس میں حبِ ذوالجلال

یعنی جب مال و جاہ اور منصب کی محبت دل میں بھری ہوئی ہے تو پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت کیسے سما سکتی ہے، اس لئے حکم یہ ہے کہ اس دنیا کی محبت کو دل سے نکال دو، دنیا کو نکالنا ضروری نہیں، دنیا کو ترک کرنا ضروری نہیں، لیکن دنیا کی محبت نکالنا ضروری ہے، اگر دنیا ہو، لیکن بغیر محبت کی ہو تو وہ دنیا نقصان دہ نہیں ہے۔

دنیا کی مثال ''بیت الخلاء'' ہے

عام طور پر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ ایک طرف تو انسان اس دنیا کو ضروری بھی سمجھے، اور اس کی اہمیت بھی ہو، لیکن دل میں اس کی محبت نہ ہو، اس بات کو ایک مثال سے سمجھ لیں۔ آپ جب ایک مکان بناتے ہیں، تو اس مکان کے مختلف حصے ہوتے ہیں۔ ایک سونے کا کمرہ ہوتا ہے، ایک ملاقات کا کمرہ ہوتا ہے، ایک کھانے کا کمرہ ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ، اور اسی مکان میں آپ ایک بیت الخلاء بھی بناتے ہیں اور بیت الخلاء کے بغیر وہ مکان نامکمل ہے۔ اگر ایک مکان بڑا شاندار بنا ہوا ہے، کمرے اچھے ہیں، بیڈروم بڑا اچھا ہے، ڈرائنگ روم بہت اعلیٰ ہے، کھانے کا کمرہ اچھا ہے اور پورے گھر میں بڑا شاندار اور قیمتی قسم کا فرنیچر لگا ہوا ہے، مگر اس میں بیت الخلاء نہیں ہے، بتائیے کہ وہ مکان مکمل ہے یا ادھورا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ مکان ناقص ہے، اس لئے کہ بیت الخلاء کے بغیر کوئی مکان مکمل نہیں ہو سکتا، لیکن یہ بتائیے کہ کیا کوئی انسان ایسا ہوگا کہ اس کا دل بیت الخلاء سے اس طرح اٹکا ہوا ہو کہ ہر وقت اس کے دماغ میں یہی خیال رہے کہ کب میں بیت الخلاء جاؤں گا، اور کب اس میں بیٹھوں گا اور کس طرح بیٹھوں گا اور کتنی دیر بیٹھوں گا اور کب واپس نکلوں گا، ہر وقت اس کے دل و دماغ پر بیت الخلاء چھایا ہوا ہو۔ ظاہر ہے کہ کوئی انسان بھی بیت الخلاء کو اپنے دل و دماغ پر اس طرح سوار نہیں کرے گا اور کبھی اس کو اپنے دل میں جگہ نہیں دے گا اگرچہ وہ جانتا ہے کہ بیت الخلاء ضروری چیز ہے، اس کے بغیر چارہ کار نہیں، لیکن اس کے باوجود وہ اس کے بارے میں ہر وقت یہ نہیں سوچے گا کہ میں بیت الخلاء کو کس طرح آراستہ کروں اور آرام دہ بناؤں، اس لئے کہ اس بیت الخلاء کی محبت دل میں نہیں ہے۔

دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے

دین کی تعلیم بھی درحقیقت یہ ہے کہ یہ سارے مال و اسباب ضروری تو ہیں، اور ایسے ہی ضروری ہیں جیسے بیت الخلاء ضروری ہوتا ہے، لیکن اس کی فکر، اس کی محبت، اس کا خیال دل و دماغ پر سوار نہ ہو جائے، بس دنیا کی حقیقت یہ ہے، اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ اس بات کا استحضار بار بار کرے کہ اس دنیا کی حقیقت کیا ہے۔ یہ آیت جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اس میں اللہ جل شانہ نے فرمایا:

"يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وقفة وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ o"(۱)

اے لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ کیا وعدہ ہے؟ وہ وعدہ یہ ہے کہ ایک دن مرو گے، اور اس کے سامنے پیشی ہوگی، اور پھر تمام اعمال کا جواب دینا ہوگا، لہٰذا دنیاوی زندگی تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے، اور وہ دھوکے باز یعنی شیطان تمہیں اللہ سے دھوکے میں نہ ڈالے ـــــ شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا میں رہو، مگر اس سے دھوکہ نہ کھاؤ، اس لئے کہ یہ دارالامتحان ہے، جس میں بہت سے مناظر ایسے ہیں جو انسان کا دل لبھاتے ہیں اور اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اس لئے ان دل لبھانے والے مناظر کی محبت کو خاطر میں نہ لاؤ، اگر دنیا کا ساز وسامان جمع ہو بھی گیا تو کچھ حرج نہیں، بشرطیکہ دل اس کے ساتھ اٹکا ہوا نہ ہو۔

شیخ فریدالدین عطارؒ

بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے کچھ لطیف قوتیں ان کے پاس بھیج دیتے ہیں، اور ان لطیف قوتوں کے بھیجنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس بندے کو دنیا کی محبت سے نکال کر اپنی محبت کی طرف بلایا جائے۔ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ جو مشہور بزرگ گزرے ہیں، ان کا واقعہ میں نے اپنے والد ماجد (حضرت مفتی محمد شفیع صاحب) قدس اللہ سرہ سے سنا، فرمایا کہ شیخ فریدالدین عطارؒ یونانی دواؤں اور عطر کے بہت بڑے تاجر تھے، اور اسی وجہ سے ان کو "عطار" کہا جاتا ہے۔ دواؤں اور عطر کی بہت بڑی دکان تھی۔ کاروبار بہت پھیلا ہوا تھا، اور اس وقت وہ ایک عام قسم کے دنیادار تاجر تھے۔ ایک دن دکان پر بیٹھے ہوئے تھے، اور دکان دواؤں اور عطر کی شیشیوں سے بھری

---

(۱) سورۃ الفاطر: ۵۔

ہوئی تھی۔ اتنے میں ایک مجذوب قسم کا درویش اور ملنگ آدمی دکان پر آ گیا، اور دکان میں داخل ہو گیا، اور کھڑا ہو کر پوری دکان میں کبھی اُوپر سے نیچے کی طرف دیکھتا اور کبھی دائیں سے بائیں طرف دیکھتا اور دواؤں کا معائنہ کرتا رہا۔ کبھی ایک شیشی کو دیکھتا، کبھی دوسری شیشی کو دیکھتا۔ جب کافی دیر اس طرح دیکھتے ہوئے گزر گئی تو شیخ فریدالدینؒ نے اس سے پوچھا کہ تم کیا دیکھ رہے ہو؟ کیا چیز تلاش کر رہے ہو؟ اس درویش نے جواب دیا کہ بس ویسے ہی یہ شیشیاں دیکھ رہا ہوں۔ شیخ فریدالدینؒ نے پوچھا کہ تمہیں کچھ خریدنا بھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، مجھے کچھ خریدنا تو نہیں ہے، بس ویسے ہی دیکھ رہا ہوں، اور پھر اِدھر اُدھر الماری میں رکھی شیشیوں کی طرف نظر دوڑاتا رہا، بار بار دیکھتا رہا۔ پھر شیخ فریدالدینؒ نے پوچھا کہ بھائی! آخر تم کیا دیکھ رہے ہو؟ اس درویش نے کہا کہ میں اصل میں یہ دیکھ رہا ہوں جب آپ مریں گے تو آپ کی جان کیسے نکلے گی؟ اس لئے کہ آپ نے یہاں اتنی ساری شیشیاں رکھی ہوئی ہیں۔ جب آپ مرنے لگیں گے اور آپ کی روح نکلنے لگے گی تو اس وقت آپ کی روح کبھی ایک شیشی میں داخل ہو جائے گی کبھی دوسری شیشی میں داخل ہو جائے گی اور اس کو باہر نکلنے کا راستہ کیسے ملے گا؟

اب ظاہر ہے کہ شیخ فریدالدین عطارؒ اس وقت چونکہ ایک دنیا دار تاجر تھے، یہ باتیں سن کر غصہ آ گیا اور اس سے کہا کہ تو میری جان کی فکر کر رہا ہے، تیری جان کیسے نکلے گی؟ جیسے تیری جان نکلے گی ویسے میری بھی نکل جائے گی۔ اس درویش نے جواب دیا کہ میری جان نکلنے میں کیا پریشانی ہے، اس لئے کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، نہ میرے پاس تجارت ہے نہ دکان ہے اور نہ شیشیاں ہیں نہ سازوسامان ہے، میری جان تو اس طرح نکلے گی ــــــ بس اتنا کہہ کر وہ درویش دکان کے باہر نیچے زمین پر لیٹ گیا اور کلمہ شہادت، "اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدًا رسول الله" کہا اور روح پرواز کر گئی۔

بس! یہ واقعہ دیکھنا تھا کہ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ کے دل پر ایک چوٹ لگی کہ واقعتاً میں تو دن رات اسی دنیا کے کاروبار میں منہمک ہوں، اور اسی میں لگا ہوا ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف دھیان نہیں ہے، اور یہ ایک اللہ کا بندہ سبک سیر طریقے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں چلا گیا۔ بہر حال، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لطیفہ غیبی تھا، جو ان کی ہدایت کا سبب بن گیا۔ بس! اسی دن اپنا سب کاروبار چھوڑ کر دوسروں کے حوالے کیا، اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی، اور اسی راستے پر لگ کر اتنے بڑے شیخ بن گئے کہ دنیا کی ہدایت کا سامان بن گئے۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ

شیخ ابراہیم بن ادھمؒ ایک علاقے کے بادشاہ تھے۔ رات کو دیکھا کہ ان کے محل کی چھت پر ایک آدمی ٹہل رہا ہے۔ یہ سمجھے کہ شاید یہ کوئی چور ہے اور چوری کی نیت سے یہاں آیا ہے۔ پکڑ کر اس سے پوچھا کہ تم اس وقت یہاں کہاں سے آگئے؟ کیا کر رہے ہو؟ وہ شخص کہنے لگا کہ اصل میں میرا ایک اُونٹ گم ہوگیا ہے، اونٹ تلاش کر رہا ہوں۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا کہ تمہارا دماغ صحیح ہے؟ اُونٹ کہاں اور محل کی چھت کہاں! اگر تیرا اُونٹ گم ہوگیا ہے تو پھر جنگل میں جا کر تلاش کر، یہاں محل کی چھت پر اونٹ تلاش کرنا بڑی حماقت ہے، تم احمق انسان ہو۔ اس آدمی نے کہا کہ اگر اس محل کی چھت پر اُونٹ نہیں مل سکتا تو پھر اس محل میں خدا بھی نہیں مل سکتا۔ اگر میں احمق ہوں تو تم مجھ سے زیادہ احمق ہو۔ اس لئے کہ اس محل میں رہ کر خدا کو تلاش کرنا اس سے بڑی حماقت ہے۔ بس اس کا یہ کہنا تھا کہ دل پر ایک چوٹ لگی اور سب بادشاہت وغیرہ چھوڑ کر روانہ ہوگئے۔ بہر حال! یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لطیفہ غیبی تھا۔

اس سے سبق حاصل کریں

ہم جیسے لوگوں کے لئے اس واقعہ سے یہ سبق لینا تو درست نہیں ہے کہ جس طرح وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے نکل پڑے، ہم بھی ان کی طرح نکل جائیں، ہم جیسے کم ظرف لوگوں کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنا مناسب نہیں، لیکن اس واقعہ سے جو بات سبق لینے کی ہے وہ یہ کہ اگر انسان کا دل دنیا کے ساز و سامان میں، دنیا کے راحت و آرام میں اٹکا ہوا ہو، اور صبح سے شام تک دنیا حاصل کرنے کی دوڑ دھوپ میں لگا ہوا ہو، ایسے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں آتی۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں آجاتی ہے تو دنیا کا یہ ساز و سامان انسان کے پاس ضرور ہوتا ہے، لیکن دل اس کے ساتھ اٹکا نہیں ہوتا۔

میرے والد ماجد اور دنیا کی محبت

میرے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) قدس اللہ سرہ — اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے۔ آمین — اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کی ذات میں شریعت اور طریقت کے بے شمار نمونے دکھا دیئے۔ اگر ہم ان کو نہ دیکھتے تو یہ بات سمجھ میں نہ آتی کہ سنت کی زندگی کیسی ہوتی ہے؟

اُنہوں نے دنیا میں رہ کر سب کام کیے، درس و تدریس اُنہوں نے کی، فتوے اُنہوں نے لکھے، تصنیف اُنہوں نے کی، وعظ و تبلیغ اُنہوں نے کی، پیری مریدی اُنہوں نے کی، اور ساتھ ساتھ اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے اور عیالداری کے حقوق ادا کرنے کے لئے تجارت بھی کی، لیکن یہ سب ہوتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ان کے دل میں دنیا کی محبت ایک رائی کے دانے کے برابر بھی داخل نہیں ہوئی۔

وہ باغ میرے دل سے نکل گیا

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ کو چمن کاری کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ پاکستان بننے سے پہلے دیو بند ہی میں بڑے شوق سے ایک باغ لگایا۔ دارالعلوم دیو بند میں ملازمت کے دوران تنخواہ کم اور عیال زیادہ تھے۔ اس تنخواہ سے گزارہ بھی بڑی مشکل سے ہوتا تھا۔ لیکن تنخواہ سے بڑی مشکل سے کچھ انتظام کر کے آم کا باغ لگایا اور اس باغ میں پہلی مرتبہ پھل آ رہا تھا کہ اسی سال پاکستان بننے کا اعلان ہوگیا اور آپ نے ہجرت کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اور ہجرت کر کے پاکستان آگئے اور اس باغ اور مکان پر ہندوؤں نے قبضہ کرلیا۔ بعد میں حضرت والد صاحب کی زبان سے اکثر یہ جملہ سنا کہ ’’جس دن میں نے اس گھر اور باغ سے قدم نکالا، اس دن سے وہ باغ اور گھر میرے دل سے نکل گئے، ایک مرتبہ کبھی بھول کر بھی یہ خیال نہیں آیا کہ میں نے کیسا باغ لگایا تھا اور کیسا گھر بنایا تھا۔‘‘ وجہ اس کی یہ تھی کہ یہ سارے کام ضرور کیے تھے، لیکن ان کا مقصد اداءِ حق تھا اور دل ان کے ساتھ اٹکا ہوا نہیں تھا۔

دنیا ذلیل ہو کر آتی ہے

ساری عمر حضرت والد صاحبؒ کا یہ معمول دیکھا کہ جب کبھی کوئی شخص کسی چیز کے بارے میں بلاوجہ آپ سے جھگڑا شروع کرتا تو والد صاحب اگرچہ حق پر ہوتے، لیکن ہمیشہ آپ کا یہ معمول دیکھا کہ آپ اس سے فرماتے کہ ارے بھائی جھگڑا چھوڑ دو اور یہ چیز لے جاؤ۔ اپنا حق چھوڑ دیتے، اور حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد سنایا کرتے تھے کہ:

”انا زعیم بیت فی ربض الجنة لمن ترك المراء وان كان محقًا.“(۱)

حضور ﷺ نے فرمایا: میں اس شخص کو جنت کے اطراف میں گھر دلانے کا ذمہ دار ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے ـــــ حضرت والد صاحب کو ساری عمر اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے دیکھا ـــــ بعض اوقات ہمیں یہ تردّد ہوتا کہ آپ حق پر تھے۔ اگر اصرار کرتے تو حق مل بھی

(۱) رواہ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی حسن الخلق، حدیث نمبر ۴۸۰۰۔

جاتا۔ لیکن آپ چھوڑ کر الگ ہو جاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا عطا فرمائی، اور ایسے لوگوں کے پاس دنیا ذلیل ہو کر آتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"اتته الدنيا وهی راغمة."(۱)

یعنی جو شخص ایک مرتبہ اس دنیا کی طلب سے منہ پھیر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دنیا ذلیل کر کے لاتے ہیں۔ وہ دنیا اس کے پاؤں سے لگی پھرتی ہے لیکن اس کے دل میں اس کی محبت نہیں ہوتی۔

دنیا مثل سائے کے ہے

کسی شخص نے دنیا کی بڑی اچھی مثال دی ہے، فرمایا کہ دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے انسان کا سایہ۔ اگر کوئی شخص چاہے کہ میں اپنے سائے کا تعاقب کروں اور اس کو پکڑ لوں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے سائے کے پیچھے جتنا دوڑے گا وہ سایہ اور آگے دوڑتا چلا جائے گا۔ کبھی اس کو پکڑ نہیں سکے گا۔ لیکن اگر انسان اپنے سائے سے منہ موڑ کر اس کی مخالف سمت میں دوڑنا شروع کر دے تو پھر سایہ اس کے پیچھے پیچھے آئے گا ــــ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو بھی ایسا ہی بنایا ہے کہ اگر دنیا کے طالب بن کر اور اس کی محبت دل میں لے کر اس کے پیچھے بھاگو گے تو وہ دنیا تم سے آگے آگے بھاگے گی۔ تم کبھی اس کو پکڑ نہیں سکو گے۔ لیکن جس دن ایک مرتبہ تم نے اس کی طلب سے منہ موڑ لیا تو پھر دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کس طرح ذلیل کر کے لاتے ہیں۔ بے شمار مثالیں ایسی ہوئی ہیں کہ دنیا اس کے پاس آتی ہے اور وہ اس کو ٹھوکر مار دیتا ہے۔ لیکن پھر وہ دنیا پھر بھی پاؤں میں پڑتی ہے۔ اس کے لئے ایک مرتبہ سچے دل سے اس دنیا کی طلب سے منہ موڑنا ضروری ہے۔ اور یہ بات دنیا کی حقیقت سمجھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور دنیا کی حقیقت حضور اقدس ﷺ نے ان احادیث میں بیان فرما دی۔ ان احادیث کو پڑھ کر دنیا کی محبت دل سے نکالنے کی فکر کرنی چاہئے۔

بحرین سے مال کی آمد

ان عمر بن عوف رضی الله عنه وهو حليف بنی عامر بن نوئ وكان شهد بدرا مع رسول الله صلی الله عليه وسلم اخبره ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث عبيدة بن الجراح رضی الله عنه الى البحرين الخ.(۲)

حضرت عمر بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عبیدہ بن

(۱) رواہ البخاری، کتاب الرقاق، باب ما يحذر من زهرة الدنيا۔ (۲) رواہ البخاری، حدیث نمبر ۶۴۲۵

جراح رضی اللہ عنہ کو بحرین کا گورنر بنا کر بھیجا اور ان کو یہ کام بھی سپرد کیا کہ وہاں کے کفار اور مشرکین پر جو جزیہ اور ٹیکس واجب ہے وہ ان سے وصول کر کے لایا کریں۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ بحرین سے ٹیکس اور جزیہ کا مال لے کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ وہ مال نقدی کی شکل میں بھی ہوتا تھا، کپڑے کی شکل میں بھی ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ وہ جزیہ کا مال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تقسیم فرما دیا کرتے تھے چنانچہ جب کچھ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کو پتہ چلا کہ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین سے مال لائے ہیں تو وہ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم فجر کی نماز میں مسجدِ نبوی میں حاضر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سے فارغ ہو کر واپس گھر کی طرف تشریف لے جانے لگے تو وہ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گئے، اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔ سامنے آنے کا مقصد یہ تھا کہ جو مال بحرین سے آیا ہوا ہے وہ ہمارے درمیان تقسیم فرما دیں ـــــ یہ وہ زمانہ تھا جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تنگ دستی کی انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے۔ کئی کئی وقتوں کے فاقے گزرتے تھے۔ پہننے کو کپڑا موجود نہیں تھا۔ انتہائی تنگی کا زمانہ تھا ـــــ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ اس طرح سامنے آ گئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور سمجھ گئے کہ یہ حضرات اس مال کی تقسیم کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میرے خیال میں تم کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ عبیدہ بن جراح بحرین سے کچھ سامان لے کر آئے ہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں! یا رسول اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو ان سے یہ فرمایا کہ خوشخبری سن لو کہ تمہیں خوش کرنے والی چیز ملنے والی ہے، وہ مال تمہیں مل جائے گا۔

تم پر فقر و فاقے کا اندیشہ نہیں ہے

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس طرح آنا اور اپنے آپ کو اس کام کے لئے پیش کرنا اور اس بات کا انتظار کرنا کہ یہ مال ہمیں ملنے والا ہے، یہ عمل کہیں اُن کے دل میں دنیا کی محبت پیدا نہ کر دے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو خوشخبری سنانے کے فوراً بعد فرما دیا کہ:

"فواللّٰه مالفقرا خشی علیکم، ولکنی اخشی ان تبسط الدنیا علیکم کما بسطت علی من کان قبلکم. فتنافسوها کما تنافسوها وتهلیکم کما ألهتهم."(۱)

"خدا کی قسم، مجھے تمہارے اُوپر فقر و فاقے کا اندیشہ نہیں ہے، یعنی اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ تمہارے اُوپر فقر و فاقہ گزرے گا، اور تم تنگ عیشی کے اندر مبتلا ہو جاؤ گے، اور مشقت اور پریشانی

(۱) رواه البخاری، کتاب الرقاق، باب ما یحذر من زهرة الدنيا والتنافس فيها، رقم ۶۴۲۵۔

ہوگی، اس لئے کہ اب تو ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ انشاء اللہ مسلمانوں میں کشادگی اور فراخی ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اُمت کے حصے کا سارا فقر و فاقہ خود حضور اقدس ﷺ جھیل گئے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تین تین مہینے تک ہمارے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی اور اس وقت ہمارا کھانا صرف دو چیزوں پر مشتمل ہوتا تھا، ایک کھجور اور ایک پانی۔ اور سرکار دو عالم ﷺ نے کبھی دو وقت پیٹ بھر کر روٹی تناول نہیں فرمائی، گندم تو میسر ہی نہیں تھی۔ جو کی روٹی کا یہ حال تھا، لہٰذا فقر و فاقہ تو خود سرکار عالم ﷺ جھیل گئے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں تنگ عیشی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس زمانے میں ہمارا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ ہمارے گھر میں چھینٹ کا کپڑا کہیں سے تحفے میں آ گیا۔ یہ ایک خاص قسم کا نقش و نگار والا سوتی کپڑا تھا اور کوئی بہت زیادہ قیمتی کپڑا نہیں تھا۔ لیکن پورے مدینہ منورہ میں جب بھی کسی کی شادی ہوتی، اور کسی عورت کو دلہن بنایا جاتا تو اس وقت میرے پاس یہ فرمائش آتی کہ وہ چھینٹ کا کپڑا عاریۃً ہمیں دے دیں تاکہ ہم اپنی دلہن کو پہنائیں۔ چنانچہ شادیوں کے موقع پر وہ کپڑا دلہنوں کو پہنایا جاتا تھا ___ بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ آج اس جیسے بہت سے کپڑے بازاروں میں فروخت ہو رہے ہیں۔ اور وہی کپڑا آج اگر میں اپنی باندی کو بھی دیتی ہوں تو وہ بھی ناک منہ چڑھاتی ہے کہ میں تو یہ کپڑا نہیں پہنتی۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ حضور ﷺ کے زمانے میں کتنی تنگ عیشی تھی اور اب کتنی فراوانی ہے۔

یہ دنیا تمہیں ہلاک نہ کر دے

اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ آئندہ زمانے میں اولاً تو اُمت پر عام فقر و فاقہ نہیں آئے گا۔ چنانچہ مسلمانوں کی پوری تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیجئے کہ حضور ﷺ کے زمانے کے بعد عام فقر و فاقہ نہیں آیا، بلکہ کشادگی کا دور آتا چلا گیا، اور آپ ﷺ نے فرما دیا کہ اگر مسلمانوں پر فقر و فاقہ آ بھی گیا تو اس فقر و فاقہ سے مجھے نقصان کا اندیشہ نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ دنیاوی تکلیف ہوگی، لیکن اس سے گمراہی پھیلنے کا اندیشہ نہیں ہوگا۔ البتہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ تمہارے اُوپر دنیا اس طرح پھیلا دی جائے گی جس طرح پچھلی اُمتوں پر پھیلا دی گئی اور تمہارے چاروں طرف دنیا کے ساز و سامان اور مال و دولت کے انبار لگے ہوں گے اور اس وقت تم ایک دوسرے سے ریس کرو گے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرو گے اور یہ سوچو گے کہ فلاں شخص کا جیسا بنگلہ ہے میرا بھی ویسا ہی ہو

جائے، فلاں شخص کی جیسی کار ہے، میرے پاس بھی ویسی ہو جائے، فلاں شخص کے جیسے کپڑے ہیں میرے بھی ویسے ہو جائیں۔ بلکہ اس سے آگے بڑھنے کی خواہش ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ دنیا تمہیں اس طرح ہلاک کر دے گی جس طرح پچھلی اُمتوں کو ہلاک کر دیا۔

جب تمہارے نیچے قالین بچھے ہوں گے

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے نیچے قالین بچھے ہوں گے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور ﷺ کی اس بات پر بہت تعجب ہوا کہ قالین تو بہت دور کی بات ہے ہمیں تو بیٹھنے کے لئے کھجور کے پتوں کی چٹائی بھی میسر نہیں ہے، ننگے فرش پر سونا پڑتا ہے، لہٰذا قالین کہاں اور ہم کہاں؟ چنانچہ حضور ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ!

"انا لنا الانمار، قال انها ستکون"

"قالین ہمارے پاس کہاں سے آئیں گے۔" حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ اگرچہ آج تو تمہارے پاس قالین نہیں ہیں، لیکن وہ وقت آنے والا ہے جب تمہارے پاس قالین ہوں گے۔ (۱)

اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تم پر فقر کا اندیشہ نہیں ہے لیکن مجھے اس وقت کا ڈر ہے جب تمہارے نیچے قالین بچھے ہوں گے اور دنیاوی ساز و سامان کی ریل پیل ہوگی اور تمہارے چاروں طرف دنیا پھیلی ہوئی ہوگی اس وقت تم کہیں اللہ تعالیٰ کو فراموش نہ کر دو، اور اس وقت تم پر کہیں دنیا غالب نہ آجائے۔

جنت کے رومال اس سے بہتر ہیں

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کے پاس شام سے ریشمی کپڑا آگیا۔ ایسا کپڑا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُٹھ اُٹھ کر ہاتھ لگا کر اس کو دیکھنے لگے۔ حضور اقدس ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کپڑے کو اس طرح دیکھ رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ

"لمناديل سعد بن معاذ فی الجنة افضل من هذا." (۲)

---

(۱) رواہ البخاری، کتاب المناقب، باب دلائل النبوۃ، حدیث نمبر ۳۶۳۱۔

(۲) رواہ البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ، حدیث نمبر ۳۲۴۹۔

کیا اس کپڑے کو دیکھ کر تمہیں تعجب ہو رہا ہے اور کیا یہ کپڑا تمہیں بہت پسند آ رہا ہے؟ ارے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں جو رومال عطا فرمائے ہیں وہ اس کپڑے سے کہیں زیادہ بہتر ہیں۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً دنیا سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توجہ ہٹا کر آخرت کی طرف متوجہ فرمایا، کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا کی محبت تمہیں دھوکے میں ڈال دے اور تم آخرت کی نعمتوں سے غافل ہو جاؤ۔ قدم قدم پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی گھٹی میں یہ بات ڈال دی کہ یہ دنیا بے حقیقت ہے، یہ دنیا ناپائیدار ہے، اس دنیا کی لذتیں، اس کی نعمتیں سب فانی ہیں اور یہ دنیا دل لگانے کی چیز نہیں۔

پوری دنیا مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"لو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوضة ما سقى كافرًا منها شربة." (1)

یعنی اگر اس دنیا کی حقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو دنیا سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیا جاتا۔ لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ دنیا کی دولت کافروں کو خوب مل رہی ہے اور وہ خوب مزے اُڑا رہے ہیں باوجود یہ کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں، مگر پھر بھی دنیا ان کو ملی ہوئی ہے، اس لئے کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے حقیقت ہے۔ پوری دنیا کی حیثیت مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں ہے۔ اگر اس کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافروں کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیا جاتا۔

دنیا کی مثال بکری کے مردار بچے سے

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایک راستے سے گزر رہے تھے۔ راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک بکری کا مرا ہوا کان کٹا بچہ پڑا ہوا ہے، اور اس کی بدبو پھیل رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے اس مردہ بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ تم میں سے کون شخص اس مردہ بچے کو ایک درہم میں خریدے گا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! یہ بچہ اگر زندہ بھی ہوتا تب بھی کوئی شخص اس کو ایک درہم میں لینے کے لئے تیار نہ ہوتا، اس

(1) رواہ الترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی ھوان الدنیا علی اللہ، حدیث نمبر ۲۳۳۲۱۔

لئے کہ یہ عیب دار بچہ تھا۔ اور اب تو یہ مردہ ہے۔ اس لاش کو لے کر ہم کیا کریں گے؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ساری دنیا اور اس کے مال و دولت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ بے حقیقت اور بے حیثیت ہے جتنا بکری کا یہ مردہ بچہ تمہارے نزدیک بے حقیقت ہے۔

ساری دنیا ان کی غلام ہو گئی

حضور اقدس ﷺ نے یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں بٹھا دی کہ دنیا سے دل مت لگالو، دنیا کی طرف رغبت کا اظہار مت کرو، ضرورت کے وقت دنیا کو استعمال ضرور کرو، لیکن محبت نہ کرو، یہی وجہ ہے کہ جب دنیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دل سے نکل گئی تو پھر اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کو ان کا غلام بنا دیا۔ کسریٰ ان کے قدموں میں آکر ڈھیر ا ہوا، قیصر ان کے قدموں میں آکر ڈھیر ہوا، اور انہوں نے ان کے مال و دولت کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

شام کے گورنر حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو شام کا گورنر بنا دیا گیا، اس لئے کہ شام کا اکثر علاقہ انہوں نے ہی فتح کیا تھا۔ اس وقت شام ایک بہت بڑا علاقہ تھا۔ آج اس شام کے علاقے میں چار ممالک ہیں یعنی شام، اردن، فلسطین، لبنان اور اس وقت یہ چاروں مل کر اسلامی ریاست کا ایک صوبہ تھا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اس کے گورنر تھے۔ اور شام کا صوبہ بڑا زرخیز تھا۔ مال و دولت کی ریل پیل تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر سارے عالم اسلام کی کمان کر رہے تھے، چنانچہ وہ ایک مرتبہ معائنہ کے لئے شام کے دورہ پر تشریف لائے۔ شام کے دورہ کے دوران ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابوعبیدہ، میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے بھائی کا گھر دیکھوں، جہاں تم رہتے ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ تھا کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اتنے بڑے صوبے کے گورنر بن گئے ہیں اور یہاں مال و دولت کی ریل پیل ہے اس لئے ان کا گھر دیکھنا چاہئے کہ انہوں نے کیا کچھ جمع کیا ہے۔

شام کے گورنر کی رہائش گاہ

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ امیر المومنین! آپ میرے گھر کو دیکھ کر کیا کریں گے

اس لئے کہ جب آپ میرے گھر کو دیکھیں گے تو آنکھیں نچوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اصرار فرمایا کہ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ امیر المومنین کو لے کر چلے، شہر کے اندر سے گزر رہے تھے۔ جاتے جاتے جب شہر کی آبادی ختم ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کہاں لے جارہے ہو؟ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بس اب تو قریب ہے۔ چنانچہ پورا دمشق شہر جو دنیا کے مال واسباب سے جگمگ کر رہا تھا، گزر گیا تو آخر میں لے جا کر کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ایک جھونپڑا دکھایا، اور فرمایا کہ امیر المومنین، میں اس میں رہتا ہوں۔ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے تو چاروں طرف نظریں گھما کر دیکھا تو وہاں سوائے ایک مصلے کے کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے ابوعبیدہ! تم اس میں رہتے ہو؟ یہاں تو کوئی سازوسامان، کوئی برتن، کوئی کھانے پینے اور سونے کا انتظام کچھ بھی نہیں ہے، تم یہاں کیسے رہتے ہو؟

اُنہوں نے جواب دیا کہ امیر المومنین، الحمدللہ میری ضرورت کے سارے سامان میسر ہیں، یہ مصلی ہے، اس پر نماز پڑھ لیتا ہوں، اور رات کو اس پر سو جاتا ہوں اور پھر اپنا ہاتھ اُوپر چھپر کی طرف بڑھایا اور وہاں سے ایک پیالہ نکالا، جو نظر نہیں آرہا تھا، اور وہ پیالہ نکال کر دکھایا کہ امیر المومنین، یہ برتن ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب اس برتن کو دیکھا تو اس میں پانی بھرا ہوا تھا اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے بھیگے ہوئے تھے۔ اور پھر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امیر المومنین، میں دن رات تو حکومت کے سرکاری کاموں میں مصروف رہتا ہوں، کھانے وغیرہ کے انتظام کرنے کی فرصت نہیں ہوتی، ایک خاتون میرے لئے دو تین دن کی روٹی ایک وقت میں پکا دیتی ہے، میں اس روٹی کو رکھ لیتا ہوں اور جب وہ سوکھ جاتی ہے تو میں اس کو پانی میں ڈبو دیتا ہوں اور رات کو سوتے وقت کھا لیتا ہوں۔ (۱)

بازار سے گزرا ہوں، خریدار نہیں ہوں

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھی تو آنکھوں میں آنسو آگئے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امیر المومنین، میں تو آپ سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ میرا مکان دیکھنے کے بعد آپ کو آنکھیں نچوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابوعبیدہ! اس دنیا کی ریل پیل نے ہم سب کو بدل دیا، مگر خدا کی قسم تم ویسے ہی ہو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے

(۱) سیر اعلام النبلاء، ج ۱، صفحہ ۷۔

میں تھے، اس دنیا نے تم پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ حقیقت میں یہی لوگ اس کے مصداق ہیں کہ ع

بازار سے گزرا ہوں، خریدار نہیں ہوں

ساری دنیا آنکھوں کے سامنے ہے، اس کی دلکشیاں بھی سامنے ہیں اور اس کی رعنائیاں بھی سامنے ہیں اور دوسرے لوگ جو دنیا کی ریل پیل میں گھرے ہوئے ہیں وہ سب سامنے ہیں لیکن آنکھوں میں کوئی جچتا نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ جل جلالہ کی محبت اس طرح دل پر چھائی ہوئی ہے کہ ساری دنیا کے جگ مگ کرتے ہوئے مناظر دھوکہ نہیں دے سکتے، اللہ تعالیٰ کی محبت ہر وقت دل و دماغ پر مسلط اور طاری ہے۔ ہمارے حضرت مجذوب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ؎

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا (مجذوب)

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جن کے قدموں میں دنیا ذلیل ہو کر آئی۔ لیکن دنیا کی محبت کو دل میں جگہ نہیں دی۔ حقیقت میں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دنیا کی حقیقت کی طرف متوجہ کیا۔ اور بار بار دنیا کی بے ثباتی کی طرف اور آخرت کی ابدی اور دائمی نعمتوں اور عذابوں کی طرف متوجہ کیا جس سے قرآن وحدیث بھرے ہوئے ہیں۔

ایک دن مرنا ہے

انسان ذرا سوچے تو سہی کہ یہ دنیا کس وقت تک کی ہے۔ ایک دن کی، دو دن کی، تین دن کی، کسی کو پتہ ہے کہ کب تک اس دنیا میں رہوں گا؟ کیا اس کو یقین ہے کہ میں اگلے گھنٹے بلکہ اگلے لمحے زندہ رہوں گا؟ بڑے سے بڑا سائنس دان، بڑے سے بڑا فلسفی، بڑے سے بڑا صاحبِ اقتدار یہ نہیں بتا سکتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی کتنی ہے؟ لیکن اس کے باوجود انسان دنیا کا ساز و سامان اکٹھا کرنے میں لگا ہوا ہے اور دن رات دنیا کی دوڑ دھوپ لگی ہے اور صبح سے شام تک اسی کا چکر چل رہا ہے اور جس دن بلاوا آئے گا سب کچھ چھوڑ کر چلا جائے گا، کوئی چیز ساتھ نہیں جائے گی۔

کیا مال و دولت کا نام دنیا ہے؟

یہ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی کا خطاب ہے جو 4 ستمبر 1991ء بروز جمعۃ المبارک بعد از نمازِ مغرب ہوا، جس کو مولانا عبداللہ میمن نے ترتیب دیا۔ یہاں مذکورہ خطاب کو حذف مکررات اور ترتیبِ جدید کے ساتھ نقل کیا جارہا ہے، اور یہ بیان آنے والی تفصیلات کے لئے تمہید کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۲ از مرتب عفی عنہ

(اصلاحی خطبات جلد ۳، ص ۱۲۳ تا ۱۲۷)

کیا مال و دولت کا نام دنیا ہے؟

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا وسندنا وشفيعنا ومولانا محمّدًا عبده ورسوله، صلى الله تعالٰى عليه وعلٰى آله واصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا.

اما بعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. وَابْتَغِ فِيْ مَآ اٰتٰاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ O (1)

امنت بالله صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبى الكريم. ونحن علٰى ذلك من الشاهدين والشاكرين والحمد لله رب العالمين.

ایک غلط فہمی

اس آیت کا انتخاب میں نے اس لئے کیا کہ آج ایک بہت بڑی غلط فہمی اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں میں بھی کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہے اور اس غلط فہمی کا ازالہ قرآن کریم کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔ غلط فہمی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آج کی اس دنیا میں دین کے مطابق زندگی گزارنا چاہے، اور اسلام کے احکام پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی بسر کرنا چاہے تو اسے دنیا چھوڑنی ہوگی، دنیا کا عیش و آرام، دنیا کی آسائش چھوڑنی ہوگی اور دنیا کے مال و اسباب کو ترک کیے بغیر اور اس سے قطع نظر کیے بغیر اس دنیا میں اسلام کے مطابق اور دین کے مطابق زندگی نہیں گزاری جاسکتی۔ اور اس غلط فہمی کا منشاء درحقیقت یہ ہے کہ ہمیں یہ بات معلوم نہیں ہے کہ اسلام نے دنیا کے بارے میں کیا تصور پیش کیا ہے؟ یہ دنیا کیا چیز ہے؟ دنیا کے مال و اسباب اور اس کے عیش و آرام کی حقیقت کیا ہے؟ کس حد تک اُسے

(۱) سورۃ القصص: ۷۷

اختیار کیا جاسکتا ہے اور کس حد تک اس سے اجتناب ضروری ہے، یہ بات ذہنوں میں پوری طرح واضح نہیں ہے۔

قرآن وحدیث میں دنیا کی مذمت

ذہنوں میں تھوڑی سی الجھن اس لئے بھی پیدا ہوتی ہے کہ یہ جملے کثرت سے کانوں میں پڑتے رہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں دنیا کی مذمت کی گئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"الدنیا جیفة وطالبوها کلاب."(۱)

کہ دنیا ایک مردار جانور کی طرح ہے، اور اس کے پیچھے لگنے والے کتوں کی طرح ہیں۔

اس حدیث کو اگرچہ بعض علماء نے لفظاً موضوع کہا ہے، لیکن ایک مقولے کے اعتبار سے اس کو صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔ تو دنیا کو مردار قرار دیا گیا، اور اس کے طلب گار کو کتے قرار دیا گیا۔ اسی طرح قرآن کریم میں فرمایا گیا:

"وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ."(۲)

''یہ دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے۔''

قرآن کریم میں ایک اور جگہ فرمایا گیا:

"اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ"(۳)

تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے ایک فتنہ ہے، ایک آزمائش ہے۔

ایک طرف تو قرآن وحدیث کے یہ ارشادات ہمارے سامنے آتے ہیں، جس میں دنیا کی برائی بیان کی گئی ہے۔ اس یک طرفہ صورتِ حال کو دیکھ کر بعض اوقات دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسلمان بننا ہے تو دنیا کو بالکل چھوڑنا ہوگا۔

دنیا کی فضیلت اور اچھائی

لیکن دوسری طرف آپ نے یہ بھی سنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مال کو بعض جگہ ''فضل اللہ'' قرار دیا، تجارت کے بارے میں فرمایا گیا کہ "ابتغوا من فضل اللّٰہ" کہ تجارت کے

(۱) کشف الخفاء للعجلونی، حدیث نمبر ۱۳۱۳۔

(۲) سورۃ آل عمران: ۱۸۵۔　(۳) سورۃ التغابن: ۱۵۔

ذریعے اللہ کے فضل کو تلاش کرنا ہے، چنانچہ سورۃ جمعہ میں جہاں جمعہ کی نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، اسی کے بعد آگے ارشاد فرمایا:

"فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ"(۱)

کہ جب جمعہ کی نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔ تو مال اور تجارت کو اللہ کا فضل قرار دیا۔ اسی طرح بعض جگہ قرآن کریم نے مال کو "خیر" یعنی بھلائی قرار دیا، اور یہ دعا تو ہم اور آپ سب پڑھتے رہتے ہیں کہ:

"رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ."(۲)

"اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرمائیے اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرمائیے۔"

تو بعض اوقات ذہن میں یہ الجھن پیدا ہوتی ہے کہ ایک طرف تو اتنی برائی کی جارہی ہے کہ اس کو مردار کہا جارہا ہے، اس کے طلب گاروں کو کتا کہا جارہا ہے، اور دوسری طرف اس کو اللہ کا فضل قرار دیا جارہا ہے، خیر کہا جارہا ہے، اس کی اچھائی بیان کی جارہی ہے تو ان میں سے کون سی بات صحیح ہے؟

آخرت کے لئے دنیا چھوڑنے کی ضرورت نہیں

واقعہ یوں ہے کہ قرآن وحدیث کو صحیح طریقے سے پڑھنے کے بعد جو صورتِ حال واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ ہم سے یہ نہیں چاہتے کہ ہم دنیا کو چھوڑ کر بیٹھ جائیں۔ عیسائی مذہب میں تو اس وقت تک اللہ کا قرب حاصل نہیں ہوسکتا تھا، جب تک انسان بیوی بچوں اور گھربار اور کاروبار کو چھوڑ کر نہ بیٹھ جائے، لیکن نبی کریم ﷺ نے جو تعلیمات ہمیں عطا فرمائیں، اس میں یہ کہیں نہیں کہا کہ تم دنیا کو چھوڑ دو، کمائی نہ کرو، تجارت نہ کرو، مال حاصل نہ کرو، مکان نہ بناؤ، بیوی بچوں کے ساتھ ہنسو بولو نہیں، کھانا نہ کھاؤ، اس قسم کا کوئی حکم شریعت محمدیہ میں موجود نہیں، ہاں! یہ ضرور کہا ہے کہ یہ دنیا تمہاری آخری منزل نہیں، یہ تمہاری زندگی کا آخری مقصد نہیں، یہ سمجھنا غلط ہے کہ ہماری جو کچھ کاروائی ہے، وہ صرف اسی دنیا سے متعلق ہے، اس سے آگے ہمیں کچھ نہیں سوچنا ہے، اور نہ کچھ کرنا ہے۔ بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ یہ دنیا درحقیقت اس لئے ہے کہ تم اس میں رہ کر اپنی آنے والی ابدی زندگی یعنی آخرت کی زندگی کے لئے کچھ تیاری کرلو، اور آخرت کو فراموش کیے بغیر

(۱) سورۃ الجمعہ: ۱۰۔ (۲) سورۃ البقرۃ: ۲۰۱۔

اس دنیا کو اس طرح استعمال کرو کہ اس میں تماری دنیاوی ضروریات بھی پوری ہوں، اور ساتھ ساتھ آخرت کی جو زندگی آنے والی ہے اس کی بھلائی بھی تمہارے پیشِ نظر ہو۔

موت سے کسی کو انکار نہیں

یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جس سے کوئی بد سے بدتر کافر بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہر انسان کو ایک دن مرنا ہے، موت آنی ہے، یہ وہ حقیقت ہے جس میں آج تک کوئی شخص انکار نہیں کر سکا، یہاں تک کہ لوگوں نے خدا کا انکار کر دیا، لیکن موت کا منکر آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا، کسی نے یہ نہیں کہا کہ مجھے موت نہیں آئے گی، میں ہمیشہ زندہ رہوں گا، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ کسی کو نہیں معلوم کہ کس کی موت کب آئے گی؟ بڑے سے بڑا سائنس دان، بڑے سے بڑا ڈاکٹر، بڑے سے بڑا سرمایہ دار، بڑے سے بڑا فلسفی، وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ میری موت کب آئے گی؟

اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے

اور تیسری بات یہ کہ مرنے کے بعد کیا ہونا ہے؟ آج تک کوئی سائنس فلسفہ کوئی ایسا علم ایجاد نہیں ہوا جو انسان کو براہِ راست یہ بتا سکے کہ مرنے کے بعد کیا حالات پیش آتے ہیں۔ آج مغرب کی دنیا یہ تو تسلیم کر رہی ہے کہ کچھ ایسے اندازے معلوم ہوتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی کوئی زندگی ہے اس نتیجے تک وہ پہنچ رہے ہیں، لیکن اس کے حالات کیا ہیں؟ اس میں انسان کا کیا حشر بنے گا؟ اس کی تفصیلات دنیا کی کوئی سائنس نہیں بتا سکی۔ جب یہ بات طے ہے کہ مرنا ہے، ہو سکتا ہے کہ کل ہی مر جائیں، اور یہ بھی طے ہے کہ مرنے کے بعد آنے والی زندگی کے حالات کا براہِ راست مجھے علم نہیں، ہاں! ایک کلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پر ایمان لایا ہوں اور ''محمد رسول اللہ'' کے معنی یہ ہیں کہ محمد ﷺ وحی کے ذریعے جو بھی خبر لے کر آئے ہیں، وہ سچی بات ہے، اس میں جھوٹ کا کوئی امکان نہیں، اور محمد ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری اصل زندگی وہ ہے جو مرنے کے بعد شروع ہونے والی ہے۔ اور یہ موجودہ زندگی ایک حد پر جا کر ختم ہو جائے گی اور وہ زندگی کبھی ختم ہونے والی نہیں، بلکہ ابدی ہے، لامتناہی ہے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔

اسلام کا پیغام

تو اسلام کا پیغام یہ ہے کہ دنیا میں ضرور رہو، اور دنیا کی چیزوں سے ضرور فائدہ اُٹھاؤ، دنیا سے

لطف اندوز بھی ہو، لیکن ساتھ ساتھ اس دنیا کو آخری مشن اور آخری منزل نہ سمجھو۔(۱)

دنیا آخرت کے لئے ایک سیڑھی ہے

درحقیقت ایک مسلمان کے لئے یہ پیغام ہے کہ دنیا میں رہو، دنیا کو برتو، دنیا کو استعمال کرو، لیکن فرق صرف زاویۂ نگاہ کا ہے۔ اگر تم دنیا کو اس لئے استعمال کر رہے ہو کہ یہ آخرت کی منزل کے لئے ایک سیڑھی ہے، تو یہ دنیا تمہارے لئے خیر ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے جس پر اللہ کا شکر ادا کرو، اور اگر دنیا کو اس نیت سے استعمال کر رہے ہو کہ یہ تمہاری آخری منزل ہے، اور بس اس کی بھلائی بھلائی ہے، اور اس کی اچھائی اچھائی ہے، اور اس سے آگے کوئی چیز نہیں، تو پھر یہ دنیا تمہارے لئے ہلاکت کا سامان ہے۔

دنیا دِین بن جاتی ہے

یہ دونوں باتیں اپنی جگہ صحیح ہیں کہ یہ دنیا مردار ہے جب کہ اس کی محبت اور اس کا خیال دل و دماغ پر اس طرح چھا جائے کہ صبح سے لے کر شام تک دنیا کے سوا کوئی خیال نہ آئے، لیکن اگر اس دنیا کو اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کر رہے ہو تو پھر یہ دنیا بھی انسان کے لئے دنیا نہیں رہتی، بلکہ دین بن جاتی ہے، اور اجر و ثواب کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

قارون کو نصیحت

اور دنیا کو کیسے دین بنایا جاتا ہے؟ اس کا طریقہ قرآن کریم نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے جو میں نے آپ کے سامنے ابھی تلاوت کی۔ یہ سورۃ قصص کی آیت ہے، اور اس میں قارون کا ذکر ہے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بہت بڑا سرمایہ دار تھا، اور قرآن کریم نے فرمایا کہ اس کے اتنے خزانے تھے کہ (اس زمانے میں دولت خزانوں میں رکھی جاتی تھی اور بڑے موٹے بھاری قسم کے تالے ہوا کرتے تھے اور چابیاں بھی بہت لمبی چوڑی ہوتی تھیں) اس کے خزانوں کی چابیاں اُٹھانے کے لئے پوری جماعت درکار ہوتی تھی، ایک آدمی اس کے خزانوں کی چابیاں نہیں اُٹھا سکتا تھا، اتنا بڑا سرمایہ دار تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو جو نصیحت اور پیغام دیا گیا تھا وہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس نصیحت میں قارون سے یہ نہیں کہا گیا کہ تم اپنے اس سارے خزانوں سے دست بردار

(۱) اصلاحی خطبات، جلد ۳، ص ۱۲۸ تا ۱۳۳۔

ہو جاؤ، یا اپنا مال و دولت آگ میں پھینک دو، بلکہ اس کو یہ نصیحت کی گئی کہ

"وَابْتَغِ فِيْ مَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ"

کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ مال و دولت روپیہ پیسہ، عزت شہرت، مکان، سواریاں، نوکر چاکر جو کچھ بھی دیا ہے اس سے اپنے آخرت کے گھر کی بھلائی طلب کرو، اس سے اپنی آخرت بناؤ۔ یہ جو فرمایا کہ ''جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے'' اس سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایک انسان خواہ کتنا ماہر ہو، کتنا ذہین ہو، کتنا تجربہ کار ہو، لیکن جو کچھ وہ کماتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ وہ قارون کہتا تھا کہ:

"اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ"(۱)

میرے پاس جو علم، جو ذہانت اور تجربہ ہے اس کی بدولت مجھے یہ ساری دولت حاصل ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تمہیں دیا گیا وہ اللہ کی عطا ہے۔ اس دنیا میں کتنے لوگ ایسے ہیں جو بڑے ذہین ہیں، مگر بازار میں جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں، اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ ایک تو اس بات کا استحضار کرو کہ جو کچھ مال ہے، خواہ وہ روپیہ پیسہ کی شکل میں ہو، سامانِ تجارت کی شکل میں ہو، مکان کی شکل میں ہو، یہ سب اللہ کی عطا ہے۔

کیا سارا مال صدقہ کر دیا جائے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے جو کچھ ہمارے پاس مال ہے وہ سارا کا سارا صدقہ کر دیں؟ اس لئے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مال کو آخرت کے لئے استعمال کرنے کے معنی صرف یہ ہیں کہ جو کچھ بھی مال ہے وہ صدقہ کر دیا جائے، لیکن قرآن کریم نے اگلے جملے میں اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا"

دنیا میں جتنا حصہ تمہیں ملنا ہے، اور جو تمہارا حق ہے، اس کو مت بھولو، اور اس سے دست بردار مت ہو جاؤ، بلکہ اس کو اپنے پاس رکھو، لیکن اس مال کے ساتھ یہ معاملہ کرو کہ:

"وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ"

جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے ساتھ احسان کیا کہ تم کو یہ مال عطا فرمایا، اسی طرح تم بھی دوسروں کے ساتھ احسان کرو، دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، اور آگے فرمایا کہ:

---

(۱) سورۃ القصص: ۷۸۔

"وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ"

اور اس مال کو زمین میں فساد اور بگاڑ پھیلانے کے لئے استعمال مت کرو۔

زمین میں فساد کا سبب

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن کاموں کو حرام اور ناجائز قرار دے دیا، اس کو انجام دینے سے قرآن کریم کی اصطلاح کے مطابق زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ مال حاصل کرنے کے جس طریقے کو اللہ تعالیٰ نے ناجائز بتا دیا، اگر وہ طریقہ استعمال کرو گے تو زمین میں فساد پھیلے گا۔ مثلاً چوری کر کے مال حاصل کرنا، ڈاکہ ڈال کر مال حاصل کرنا حرام ہے۔ کوئی شخص اگر یہ طریقہ اختیار کرے گا تو زمین میں فساد پھیلے گا۔ کوئی شخص دوسرے کا حق مار کر اور دوسرے کو دھوکہ دے کر فریب دے کر مال حاصل کرے گا تو اس سے زمین میں فساد پھیلے گا۔ اور سود کے ذریعہ اور قمار کے ذریعہ یا اور دوسرے حرام طریقوں سے مال حاصل کرے گا تو وہ سب فساد فی الارض میں داخل ہوگا۔ ہم سب سے قرآن کریم کا مطالبہ یہ ہے کہ مال ضرور حاصل کریں اور مال کو حاصل کرتے وقت اس بات کا دھیان رکھیں کہ مال حاصل کرنے کا یہ طریقہ حلال ہے یا حرام، اگر وہ حرام ہے تو پھر چاہے وہ کتنی ہی بڑی دولت کیوں نہ ہو، اس کو ٹھکرا دو، اور اگر حلال ہے تو اس کو اختیار کرو۔

دولت سے راحت نہیں خریدی جا سکتی

یاد رکھئے مال اپنی ذات میں کوئی نفع دینے والی چیز نہیں، بھوک کے وقت ان پیسوں کو کوئی نہیں کھاتا، پیاس لگے تو اس کے ذریعے پیاس نہیں بجھا سکتے، لیکن انسان کو راحت پہنچانے کا ایک ذریعہ ہے، اور راحت اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا ہے۔ حرام طریقوں سے مال حاصل کر کے اگر تم نے بہت بینک بیلنس بڑھا لیا، اور بہت خزانے بھر لیے، لیکن اس کے ذریعہ راحت حاصل ہونا کوئی ضروری نہیں۔ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ حرام دولت کے انبار جمع ہو گئے، لیکن راحت حاصل نہ ہو سکی، رات کو اس وقت تک نیند نہیں آتی جب تک نیند کی گولیاں نہ کھائے، مال و دولت، مل فیکٹری، سامانِ تجارت، نوکر چاکر سب کچھ ہے، لیکن جب کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھا تو بھوک نہیں لگتی، اور بستر پر سونے کے لئے لیٹا، مگر نیند نہیں آتی، دوسری طرف ایک مزدور ہے جو آٹھ گھنٹے محنت مزدوری کرنے کے بعد ڈٹ کر کھانا کھاتا ہے اور آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر سوتا ہے، تو اب بتایئے اس مزدور کو راحت ملی یا اس صاحب بہادر کو جو بہت عالیشان بستر پر ساری رات کروٹیں بدلتا رہا؟ حقیقت میں راحت اللہ

تبارک وتعالیٰ کی عطا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مسلمان کے ساتھ یہ اصول ہے کہ اگر وہ حلال طریقے سے دولت حاصل کرے گا تو وہ اس کو راحت اور سکون عطا کریں گے، اگر وہ حرام طریقے سے حاصل کرے گا تو وہ شاید دولت کے انبار تو جمع کر لے، لیکن جس چیز کا نام سکون ہے، جس کا نام راحت ہے، اس کو وہ دنیا کے انبار میں بھی حاصل نہیں کر سکے گا۔

دنیا کو دین بنانے کا طریقہ

تو پیغام صرف اتنا ہے کہ مال کمانے میں حرام طریقوں سے بچو، اور تمہاری حاصل شدہ دولت پر جو فرائض عائد کیے گئے ہیں، خواہ وہ زکوٰۃ کی شکل میں ہو، یا خیرات وصدقات کی شکل میں ہو، ان کو بجالاؤ، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے تم دوسروں کے ساتھ احسان کرو، اگر انسان یہ اختیار کر لے، اور جو نعمت انسان کو ملے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، تو دنیا کی ساری نعمتیں اور دولتیں دین بن جائیں گی، اور وہ سب اجر بن جائیں گی، پھر کھانا کھائے گا تو بھی اجر ملے گا اور پانی پیئے گا تو بھی اجر ملے گا، تجارت کرے گا تو بھی اجر ملے گا، اور دنیا کی اور راحتیں اختیار کرے گا تو اس پر بھی اجر ملے گا، کیونکہ اس نے اس دنیا کو اپنا مقصد نہیں بنایا، بلکہ مقصد کے لئے ایک راستہ اور ایک ذریعہ قرار دیا ہے اور اس کے ذریعے وہ اپنی آخرت تلاش کر رہا ہے، حرام کاموں سے بچتا ہے، اور اپنے واجبات کو ادا کرتا ہے تو ساری دنیا دین بن جاتی ہے، اور وہ دنیا اللہ تعالیٰ کا ''فضل'' بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بات کا صحیح فہم بھی عطا فرمائے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

عبادات کی اقسام

اصلاحی خطبات، جلد ۱۰، موضوع: رمضان کس طرح گزاریں؟

عبادات کی اقسام

یہاں ایک بات سمجھ لینی چاہئے، جس کے نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض اوقات گمراہیاں پیدا ہو جاتی ہیں، وہ یہ کہ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ مؤمن کا ہر کام عبادت ہے، یعنی اگر مؤمن کی نیت صحیح ہے اور اس کا طریقہ صحیح ہے اور وہ سنت کے مطابق زندگی گزار رہا ہے تو پھر اس کا کھانا بھی عبادت ہے، اس کا سونا بھی عبادت ہے، اس کا ملنا جلنا بھی عبادت ہے، اس کا کاروبار کرنا بھی عبادت ہے، اس کا بیوی بچوں کے ساتھ ہنسنا بولنا بھی عبادت ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح ایک مؤمن کے یہ سب کام عبادت ہیں، اسی طرح نماز بھی عبادت ہے، تو پھر ان دونوں عبادتوں میں کیا فرق ہے؟ ان دونوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے اور اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض لوگ گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

پہلی قسم: براہِ راست عبادت

ان دونوں عبادتوں میں فرق یہ ہے کہ ایک قسم کے اعمال وہ ہیں جو براہِ راست عبادت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کے علاوہ جن کا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے اور وہ اعمال صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لئے ہی وضع کیے گئے ہیں۔ جیسے نماز ہے، اس نماز کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے کہ بندہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اللہ تعالیٰ کے آگے سرِ نیاز جھکائے، اس نماز کا کوئی اور مقصد اور مصرف نہیں ہے، لہٰذا یہ نماز اصلی عبادت اور براہِ راست عبادت ہے۔ اسی طرح روزہ، زکوٰۃ، ذکر، تلاوت، صدقات، حج، عمرہ، یہ سب اعمال ایسے ہیں کہ ان کو صرف عبادت ہی کے لئے وضع کیا گیا ہے، ان کا کوئی اور مقصد اور مصرف نہیں ہے، یہ براہِ راست عبادتیں ہیں۔

دوسری قسم: بالواسطہ عبادت

ان کے مقابلے میں کچھ اعمال وہ ہیں جن کا اصل مقصد تو کچھ اور تھا، مثلاً اپنی دنیاوی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مؤمن سے یہ کہہ دیا کہ اگر تم اپنے دنیاوی کاموں کو بھی نیک نیتی سے ہماری مقرر کردہ حدود کے اندر اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق انجام دو گے تو ہم تمہیں ان کاموں پر بھی ویسا ہی ثواب دیں گے جیسے ہم پہلی قسم کی

عبادات پر دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ دوسری قسم کے اعمال براہِ راست عبادت نہیں ہیں بلکہ بالواسطہ عبادت ہیں اور یہی عبادات کی دوسری قسم ہے۔

''حلال کمانا'' بالواسطہ عبادت ہے

مثلاً یہ کہہ دیا کہ اگر تم بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے جائز حدود کے اندر رہ کر کماؤ گے اور اس نیت کے ساتھ رزقِ حلال کماؤ گے کہ میرے ذمے میری بیوی کے حقوق ہیں، میرے ذمے میرے بچوں کے حقوق ہیں، میرے ذمے میرے نفس کے حقوق ہیں، ان حقوق کو ادا کرنے کے لئے میں کما رہا ہوں، تو اس کمائی کرنے کو بھی اللہ تعالیٰ عبادت بنا دیتے ہیں۔ لیکن اصلاً یہ کمائی کرنا عبادت کے لئے نہیں بنایا گیا، اس لئے یہ کمائی کرنا براہِ راست عبادت نہیں بلکہ بالواسطہ عبادت ہے۔

رزقِ حلال کی طلب دوسرے درجے کا فریضہ

''عن عبداللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة.''[۱]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رزقِ حلال کو طلب کرنا دین کے اوّلین فرائض کے بعد دوسرے درجے کا فریضہ ہے۔ اگرچہ سند کے اعتبار سے محدثین نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن علماء اُمت نے اس حدیث کو معنیٰ کے اعتبار سے قبول کیا ہے، اور اس بات پر ساری اُمت کے علماء کا اتفاق ہے کہ معنیٰ کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح ہے۔ اس حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عظیم اصول بیان فرمایا ہے، وہ یہ کہ رزقِ حلال کو طلب کرنا دین کے اوّلین فرائض کے بعد دوسرے درجے کا فریضہ ہے۔ یعنی دین کے اوّلین فرائض تو وہ ہیں جو ارکانِ اسلام کہلاتے ہیں اور جن کے بارے میں ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ چیزیں دین میں فرض ہیں، مثلاً نماز پڑھنا، زکوٰۃ ادا کرنا، روزہ رکھنا، حج کرنا وغیرہ، یہ سب دین کے اوّلین فرائض ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان دینی فرائض کے بعد دوسرے درجے کا فریضہ ''رزقِ حلال کو طلب کرنا اور رزقِ حلال کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا'' ہے۔ یہ ایک مختصر سا ارشاد اور مختصری تعلیم ہے، لیکن اس حدیث میں بڑے عظیم علوم بیان فرمائے گئے ہیں۔ اگر آدمی اس حدیث میں غور کرے تو دین کی فہم عطا کرنے کے لئے اس میں بڑا سامان ہے۔

---

(۱) کنز العمال، جلد ۴، حدیث نمبر ۹۲۳۱۔ اصلاحی جلد ۱۰، ص ۱۸۵۔

رزقِ حلال کی طلب دین کا حصہ ہے

اس حدیث سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ہم اور آپ رزقِ حلال کی طلب میں جو کچھ کاروائی کرتے ہیں، چاہے وہ تجارت ہو، چاہے وہ کاشت کاری ہو، چاہے وہ ملازمت ہو، چاہے وہ مزدوری ہو، یہ سب کام دین سے خارج نہیں ہیں بلکہ یہ سب بھی دین کا حصہ ہیں اور نہ صرف یہ کہ یہ کام جائز اور مباح ہیں بلکہ ان کو فریضہ قرار دیا گیا ہے اور نماز، روزے کے فرائض کے بعد اس کو بھی دوسرے درجے کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کام نہ کرے اور رزقِ حلال کی طلب نہ کر بلکہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر گھر میں بیٹھ جائے تو وہ شخص فریضہ کے ترک کرنے کا گناہ گار ہوگا، اس لئے کہ اس نے ایک فرض اور واجب کام کو چھوڑ رکھا ہے، کیونکہ شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ انسان سُست ہو کر اور بیکار ہو کر نہ بیٹھ جائے اور کسی دوسرے کا دست نگر نہ بنے، اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ اور ان چیزوں سے بچنے کا راستہ حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمادیا کہ آدمی اپنی وسعت اور کوشش کے مطابق رزقِ حلال طلب کرتا رہے تاکہ کسی دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہ آئے، کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق ہمارے اُوپر واجب فرمائے ہیں، اسی طرح کچھ حقوق ہمارے اوپر ہمارے نفس سے متعلق اور ہماری ذات سے متعلق اور ہمارے گھر والوں سے متعلق بھی واجب فرمائے ہیں، اور رزقِ حلال کی طلب کے بغیر یہ حقوق ادا نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ان حقوق کی ادائیگی کے لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی رزقِ حلال طلب کرے۔

حضور ﷺ اور رزقِ حلال کے طریقے

دیکھئے! جتنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں تشریف لائے، ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے کسبِ حلال کا کام ضرور کرایا اور حلال رزق کے حصول کے لئے ہر نبی نے جدوجہد کی۔ کوئی نبی مزدوری کرتے تھے، کوئی نبی بڑھئی کا کام کرتے تھے، کوئی نبی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ خود حضور اقدس ﷺ نے مکہ مکرمہ کے پہاڑوں پر اُجرت پر بکریاں چرائیں۔ بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یاد ہے کہ میں اجیاد کے پہاڑ پر لوگوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ بہرحال، بکریاں آپ نے چرائیں، مزدوری آپ نے کی، تجارت آپ نے کی۔ چنانچہ تجارت کے سلسلے میں آپ ﷺ نے شام کے دو سفر کیے، جس میں آپ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا سامانِ تجارت لے کر شام تشریف لے گئے۔ زراعت آپ نے کی۔ مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلے پر مقام جُرف تھا، وہاں پر آپ نے زراعت کا کام کیا۔ لہٰذا

کسبِ حلال کے جتنے طریقے ہیں ان سب میں آپ ﷺ کا حصہ اور آپ کی سنت موجود ہے۔ اگر کوئی شخص ملازمت کر رہا ہے تو یہ نیت کر لے کہ میں حضور نبی کریم ﷺ کی سنت کی اتباع میں یہ ملازمت کر رہا ہوں۔ اگر کوئی شخص تجارت کر رہا ہے تو وہ یہ نیت کر لے کہ میں حضور ﷺ کی اتباع میں تجارت کر رہا ہوں اور اگر کوئی زراعت کر رہا ہے تو وہ یہ نیت کر لے کہ میں نبی کریم ﷺ کی اتباع میں زراعت کر رہا ہوں تو اس صورت میں یہ سب کام دین کا حصہ بن جائیں گے۔

مؤمن کی دنیا بھی دین ہے

اس حدیث نے بھی اس غلط فہمی کو دور کر دیا ہے کہ دین اور چیز کا نام ہے اور دنیا کسی الگ چیز کا نام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان غور سے دیکھے تو ایک مؤمن کی دنیا بھی دین ہے۔ جس کام کو وہ دنیا کا کام سمجھ رہا ہے یعنی رزق حاصل کرنے کی فکر اور کوشش، یہ بھی درحقیقت دین ہی کا حصہ ہے، بشرطیکہ اس کو صحیح طریقے سے کرے اور نبی کریم ﷺ کی تعلیم کی اتباع میں کرے۔ بہرحال، ایک بات تو اس سے یہ معلوم ہوئی کہ رزقِ حلال کی طلب بھی دین کا حصہ ہے۔ اگر یہ بات ایک مرتبہ ذہن میں بیٹھ جائے تو پھر بے شمار گمراہیوں کا راستہ بند ہو جائے۔

اپنے ہاتھ سے روزی کمانے کی فضیلت

حدثنا ابراهیم بن مسی: اخبرنی عیسی بن یونس، عن ثور، عن خالد ابن معدان، عن المقدام رضی اللّٰہ عنه، عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: "ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یأکل من عمل یده، وان نبی اللّٰہ داؤد علیه السلام کان یأکل من عمل یده."(۱)

حدثنا یحیی بن موسی: حدثنا عبداللّٰہ الرزاق: اخبرنا معمر، عن همام بن منبه: حدثنا ابوهریرة عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "ان داؤد النبی علیه السلام کان لا یأکل الا من عمل یده."(۲)

ان دونوں حدیثوں میں اپنے عمل سے روزی کمانے کی فضیلت بیان فرمائی کہ سب سے افضل کھانا وہ ہے جو انسان خود محنت کر کے کمائے اور کھائے، حضرت داؤد علیہ السلام بھی ایسا کرتے تھے۔

---

(۱) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ، رقم ۲۰۷۲۔
(۲) ایضاً رقم ۲۰۷۳ وفی مسند احمد باقی مسند المکثرین رقم ۷۸۱۳۔

روزی کمانے میں عار نہیں ہونا چاہئے

لہٰذا معلوم ہوا کہ خود محنت کر کے کمانا یہ فضیلت کی چیز ہے اور یہ جو بعض لوگوں کے ذہن میں خیال پیدا ہو جاتا ہے یعنی اپنے لئے ایک منصب تجویز کر دیتے ہیں کہ ہم کو یہ منصب ملے گا تو کام کریں گے ورنہ نہیں کریں گے۔ مثلاً طلبہ یہاں سے فارغ ہو کے جاتے ہیں تو اپنے ذہنوں میں یہ بٹھا لیتے ہیں کہ مدرس بنیں گے یا کہیں خطیب بنیں گے تو بنیں گے، لہٰذا جب تک وہ جگہ نہیں ملتی بے کار رہتے ہیں تو یہ بات صحیح نہیں۔ آدمی کو کسی بھی کام سے عار نہیں ہونا چاہئے۔ جو کام بھی روزی کمانے کے لئے اپنے حقوق کی ادائیگی کے لئے میسر آ جائے اس کام سے پرہیز نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ حدیث میں اس کو فریضة بعد الفريضة کہا گیا ہے۔

حدثنا يحى بن بكير: حدثن الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن ابى عبيد مولى عبدالرحمٰن بن عوف: انه سمع اباهريرة رضى الله عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لان يحتطب احدكم حزمة على ظهره خير من ان يسأل احد فيعطيه او يمنعه."(۱)

فرمایا کہ لأن يحتطب احدكم حزمة على ظهره خير من ان يسأل احد فيعطيه او يمنعه. تم میں سے کوئی شخص لکڑیاں جمع کرے، اپنی پشت پر اُٹھا کر لکڑی کے گٹھڑے کو فروخت کرے اور کسی اور کی لکڑیاں ہیں انہیں مزدوری کے طور پر اُٹھا کر لے جائے، تو یہ اس کے لئے بہت بہتر ہے بنسبت اس سے کہ وہ دوسروں سے مانگے چاہے وہ اس کو دے یا نہ دے۔

جس سے مانگا ہے وہ کبھی دے گا کبھی نہیں دے گا تو سوال کرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ آدمی خود اپنی پشت کے اُوپر لکڑیوں کا گٹھڑا اُٹھا کر فروخت کرے یا مزدوری کرے کہ کسی کا سامان دوسری جگہ لے جائے۔

سوال کرنے کی مذمت وممانعت

سوال کرنا یہ بڑی بے عزتی کی بات ہے اور دوسروں کے آگے سوال کرنا اذلالِ نفس ہے۔ جب تک انسان میں قوت ہے وہ اس وقت تک کوئی بھی محنت مزدوری کر کے کمائے اور کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرے، نبی کریم ﷺ نے یہ تعلیم دی ہے، حالانکہ لکڑیوں کا گٹھڑا پشت پر اُٹھانا اور

---

(۱) رواہ البخاری کتاب البیوع ایضاً رقم ۲۰۷۴۔

ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا مشقت کا بھی عمل ہے اور ساتھ ساتھ یہ عام طور سے عزت کے خلاف سمجھا جاتا ہے کہ دوسرے آدمیوں کے سامنے پشت کے اُوپر گٹھڑا اُٹھا کے لے جا رہا ہے لیکن یہ کوئی ذلت نہیں ہے۔ حقیقت میں یہ عین عزت ہے کہ آدمی خود کمانے کے لئے یہ محنت مشقت اُٹھا رہا ہے اور یہ کام جو کہ خلافِ وقار سمجھا جاتا ہے وہ انجام دے رہا ہے تاکہ دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرنا پڑے۔ (۱)

معاملات دین کا اہم شعبہ

معاملات، دین کا ایک بہت ہی اہم شعبہ ہے اور جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عبادات کا مکلّف بنایا ہے اسی طرح معاملات میں بھی کچھ احکام کا مکلّف بنایا ہے۔ اور جس طرح ہمیں عبادات میں رہنمائی عطا فرمائی ہے، اسی طرح معاملات میں بھی رہنمائی عطا فرمائی ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کے وقت کن باتوں کا خیال رکھیں، کون سی چیزیں حلال ہیں اور کون سی چیزیں حرام ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ایک عرصہ دراز سے مسلمانوں کے درمیان معاملات سے متعلق جو شرعی احکام ہیں ان کی اہمیت دلوں سے مٹ گئی ہے۔ دین صرف عقائد اور عبادات کا نام رکھ دیا ہے۔ معاملات کی صفائی، معاملات میں جائز و ناجائز کی فکر اور حلال وحرام کی فکر رفتہ رفتہ ختم ہوگئی ہے۔ اس لئے بھی اس کی اہمیت زیادہ ہے کہ ان کے بارے میں غفلت بڑھتی جا رہی ہے۔

معاملات کے میدان میں دِین سے دُوری کی وجہ

اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ چند سو سالوں سے مسلمانوں پر غیر ملکی اور غیر مسلم سیاسی اقتدار مسلط رہا اور اس غیر مسلم سیاسی اقتدار نے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ اس بات کی تو اجازت دی کہ وہ اپنے عقائد پر قائم رہیں اور مسجدوں میں عبادات انجام دیتے رہیں، اپنی انفرادی زندگی میں عبادات کا اہتمام کریں لیکن زندگی میں تجارت (Business) ومعیشت (Economy) کے جو عام کام ہیں وہ سارے کے سارے ان کے اپنے قوانین کے تحت چلائے گئے اور دین کے معاملات کے احکام کو زندگی سے خارج کر دیا گیا، چنانچہ مسجد و مدرسہ میں تو دین کا تذکرہ ہے لیکن بازاروں میں، حکومت کے ایوانوں میں اور انصاف کی عدالتوں میں دین کا ذکر اور اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔

یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا جب سے مسلمانوں کا سیاسی اقتدار ختم ہوا اور غیر مسلموں

(۱) انعام الباری ۶/ ۱۲۲، ۱۲۳۔

نے اقتدار پر قبضہ کیا۔ چونکہ اسلام کے جو معاملات سے متعلق احکام ہیں وہ عمل میں نہیں آرہے تھے اور ان کا عملی چلن دنیا میں نہیں رہا اس لئے لوگوں کے دلوں میں ان کی اہمیت گھٹ گئی اور ان پر بحث و مباحثہ اور ان کے اندر تحقیق و استنباط کا میدان بھی بہت محدود ہ کر رہ گیا۔

فطری نظام ایسا ہے کہ جیسی جیسی ضرورتیں پیدا ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اس کے حساب سے اسباب پیدا فرماتے رہتے ہیں۔ معاملات کا شعبہ بھی ایسا ہی ہے کہ جب اس پر عمل ہو رہا ہو تو نئے نئے معاملات سامنے آتے ہیں، نئی نئی صورتحال کا سامنا ہوتا ہے، اس میں حلال وحرام کی فکر ہوتی ہے، فقہاء کرام ان پر غور کرتے ہیں، ان کے بارے میں استنباط کرتے ہیں اور نئی نئی صورتحال کے حل بتاتے ہیں، ان کے بارے میں شریعت کے احکام سے لوگوں کو باخبر کرتے ہیں۔

لیکن جب ایک چیز کا دنیا میں چلن ہی نہیں رہا تو اس کے بارے میں فقہاء سے پوچھنے والے بھی کم ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں فقہاء کرام کی طرف سے استنباط کا جو سلسلہ چل رہا تھا وہ بھی دھیما پڑ گیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ رک گیا بلکہ دھیما پڑ گیا۔ اس واسطے کہ اللہ کے کچھ بندے ہر دور میں ایسے رہے ہیں کہ جو اپنی تجارت اور معیشت میں حلال وحرام کی فکر رکھتے تھے۔ وہ کبھی کبھی علماء کی طرف رجوع کرتے اور علماء ان کے بارے میں کچھ جوابات دیتے جو ہمارے ہاں فتاویٰ کی کتابوں میں موجود ہیں، لیکن چونکہ پورا نظام غیر اسلامی تھا اس واسطے غور و تحقیق اور استنباط کے اندر وسعت نہ رہی اور اس کا دائرہ محدود ہو گیا اور اس کی وجہ سے معاملات کے سلسلے میں فقہ کا جو ایک طبعی ارتقاء تھا وہ سست پڑ گیا اور اس کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ جب ہم دینی مدارس میں فقہ اور حدیث وغیرہ پڑھتے پڑھاتے ہیں تو سارا زور عبادات پر صرف کر لیتے ہیں اور جب معاملات کا باب آتا ہے تو چونکہ ذہن میں اس کی اہمیت کم ہو گئی ہے اور بازار میں اس کا چلن کم ہو گیا ہے، اس لئے اس پر کچھ زیادہ توجہ اور اہمیت کے ساتھ بحث و مباحثہ کی ضرورت بھی نہیں سمجھی جاتی۔ عام طور سے معاملات کے ابواب بھاگتے دوڑتے گزر جاتے ہیں۔ اس وجہ سے معاملات کی فقہ کو جاننے والے کم ہو گئے ہیں اور جب وہ کم ہو گئے ہیں تو ایک طرف بازار میں نئے نئے معاملات پیدا ہو رہے ہیں اور نئی نئی صورتیں وجود میں آرہی ہیں، دوسری طرف ان صورتوں کو سمجھنے اور ان کے حکم کا استنباط کرنے والوں کی کمی ہو گئی ہے۔

اب اگر ایک تاجر تجارت کر رہا ہے اور اس کو اس کے اندر روزمرہ نئے نئے حالات پیش آتے ہیں، وہ کسی عالم کے پاس جاتا ہے کہ بھائی میری یہ صورتِ حال ہے اس کا حکم بتائیں۔ اب صورتِ حال یہ ہو گئی ہے کہ تاجر عالم کی بات نہیں سمجھتا اور عالم تاجر کی بات نہیں سمجھتا کیونکہ دونوں کے درمیان ایک ایسا فاصلہ قائم ہو گیا ہے کہ ان کی بہت سی اصطلاحات اور بہت سے معاملات میں ان کے عرف

اور ان کے طریقِ کار سے عالم ناواقف ہے۔ تاجر اگر مسئلہ پوچھے گا تو وہ اپنی زبان میں پوچھے گا اور عالم نے وہ زبان نہ سنی، نہ پڑھی، لہٰذا وہ اس کا مطلب نہیں سمجھ پاتا۔ عالم جواب دے گا تو اپنی زبان میں جواب دے گا جس سے تاجر محروم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب اُنہوں نے یہ محسوس کیا کہ علماء کے پاس جا کر ہمیں اپنے سوالات کا پورا جواب نہیں ملتا تو اُنہوں نے علماء کی طرف رُجوع کرنا ہی چھوڑ دیا۔

اس کی وجہ سے علماء اور کاروبار کرنے والوں کے درمیان اور معاملات کے اندر بہت بڑا فاصلہ پیدا ہو گیا اور اس کے نتیجے میں خرابی درخرابی پیدا ہوتی چلی گئی۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس ''فقہ المعاملات'' کو سمجھا جائے اور پڑھا جائے۔

معاملات کی اصلاح کا آغاز

اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سارے عالم میں ایک شعور پیدا ہو رہا ہے اور وہ شعور یہ ہے کہ جس طرح ہم اپنی عبادتیں شریعت کے مطابق انجام دینا چاہتے ہیں اسی طرح اپنے معاملات کو بھی شریعت کے سانچے میں ڈھالیں۔ یہ قدرت کی طرف سے ایک شعور ہے جو ساری دنیا کے مسلمانوں میں رفتہ رفتہ پیدا ہونا شروع ہوا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض ایسے لوگ جن کی ظاہری شکل و صورت اور ظاہری وضع قطع کو دیکھ کر دور دور تک یہ گمان بھی نہیں ہوتا تھا کہ یہ متدین ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں حرام مال کی نفرت اور حلال مال کی طرف رغبت پیدا فرما دی۔

اب وہ اس فکر میں ہیں کہ کسی طرح ہمارے معاملات شریعت کے مطابق ہو جائیں۔ وہ اس تلاش میں ہیں کہ کوئی ہماری رہنمائی کرے۔ لیکن اس میدان میں رہنمائی کرنے والے کم ہو گئے۔ ان کے مزاج و مزاق کو سمجھ کر، ان کے معاملات اور اصطلاحات کو سمجھ کر جواب دینے والے بہت کم ہو گئے۔ اس وقت ضرورت تو بہت بڑی ہے لیکن اس ضرورت کو پورا کرنے والے افراد بہت کم ہیں۔

ایک اہم کوشش

اس لئے میں عرصہ دراز سے اس فکر میں ہوں کہ دینی مدارس کے تعلیمی نصاب میں ''فقہ المعاملات'' کو خصوصی اہمیت دی جائے اور اس غرض کے لئے بہت سے اقدامات بھی کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔ (۱)

---

(۱) انعام الباری، ج ۶، ص ۱۴۱ تا ۱۴۴۔

معاملاتِ جدیدہ
اور
علماء کی ذمہ داریاں

زیرِ نظر خطاب حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب کا ہے جو کہ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۹۳ء میں دارالعلوم کراچی میں "الدورة التعليمية حول الاقتصاد المعاصر فی ضوء الشريعة الاسلاميه" کے عنوان سے منعقدہ پندرہ روزہ تعلیمی کورس کا افتتاحی خطاب ہے، جو کہ اصلاحی خطبات کی جلد نمبر ۷ کا حصہ ہے۔ قارئین کے افادے کی غرض سے معمولی تبدیلی کے بعد یہاں نقل کیا جارہا ہے۔ ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاملاتِ جدیدہ اور علماء کی ذمہ داریاں

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى اله واصحابه وبارك وسلم تسليما كثيرا۔ اما بعد!

یہ بات ہر مسلمان کو محسوس ہو رہی ہے اور خاص طور سے اہلِ علم کو اس کا احساس ہے کہ جب سے مغربی استعمار کا دنیا پر غلبہ ہوا، اس وقت سے دین کو ایک منظم سازش کے تحت صرف عبادت گاہوں، تعلیم گاہوں اور ذاتی گھروں تک محدود کرد یا گیا ہے۔ سیاسی اور معاشی سطح پر دین کی گرفت نہ صرف یہ کہ ڈھیلی پڑ گئی بلکہ رفتہ رفتہ ختم ہو چکی ہے۔ یہ اصلاً تو دشمنانِ اسلام کی بہت بڑی سازش تھی جس کے تحت مذہب کا وہ تصور اجاگر کیا گیا جو مغرب میں ہے۔ مغرب میں مذہب کا تصور یہ ہے کہ یہ انسان کا ایک ذاتی اور پرائیویٹ معاملہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کسی مذہب پر کاربند ہو یا نہ ہو، ایک مذہب اختیار کرے یا دوسرا مذہب اختیار کرے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ اس وقت تو مغرب میں مذہب کے بارے میں یہ تصور ہے کہ مذہب کا حق و باطل سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ تو درحقیقت انسان کی روحانی تسکین کا ایک ذریعہ ہے۔ روحانی تسکین کے لئے انسان جس مذہب کو بہتر سمجھے، اس کو اختیار کرلے۔ کسی کو بت پرستی میں زیادہ مزہ آتا ہے اور اسی میں اس کو زیادہ سکون ملتا ہے وہ اس کو اختیار کرلے، اور اگر کسی کو توحید میں زیادہ سکون ملتا ہے تو وہ اس کو اختیار کرلے۔ سوال حق و باطل کا نہیں کہ کون سا مذہب حق ہے اور کون سا باطل ہے، بلکہ سوال یہ ہے کہ کس مذہب میں اس شخص کو زیادہ روحانی سکون محسوس ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے جو شخص بھی جو مذہب اختیار کرلیتا ہے وہ قابلِ احترام ہے، اور اس میں کسی دوسرے کو دخل اندازی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور یہ چونکہ ذاتی اور پرائیویٹ زندگی کا معاملہ ہے، لہٰذا زندگی کے دوسرے شعبوں میں اس کے عمل دخل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لادینی جمہوریت کا نظریہ

یہیں سے یہ نظریہ وجود میں آیا جس کو آج کی اصطلاح میں سیکولرازم کہتے ہیں۔ اس نظریۂ زندگی کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک زندگی کے اجتماعی کام ہیں، مثلاً معیشت اور سیاست وغیرہ یہ ہر مذہب سے آزاد ہیں، اور انسان اپنی عقل، تجربہ، مشاہدہ کے ذریعہ جس طریقے کو پسند کرلیں وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے، مذہب کی ان کے اوپر کوئی بالادستی نہیں ہونی چاہئے، اور جہاں تک ذاتی زندگی کا سوال ہے تو جو شخص جس مذہب میں سکون پائے، وہ مذہب اختیار کرلے، کسی دوسرے کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ تمہارا یہ مذہب باطل ہے۔ ہر شخص اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہے، اس وجہ سے نہیں کہ وہ حق ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ اس میں اس کو راحت وسکون میسر آتا ہے ___ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ مذہب کا تصور آج مغربی نظریات کے تحت یہ ہے کہ ''مذہب کی کوئی حقیقت نہیں، بلکہ لطف وسکون کے حصول کا ایک ذریعہ ہے'' ___ لہٰذا ایک شخص کو اگر اپنے دنیاوی مشاغل سے فرصت کے وقت بندروں کے تماشے کو دیکھ کر ذہنی سکون ملتا ہے تو اس کے لئے بندروں کا تماشہ اچھی چیز ہے، اور جس طرح بندروں کے تماشے کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں، اسی طرح اگر کسی کو مسجد میں جاکر نماز پڑھنے میں لطف آتا ہے اور سکون ملتا ہے تو اس کے لئے یہی طریقہ مناسب ہے، لیکن اس کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ یعنی اس سے بحث نہیں کہ مسجد میں جاکر نماز پڑھنا فی نفسہٖ حق ہے یا باطل؟ (العیاذ باللہ) یہ وہ تصور ہے جو اس وقت پوری مغربی دنیا کے اوپر چھایا ہوا ہے، اور اس کا دوسرا نام ''سیکولر ڈیموکریسی'' یعنی لادینی جمہوریت ہے۔

آخری نظریہ

اور اب تو یہ کہا جارہا ہے کہ دنیا کے اندر ہر نظام فیل ہوگیا، ہر نظریہ ناکام ہوگیا ہے، اب صرف آخری نظریہ جو کبھی فیل ہونے والا نہیں ہے وہ یہی سیکولر ڈیموکریسی ہے ___ جب سوویت یونین کا زوال ہوا تو اس وقت مغرب میں بہت خوشی کے شادیانے بجائے گئے اور باقاعدہ ایک کتاب شائع کی گئی جو ساری دنیا کے اندر بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، لاکھوں کی تعداد میں اس کے نسخے فروخت ہو چکے ہیں، اور اس کو اس دور کی عظیم ترین کتاب کی حیثیت سے متعارف کرایا جارہا ہے۔ یہ کتاب امریکی وزارتِ خارجہ کے ایک ترجمان نے ایک تحقیقی مقالے کی شکل میں لکھی ہے جس کا نام "The End of the History and the Last Man" ہے یعنی تاریخ کا خاتمہ اور

آخری آدمی ـــــ اس کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ سوویت یونین کے خاتمہ پر تاریخ کا خاتمہ ہوگیا ہے اور آخری انسان جو ہر لحاظ سے مکمل ہے وہ وجود میں آگیا ہے یعنی سیکولر ڈیموکریسی کا نظریہ ثابت ہوگیا ہے اور اب رہتی دنیا تک اس سے بہتر کوئی نظام یا نظریہ وجود میں نہیں آئے گا۔

توپ سے کیا پھیلا؟

جب مغربی استعمار نے اسلامی ملکوں پر اپنا تسلط جمایا تو اس نے اس لادینی جمہوریت کا تصور بھی پھیلایا، اور بزور شمشیر پھیلایا ـــــ مسلمانوں پر یہ الزام تھا کہ اُنہوں نے اسلام تلوار کے زور پر پھیلایا، حالانکہ خود مغرب نے اپنا ڈیموکریسی کا نظام زبردستی اور بزور شمشیر پھیلایا ہے۔ اسی کی طرف اکبر مرحوم نہیں اپنے مشہور قطعے میں اشارہ کیا تھا کہ ؂

اپنے عیبوں کی کہاں آپ کو کچھ پروا ہے
غلط الزام بھی اوروں پہ لگا رکھا ہے
یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

توپ وتفنگ کے بل بوتے پر اُنہوں نے پہلے سیاسی تسلط قائم کیا، اس کے بعد رفتہ رفتہ سیاسی اور معاشی اداروں سے دین کا رابطہ توڑا، اور اس رابطے کو توڑنے کے لئے ایسا تعلیمی نظام وجود میں لائے جو ہندوستان میں لارڈ میکالے نے متعارف کرایا، اور کھلم کھلا یہ کہہ کر متعارف کرایا کہ ہم ایک ایسا نظامِ تعلیم بروئے کار لانا چاہتے ہیں جس سے ایسی نسل پیدا ہو جو رنگ و زبان کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو، لیکن فکر اور مزاج کے اعتبار سے خالص انگریز ہو ـــــ بالآخر وہ اس تعلیمی نظام کو رائج کرنے میں کامیاب ہوگئے جس نے دین کا رشتہ، سیاست، معیشت، اقتصاد اور زندگی کے دوسرے شعبوں سے کاٹ دیا، اور مذہب کو محدود کردیا۔

کچھ دشمن کی سازش اور کچھ اپنی کوتاہی

ایک طرف دشمنانِ اسلام کی یہ سازش تھی، دوسری طرف اس سازش کے کامیاب ہونے میں کچھ حصہ ہمارے اپنے طرزِ عمل کا بھی ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں جتنا زور اور جتنی توجہ عبادات کے اوپر صرف کی، اتنی توجہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرف نہیں دی، حالانکہ اسلام پانچ شعبوں کا نام ہے، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق۔ عقائد و عبادات کی اہمیت ہماری نظر میں برقرار

رہی، لیکن دوسرے شعبوں کو ہم نے اتنی اہمیت نہیں دی جتنی اہمیت دینی چاہئے تھی، اور اہمیت نہ دینے کی دو وجہ ہیں:

۱۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ خود ہمارے اپنے عمل کے اندر جتنا اہتمام عقائد و عبادات کی درستگی کا تھا اتنا اہتمام معاملات، معاشرت اور اخلاق کی درستگی کا نہیں تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر ایک شخص (معاذ اللہ) نماز چھوڑ دیتا ہے تو دین داروں کے ماحول و معاشرے میں وہ بڑا زبردست نکو سمجھا جاتا ہے، اور نکو سمجھا جانا بھی چاہئے، کیونکہ اس نے اللہ کے فریضے کو ادا کرنا چھوڑ دیا، اور دین کے ستون کو گرا دیا۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے معاملات میں حرام و حلال کی پرواہ نہیں کرتا، یا جن اخلاقِ رذیلہ سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے ان سے اجتناب نہیں کرتا تو معاشرے میں اس کو اتنا مطعون اور بُرا نہیں سمجھا جاتا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم نے دینی مدارس کی تعلیم میں جتنی اہمیت عبادات کے ابواب کو دی ہے معاملات اور معاشرت اور اخلاق والے حصے کو اتنی اہمیت نہیں دی۔ فقہ ہو یا حدیث ہو، تحقیق و جستجو کا سارا زور آ کر کتاب الحج پر ختم ہو جاتا ہے، بہت چلا تو نکاح اور طلاق تک چل گیا، اس سے آگے بیوع معاملات اور ان کے متعلقہ مباحث کا ترجمہ بھی نہیں ہوتا، یا اگر ترجمہ بھی ہو گیا تو متعلقہ مباحث کو اس اہتمام سے بیان نہیں کیا جاتا جس اہتمام سے عبادات کے جزوی فروعی مسائل کو بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً رفع یدین کا مسئلہ اولیٰ و خلافِ اولیٰ ہی کا تو ہے، لیکن اس کے اندر تو تین دن تک لگ جاتے ہیں، مگر معاملات و اخلاق کے متعلق جو حصے ہیں، ان سے متعلق مباحث کو کما حقہ بیان نہیں کیا جاتا۔

طرزِ تعلیم کا طالب پر اثر

ہمارے اس طرزِ تعلیم نے یہ بتا دیا کہ یہ اتنی اہم چیز نہیں ہے، چنانچہ ان مدارس سے جو طالب علم فارغ ہو کر گیا، اس نے جب یہ دیکھا کہ تعلیم کے دس ماہ میں سے آٹھ ماہ تو عقائد و عبادات پر بحث ہوتی رہی، اور باقی سارا دین صرف دو مہینے میں گزار دیا گیا تو اس نے یہ تأثر قائم کیا کہ عقائد و عبادات کے علاوہ باقی سارا دین ثانوی نوعیت رکھتا ہے، اس کی اتنی اہمیت نہیں ہے۔

اس میں ایک مجبوری بھی تھی اور وہ یہ کہ دشمنانِ اسلام کی سازش کے نتیجے میں عملی طور پر بازار میں، سیاست میں، دین کی گرفت نہیں رہی تھی، اس پر چونکہ عمل نہیں ہو رہا تھا، اس لئے وہ مسائل جن کا تعلق تجارت، سیاست اور دیگر اجتماعی معاملات سے تھا، وہ نظریاتی حیثیت اختیار کر گئے اور نظریاتی چیز کی طرف طبعی طور پر اتنی توجہ نہیں ہوتی جتنی کہ اس چیز کی طرف ہوتی ہے جو عملی زندگی میں پائی جا رہی ہو۔

یہ عذر اپنی جگہ تھا، لیکن واقعہ یہی ہے کہ ہمارے درس و تدریس کے نظام میں بھی معاملات، اخلاق اور معاشرے کے ابواب بہت پیچھے چلے گئے، یہاں تک کہ اس کے مبادی بھی لوگوں کو معلوم نہیں، اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ، اچھا علم رکھنے والے بھی بعض اوقات مبادی تک سے ناواقف ہوتے ہیں۔ یہ تو ہمارا حال ہے، اور جہاں تک حکومت کا معاملہ ہے تو حکومت چاہے انگریز کی ہو یا انگریز کے پروردگان کی ہو، نتائج کے اعتبار سے ابھی تک دونوں میں کوئی فرق واضح نہیں ہوا۔ جو ذہنیت وہاں تھی، وہی ذہنیت یہاں بھی ہے۔

عام مسلمانوں میں دو طبقے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو انگریز کے نظامِ تعلیم اور اس کی سازشوں کے نتیجے میں اسی کے طرزِ فکر میں بہہ گیا، اور عملاً دین سے اس نے رشتہ توڑ دیا، چاہے اس نے نام مسلمانوں جیسا رکھا ہے، لیکن عملاً اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ اس نے یہ سوچا کہ مردم شماری کے رجسٹر میں میرا نام مسلمان رہتا ہے تو رہے، میرا کوئی نقصان نہیں، مگر کرنا مجھے وہ ہے جو دنیا کر رہی ہے ___ یہاں تک کہ اس کو فکر ہی نہیں کہ اس کے عقائد، عبادات اور معاملات درست ہیں یا نہیں۔ گویا عملاً اس نے مذہب کو ایک ڈھکوسلہ سمجھا۔ (العیاذ باللہ)

دوسرا طبقہ عوام کا وہ ہے جو مسلمان رہنا چاہتا ہے، اسلام سے اس کو محبت ہے، دین سے اس کو تعلق ہے، اور وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ دین سے اپنا رشتہ توڑے ___ ایسا طبقہ اہلِ علم کے بھی کسی نہ کسی درجے میں جڑا رہا، لیکن وہ جوڑ زیادہ تر عبادات اور عقائد کی حد تک ہی محدود رہا، اگر اور آگے بڑھا تو نکاح طلاق تک پہنچ گیا، اس سے آگے نہیں بڑھ سکا، چنانچہ اگر تمام دارالافتاؤں میں آنے والے استفتاؤں کے اعداد و شمار جمع کیے جائیں تو معلوم ہوگا کہ وہاں زیادہ تر آنے والے سوالات عبادات، عقائد، نکاح اور طلاق سے متعلق ہوتے ہیں۔ بیوع و دیگر معاملات کے متعلق سوالات نہیں آتے، یا بہت کم آتے ہیں۔

اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جو ہم سے عبادات کے متعلق سوال کرتے ہیں، نکاح و طلاق کے متعلق پوچھتے ہیں، یہ لوگ تجارت، معاملات اور اپنے ذاتی لین دین کے بارے میں کیوں نہیں دریافت کرتے؟

سیکولر نظام کا پروپیگنڈہ

اس کی ایک وجہ سیکولرازم کا پروپیگنڈہ ہے کہ دین تو عبادات وغیرہ سے عبارت ہے، اس سے آگے دین کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، اس پروپیگنڈے کا یہ اثر ہے کہ بہت سے لوگوں کو خیال ہی نہیں

ہوتا کہ ہم جو کام کررہے ہیں، آیا جائز کررہے ہیں یا ناجائز کررہے ہیں۔

میں آپ سے ایک بالکل سچا واقعہ عرض کرتا ہوں۔ ایک صاحب میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ بڑے تاجر تھے، ہر وقت ان کے ہاتھ میں تسبیح رہتی تھی، والد صاحب سے وظائف وغیرہ پوچھتے رہتے تھے، اور یہ بھی معلوم تھا کہ تہجد گزار ہیں ــــ ایک عرصہ دراز کے بعد جاکر یہ بات کھلی کہ ان کا سارا کاروبار سٹے کا ہے۔ سٹے کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک چھپا ہوا جوا ہوتا ہے، اور دوسرا کھلا ہوا جوا ہوتا ہے۔ ان کا یہ کاروبار تھا۔ وظائف وغیرہ جو کچھ پڑھتے تھے وہ اس کے نتیجے میں یہ جاننے کی کوشش کرتے تھے کہ کس سٹے میں کون سا نمبر آئے گا۔

اس سیکولر پروپیگنڈے کا اثر یہ ہوا کہ وہ لوگ جو اگرچہ یہ سمجھتے ہیں کہ معاملات کا بھی حرام و حلال سے تعلق ہے، لیکن اس پورے عرصے میں علماء اور ان کے درمیان اتنی بڑی خلیج حائل ہوگئی ہے کہ ایک طبقہ دوسرے کی بات نہیں سمجھتا۔ ان کا اندازِ فکر اور، ان کا نداز فکر اور، ان کی زبان اور، ان کی زبان اور، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ایک طبقہ دوسرے طبقے کو بات سمجھانے پر قادر نہیں۔

ہمارے نظامِ تعلیم میں معاملات کو پسِ پشت ڈالنے کی وجہ سے علماء کرام میں بھی ایک بڑی تعداد ایسے حضرات کی ہے، جن کو نماز، روزہ، نکاح اور طلاق کے مسائل تو یاد ہوتے ہیں، لیکن معاملات کے مسائل مستحضر نہیں ہوتے، خاص طور پر جو نئے سے نئے معاملات پیدا ہورہے ہیں، ان کے احکام کے استنباط کا سلیقہ نہیں ہے۔ لہٰذا ایک طرف تو تاجر لوگ ایک عالمِ دین کو اپنی بات نہیں سمجھا سکتے اور اگر سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے تو کئی گھنٹے صرف ہوتے ہیں، دوسری طرف عالم نے بھی اس سے پہلے اس مسئلے پر غور نہیں کیا، اور نہ ہی اس مسئلے سے کبھی سابقہ پڑا اور جن فقہی اصولوں کی بنیاد پر اس مسئلے کا حل نکالا جاسکتا ہے وہ مستحضر نہیں، جس کی وجہ سے ایک عالم تاجر کو مطمئن نہیں کرپاتا، اس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ ان تاجروں نے اپنے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی کہ ان مسائل کے بارے میں علماء کے پاس کوئی حل نہیں ہے، اور اس سلسلے میں ان کے پاس جانا فضول ہے، لہٰذا جو سمجھ میں آتا ہے کرو۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ہماری تجارت، معیشت اور سیاست سب سیکولر ڈیموکریسی کے اصولوں پر چل رہی ہیں، اور ان میں اسلام کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

عوام اور علماء کے درمیان وسیع خلیج حائل ہوچکی ہے

اور اب تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوچکی ہے کہ ان مسائل میں عوام کے اوپر سے علماء کی گرفت ختم ہوچکی ہے۔ جو عوام صبح و شام ہمارے اور آپ کے ہاتھ چومتے ہیں، اپنی دکانوں کا

افتتاح، بیٹوں کے نکاح اور اپنے مقاصد کے لئے ہم سے دعا کرواتے ہیں، انہی عوام سے اگر علماء یہ کہہ دیں کہ تجارت اس طرح نہیں کرو، بلکہ اس طرح کرو، یا یوں کہا جائے کہ ووٹ مولوی کو دو، تو یہ عوام علماء کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، کیونکہ دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ دنیا میں زندہ رہنے کے لئے ان علماء سے کماحقہ راہنمائی نہیں ملے گی ۔۔۔ یہ بہت بڑی خلیج ہے جو حائل ہوگئی ہے اور اس خلیج کو جب تک پاٹا اور بھرا نہیں جائے گا اس وقت تک معاشرے کا فساد دور نہیں ہوسکتا۔ اس خلیج کو پاٹنے کے لئے بہت سی جہتوں سے کام کرنے کی ضرورت ہے، لیکن اس وقت یہ میرا موضوع نہیں ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ خلیج پاٹنے کا اظہار بہت سے حلقوں کی طرف سے کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ نو تعلیم یافتہ حلقوں کی طرف سے بھی کیا جاتا ہے، لیکن بقول مولانا احتشام الحق تھانوی کہ ''یہ نو تعلیم یافتہ اور تجدد پسند حلقے جو کہتے ہیں کہ اس خلیج کو پاٹو، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس خلیج میں مولوی کو دفن کردو تو خلیج پٹ جائے گی۔

جو اہلِ زمانہ سے واقف نہیں وہ جاہل ہے

ہمیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم حالاتِ حاضرہ کو سمجھیں کہ ہو کیا رہا ہے؟ حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ کے مدارک بڑے عظیم ہیں۔ اُنہوں نے اسی لئے فرمایا ہے:

"من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل."

کہ جو اپنے اہلِ زمانہ سے واقف نہ ہو، وہ عالم نہیں، بلکہ وہ جاہل ہے، اس لئے کہ کسی بھی مسئلے کا اہم ترین حصہ اس کی صورت واقعیہ (صورتِ مسئلہ) ہے، اسی لئے لوگوں نے کہا:

"ان تصویر المسئلۃ نصف العلم."

جب تک صورتِ مسئلہ واضح نہیں ہو جاتی، اس وقت تک جواب صحیح نہیں ہوسکتا، اور صورتِ مسئلہ صحیح سمجھنے کے لئے حالاتِ حاضرہ اور معاملاتِ جدیدہ سے واقفیت ضروری ہے۔ غالبًا میں نے امام سرخسیؒ کی کتاب مبسوط میں پڑھا کہ امام محمدؒ کا معمول تھا کہ وہ تاجروں کے پاس بازاروں میں جاتے اور یہ دیکھتے کہ تاجر آپس میں کس طرح معاملات کرتے ہیں۔ کسی نے ان کو بازار میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ کتاب کے پڑھنے پڑھانے والے آدمی ہیں، یہاں کیسے؟ فرمایا کہ میں یہاں اس لئے آیا ہوں تاکہ معلوم کرسکوں کہ تاجروں کا عرف کیا ہے، ورنہ میں صحیح مسئلہ نہیں بتاسکتا۔

امام محمدؒ کی تین عجیب باتیں

تین باتیں امام محمدؒ کی امام سرخسیؒ نے تھوڑے تھوڑے وقفے سے آگے پیچھے ذکر کی ہیں، تینوں بہت عجیب وغریب ہیں۔ ایک تو یہی جس کا اوپر ذکر ہوا، دوسری یہ کہ کسی نے امام محمدؒ سے پوچھا: آپ نے اتنی کتابیں لکھ دیں:

"لم لم تحرر فی الزھد شیئا"

لیکن زہد وتصوف میں کوئی کتاب کیوں نہیں لکھی؟ جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں نے "کتاب البیوع" جو لکھی ہے وہ کتاب الزہد ہے۔ تیسری بات یہ کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ ہم اکثر وبیشتر آپ کو دیکھتے ہیں کہ ہنسی آپ کے چہرے پر نہیں آتی۔ ہر وقت غمگین رہتے ہیں ــــ جیسے آپ کو کوئی تشویش ہو۔ جواب میں فرمایا:

"ما بالك فی رجل جعل الناس قنطرة یمرون علیھا"

"اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو جس کی گردن کو لوگوں نے پل بنایا ہو، اور وہ اس پر سے گزرتے ہوں۔"

یاد رہے کہ امام محمدؒ جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے سارے فقہی احکام اپنی تصانیف کے ذریعہ ہم تک پہنچائے۔ ان کا احسان ہمارے سروں پر اتنا ہے کہ ساری عمر تک ہم ان کے احسان کا صلہ نہیں دے سکتے۔ اور ان کی لکھی ہوئی کتابیں کئی اُونٹوں کے بوجھ کے برابر تھیں۔

ہم نے سازش کو قبول کرلیا

بہرحال، یہ حضرات اہلِ زمانہ کا عرف اور ان کے معاملات معلوم کرنے کا خوب اہتمام فرمایا کرتے تھے تاکہ تصویرِ مسئلہ معلوم ہو۔ جب ایک سازش کے تحت دین کو بازاروں اور ایوانوں سے الگ کردیا گیا تو بجائے اس کے کہ ہم اس سازش کو ناکام بنانے کی فکر کرتے، ہم نے خود اسی صورتِ حال کو قبول کرلیا، وہ اس طرح کہ ہم نے اپنی معلومات، اپنی سوچ اور فکر کے دائرے کو محدود کردیا، جس نے ہم کو سمیٹ لیا، پھر اس سے باہر نکلنے کی ہم نے فکر نہیں کی۔ اس صورتِ حال کو ختم کیے بغیر ہم اپنے دین کو زندگی کے شعبوں میں برپا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے، یعنی جب تک ہم ایک طرف یہ کوشش نہ کرلیں کہ ان معاملات کا صحیح ادراک ہوجائے، اور ان کا صحیح حکم معلوم ہوجائے، پھر تمام شعبہ

ہائے زندگی میں عملی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی جائے، اس وقت تک ہم انقلاب برپا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

تحقیق کے میدان میں اہلِ علم کی ذمہ داری

شاید یہ کہنے میں مبالغہ نہ ہو کہ ہمارا کام اس سلسلے میں اتنا ادھورا اور ناقص ہے کہ آج اگر بالفرض یہ کہہ دیا جائے کہ ساری حکومت تمہارے حوالے، تم حکومت چلاؤ، یعنی وزیراعظم سے لے کر ادنیٰ وزیر تک اور تمام محکموں کے اعلیٰ افسر سے لے کر چپڑاسی تک تم آدمی مقرر کرو تو ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ ایک دو روز میں نہیں، ایک دو ہفتوں میں نہیں، ایک دو مہینوں میں یا ایک سال میں صورتِ حال بدل دیں ــــ ہمیں مسائل کا علم اور ان کی تحقیق نہیں، اور جب تک مسائل کی تحقیق نہ ہو اس وقت تک ان کو نافذ کیسے کیا جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اہلِ علم اس طرف متوجہ ہوں، یہ ان کی ذمہ داری اور وقت کی اہم ضرورت ہے، لیکن (معاذ اللہ) اس توجہ کے یہ معنی نہیں کہ کوئی تحریف کا کام شروع کر دیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ صحیح صورتِ حال معلوم کریں اور اس کے اوپر صحیح فقہی اصولوں کو منطبق کر کے اس کا حکم معلوم کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

فقیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ متبادل راستہ نکالے

ایک فقیہ کی صرف اتنی ہی ذمہ داری نہیں ہے کہ یہ کہہ دے کہ فلاں چیز حرام ہے، بلکہ ہمارے فقہاء کے کلام میں یہ نظر آتا ہے کہ جہاں کہہ دیا "حرام ہے" پھر یہ کہتے ہیں کہ اس کا متبادل راستہ یہ ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ قرآن نے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کو بیان کیا ہے، ان سے خواب کی تعبیر پوچھی گئی تھی۔

"اِنِّیٓ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْکُلُھُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ"(۱)

تو حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بعد میں بتلائی، اور تعبیر میں جس نقصان کی اطلاع دی گئی تھی، اس سے بچنے کا طریقہ پہلے بتایا۔ چنانچہ فرمایا:

"قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖ"(۲)

---

(۱) یوسف: ۴۳۔
(۲) یوسف: ۴۷۔

فقیہہ داعی بھی ہوتا ہے

فقیہہ محض فقیہہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ داعی بھی ہوتا ہے، اور داعی کا کام محض خشک قانونی کام نہیں ہوتا کہ وہ یہ کہہ دے کہ یہ حلال اور یہ حرام ہے، بلکہ داعی کا کام یہ بھی ہے کہ وہ یہ بتائے کہ یہ حرام ہے، اور تمہارے لئے حلال راستہ یہ ہے۔

ہماری چھوٹی سی کوشش کا مقصد

حلال وحرام کا فیصلہ کر کے حرام کے مقابلے میں لوگوں کو جائز اور حلال راستہ بتانا، بحیثیت داعی فقیہہ کے فرائض میں داخل ہے، اور جب تک حالاتِ حاضرہ اور معاملاتِ جدیدہ کا علم نہ ہو، اس وقت تک یہ فریضہ ادا نہیں ہوسکتا، اس لئے میں نے یہ ایک چھوٹی سی کوشش کی ہے کہ اپنے علماء کرام کی خدمت میں معاملاتِ جدیدہ کی حقیقت اور صورت بیان کی جائے، اس دور میں کیا کیا معاملات کس طرح انجام دیئے جا رہے ہیں، یہ بیان کیا جائے۔ اس کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ یہ فکر عام ہو جائے، اور ہمارے حلقے میں اس کے بارے میں گفتگو شروع ہو جائے، اور ان اہم مسائل کی طرف ذہن منتقل ہو جائے۔

میں نے اس کوچے میں بہت گرد چھانی ہے

میں نے اس کوچے میں بہت گرد کھائی ہے۔ اس لئے کہ میں اس کوچے میں اس وقت داخل ہو گیا تھا جب کوئی اور عالم اس کوچے میں داخل نہیں ہوا تھا، اور میں اسی پریشانی کا شکار رہا جس کا شکار ہونا چاہئے تھا، اس لئے اصطلاحات اجنبی، اسلوب مختلف اور گفتگو کا انداز نیا، کتابیں اگر پڑھیں تو ان کے اندر کسی بات کا سر پیر سمجھ میں نہیں آتا، لیکن اس سب کے باوجود دماغ میں شروع سے ایک دھن تھی، اسی دھن کی وجہ سے بہت کتابیں پڑھیں، بہت لوگوں سے رجوع کرنا پڑا، سالہا سال کے بعد جا کر مربوط انداز میں کچھ باتیں سمجھ میں آئیں، اور ایک خلاصہ ذہن میں حاصل ہوا، وہ خلاصہ طالب علموں کے کام کی چیز ہے۔

اس کورس کی اہمیت کی تازہ مثال

ایک تازہ مثال میں آپ کو بتاتا ہوں جس سے آپ کو اس کام کی اہمیت، فائدہ اور ضرورت کا

اندازہ ہوگا۔ جس طرح ہم نے یہ چھوٹا سا کورس ترتیب دیا ہے اسی طرح ہم نے ایک چھوٹا سا مرکز ''مرکز الاقتصاد الاسلامی'' کے نام سے قائم کیا ہے۔ اس کے تحت تاجروں کے لئے ایک کورس حال ہی میں مسجد بیت المکرّم (گلشن اقبال) میں ہم نے منعقد کیا۔ مقصد یہ تھا کہ حلال وحرام سے متعلق جتنی لازمی معلومات ہیں وہ تاجروں کو بتائی جائیں اور موجودہ دور کے جو معاملات چل رہے ہیں، ان میں اُن کو شرعی احکام کے اندر رہ کر کیا کرنا چاہئے اس کی نشاندہی کی جائے۔ جب پہلی بار ہم یہ کورس کر رہے تھے تو لوگوں نے کہا کہ آپ کیا کرنے جارہے ہو؟ اپنی دکان اور کاروبار چھوڑ کر آپ کے پاس کون آئے گا؟ ہم نے کہا کہ جتنے بھی آجائیں۔ چونکہ لوگوں کے لئے مناسب انتظامات اور کھانے پینے کا بندوبست بھی کرنا تھا اس لئے چار سو روپے فی نفر فیس بھی مقرر کی۔

لوگوں کا جذبہ

ہمارے پاس صرف سو آدمیوں کی گنجائش تھی، اور اطلاع کے لئے ہم نے کوئی اشہار یا اخبار میں خبر نہیں دی، زبانی لوگوں کو بتایا کہ ایسا کورس منعقد ہو رہا ہے، اس کے باوجود پہلی مرتبہ ایک سو سات افراد نے پیسے جمع کرا کر اس میں داخلہ لیا۔ اور سب نے باقاعدہ سفارشیں کروائیں کہ ہمیں بھی داخلہ دے دیا جائے۔ یہاں تک کہ بعض لوگ جو امریکہ جارہے تھے اور ٹکٹ کروا چکے تھے اُنہوں نے اپنی سیٹیں منسوخ کروائیں اور اس کورس میں شریک ہوئے۔

مسلمان کے دل میں ابھی چنگاری باقی ہے

میں دنیا کے بہت سیمیناروں، مذاکروں اور اجلاسوں میں شرکت کرتا رہتا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ لوگ سیمیناروں میں کتنے ذوق، شوق اور دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں ــــ عام طور پر یوں ہوتا ہے کہ پہلے گھنٹے میں مثلاً ۱۰۰٪ (سو فیصد) حاضری رہے گی، دوسرے گھنٹے میں ۹۰٪ (نوے فیصد) ہو جائے گی اور تیسرے گھنٹے میں ۷۰٪ (ستر فیصد) ہو جائے گی اور آخر لوگ اس طرح نظر آتے ہیں جیسے بھٹے میں کہیں کہیں کوئی دانہ نظر آتا ہے ــــ لیکن ہم نے جو سیمینار منعقد کیا وہاں لوگوں کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ صبح نو بجے سے لے کر پہلے دن عصر تک اور دوسرے دن مغرب تک مسلسل بیٹھے رہے ــــ سوائے نماز اور کھانے کے وقفے کے ہمہ تن شوق اور پوری دلچسپی سے حصہ لیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان کے دل میں ابھی چنگاری ختم نہیں ہوئی، اس کو تھوڑی سی مہمیز کی ضرورت ہے، اگر اس کو صحیح راہنمائی صحیح طریقے سے میسر آجائے اور اس کو یہ پتہ چل جائے کہ مجھے یہاں سے صحیح راہنمائی مل

جائے گی تو آج بھی وہ آنے کو تیار ہے ــــــ کسی شاعر نے بڑی اچھی بات کہی ہے ۔

میرے طائرِ قفس کو نہیں باغباں سے رنجش
ملے گھر میں آب و دانہ تو یہ دام تک نہ پہنچے

اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا خوف

ڈر لگتا ہے کہ کہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے ہماری پوچھ نہ ہو جائے کہ یہ قوم شکاریوں کے جال میں جارہی تھی، تم نے ان کی فکر کیوں نہیں کی؟ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ انشاء اللہ یہ صورتِ حال بدلے گی۔ یہ سازش کی پیداوار اور مصنوعی صورتحال ہے، حقیقی صورتحال نہیں ہے۔ ہماری تاریخ کی چودہ صدیاں اس صورت کی نفی کرتی ہیں۔ اس واسطے کہ اس پورے عرصے میں زندگی کے ہر گوشے میں علماء کا کردار راہنمائی کا کردار ادا کر رہا ہے ــــــ ہوسکتا ہے کہ ہم اپنی زندگی میں یہ تبدیلی نہ دیکھ سکیں، ہماری اولادیں، اولاد کی اولادیں دیکھیں، لیکن مبارک ہیں وہ جانیں جو اس کوشش میں صرف ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے ہماری جانوں کو اس کام کے لئے قبول فرمائے، آمین۔

انقلاب کی راہ ہموار کرنے میں ہم حصہ دار بن جائیں

انقلاب آئے گا اس میں کوئی شک نہیں۔ نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

"مثل امتی مثل المطر لا یدری آخرہ خیر ام اولہ."

''میری اُمت کی مثال بارش کی سی ہے، نہیں معلوم کہ اس کا پہلا حصہ زیادہ بہتر ہے یا آخری حصہ زیادہ بہتر ہے۔''

لیکن اس میں ہم حصہ دار بن جائیں، ہمارے ذریعے سے بھی اللہ تعالیٰ کوئی اینٹ رکھوا دے تو ہماری سعادت ہے۔ اگر ہم پیچھے ہٹ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کسی اور کو کھڑا کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا محتاج نہیں ہے۔

"وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ."(۱)

''اگر تم پیچھے ہٹ گئے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئیں گے، جو تمہاری طرح نہیں ہوگی۔''

---

(۱) محمد:۳۸۔

اور ایک وقت آئے گا کہ یہ مذاق اُڑانے والے اور نعرے لگانے والے، ان کی آوازیں بیٹھ جائیں گی، حلق خشک ہو جائیں گے اور انشاء اللہ دین کا کلمہ سر بلند ہو گا۔

جدید مقالات سے واقفیت ضروری ہے

اس درس میں ہماری تمام گفتگو فقہ المعاملات پر ہو گی۔ ہمارے ہاں ہند و پاکستان میں فقہ المعاملات پر فتاویٰ تو ہیں، لیکن کتابیں نہیں ہیں۔ عرب ممالک میں علماء نے اس موضوع پر بہت کام کیا ہے، ان میں ہر طرح کے لوگ ہیں۔ تجدد پسند بھی ہیں، اور آزاد بھی ہیں اور بعض صحیح الفکر اور متصلب بھی ہیں۔ میں نے ان حضرات کی کتابیں دار العلوم کے کتب خانے میں لا کر رکھنے کی کوشش کی ہے اور الحمد للہ، اب خاصا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔ میری گزارش یہی ہے کہ اہلِ علم کو اس کام سے واقفیت ہونی چاہئے، ان کی کتابوں کو دیکھا جائے اور ان کا مطالعہ کیا جائے۔

عربوں کے کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک موضوع کو لے کر اس پر پوری کتاب لکھ دیتے ہیں۔ مثلاً "الخیار" کے نام سے ایک کتاب لکھی، اس میں خیار عیب، خیار شرط، خیار رویت اور خیار تعیین وغیرہ تمام خیارات سے متعلق مباحث ذکر کر دیئے، اور اس کے تحت جتنے جدید مسائل آتے ہیں، ان پر بھی کلام کرتے ہیں۔ اسی طرح کسی نے "الغبن" کے اُوپر کتاب لکھی کہ وہ کیا چیز ہوتی ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے، اور کسی نے "التامین" کے اُوپر کتاب لکھ دی وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اس کام کو دنیا و آخرت کی سعادتوں کا ذریعہ بنائے اور ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

تجارت کی فضیلت

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ...... الى آخر السورة.(۱)

ترجمہ: پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا۔

(۱) سورۃ الجمعۃ ۱۰/۱۱۔

تجارت کی فضیلت

قرآن کریم میں بکثرت یہ تعبیر آئی ہے کہ اللہ کا فضل تلاش کرو، اس تعبیر کی تفسیر اکثر حضرات مفسرین نے یہ کی ہے کہ اس سے مراد تجارت ہے گویا تجارت کو ابتغاء فضل اللّٰہ سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ کا فضل تلاش کرو اس سے تجارت کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے، تجارت کو محض دنیاوی کام نہ سمجھو بلکہ یہ اللہ کے فضل کو تلاش کرنے کے مترادف ہے۔

قرآن میں مال و دولت کے لئے کلمۂ خیر اور قباحت کا استعمال

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں دنیا اور مال و دولت کے لئے بعض جگہ پر ایسے کلمات استعمال کیے گئے ہیں جو ان کی قباحت اور شناعت پر دلالت کرتے ہیں مثلاً "اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ، وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ" اوران کے لئے تعریفی کلمات بھی ہیں۔ جیسے "وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ" (اور ڈھونڈو فضل اللہ کا) یعنی تجارتی نفع، اس کو فضل اللہ سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ اور بعض جگہ مال کے لئے خیر کا لفظ استعمال کیا گیا۔ جیسے "وَاِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ" (اور آدمی محبت پر مال کی بہت پکا ہے) الخیر یہاں مال کے معنی میں ہے تو ایک ظاہر بین انسان کو بعض اوقات ان دونوں قسم کی تعبیرات میں تعارض و تضاد محسوس ہوتا ہے کہ ابھی تو کہہ رہے تھے کہ متاع الغرور یعنی دھوکہ کا سامان ہے اور ابھی کہہ رہے ہیں کہ فضل اللہ اور خیر ہے۔

حقیقت میں یہ تعارض نہیں بلکہ یہ بتانا منظور ہے کہ دنیاوی مال و اسباب جتنے بھی ہیں یہ انسان کی حقیقی منزل اور منزلِ مقصود نہیں، بلکہ منزلِ مقصود آخرت اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا ہے۔ اس دنیا میں زندہ رہنے کے لئے ان اسباب کی ضرورت ہے، ان کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، لہٰذا انسان ان اسباب کو محض راستہ کا ایک مرحلہ سمجھ کر استعمال کرے، منزلِ مقصود قرار نہ دے تو اس وقت تک یہ خیر ہے، اور جب انسان ان کو منزلِ مقصود بنالیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس منزلِ مقصود کو حاصل کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقہ اختیار کرنا شروع کر دیں تو یہ فتنہ اور متاع الغرور ہے۔ لہٰذا جب تک دنیا اور اس کے مال و اسباب محض وسائل کے طور پر استعمال ہوں اور جائز حدود میں استعمال کیا جائے تو اس وقت تک اللہ کا فضل اور خیر ہے۔ اور جب اس کی محبت دل میں گھر کر

جائے اور انسان اس کو منزلِ مقصود بنالے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے ہر جائز اور ناجائز طریقہ اختیار کرنا شروع کر دے تو وہ فتنہ اور متاع الغرور یعنی دھوکہ کا سامان ہے۔ (۱)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَابْتَغِ فِیْ مَآ اٰتٰکَ اللّٰہُ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ." (۲)

قارون اور اس کی دولت

یہ آیت کریمہ سورۃ قصص کی آیت ہے، اس آیت میں قارون کو خطاب کیا گیا ہے، یہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بہت دولت مند شخص تھا، چنانچہ قارون کا خزانہ بہت مشہور ہے، یہ اتنا بڑا دولت مند تھا کہ اس کی دولت کی کثرت کو بیان کرتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا:

"اِنَّ مَفَاتِحَہٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَۃِ اُولِی الْقُوَّۃِ" (۳)

یعنی اس کے خزانوں کی چابیاں بھی اتنی زیادہ تھیں کہ ایک بڑی جماعت مل کر ان چابیوں کو اُٹھا پاتی تھی۔ اس زمانے میں چابیاں بھی بڑی وزنی ہوا کرتی تھیں۔ پھر اس کے خزانے بہت پھیلے ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے اللہ تعالیٰ نے اس کو جو ہدایات دیں وہ اس آیتِ کریمہ میں بیان کی گئی ہیں جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ اگرچہ اس آیت میں براہِ راست خطاب تو قارون کو ہے، لیکن اس کے واسطے سے ہر اس شخص کو خطاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دولت سے نوازا ہو۔

قارون کو چار ہدایات

چنانچہ ارشاد فرمایا:

"وَابْتَغِ فِیْ مَآ اٰتٰکَ اللّٰہُ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ."

یہ چار جملے ہیں۔ پہلے جملے میں فرمایا کہ جو کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم کو (دولت) عطا فرمائی ہے اس کے ذریعہ آخرت کی فلاح و بہبود کو طلب کرو۔ دوسرے جملے میں فرمایا کہ (یہ نہ ہو کہ آخرت کی فلاح طلب کرنے کے لئے ساری دولت لٹا دو اور دنیا میں اپنے پاس دولت بالکل نہ رکھو بلکہ) دنیا کا

(۱) انعام الباری، ج ۶، ص ۱۷۔ (۲) سورۃ القصص: ۷۷۔ (۳) سورۃ القصص: ۷۶۔

جو حصہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقرر فرمایا ہے اس کو مت بھولو) اس کو اپنے پاس رکھو، اس کا حق ادا کرو) تیسرے جملے میں ارشاد فرمایا کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے تم پر (یہ دولت عطا کر کے) احسان کیا ہے، اسی طرح تم بھی دوسروں کے ساتھ احسان اور اچھائی کا معاملہ کرو۔ چوتھے جملے میں ارشاد فرمایا کہ اپنی اس دولت کے بل بوتے پر زمین میں فساد مت مچاؤ۔ (اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش مت کرو) اس آیت میں یہ چار ہدایات قارون کو دیں۔ لیکن ذرا غور سے دیکھا جائے تو یہ چار ہدایات ایک تاجر کے لئے، ایک صنعت کار کے لئے اور ایک ایسے مسلمان کے لئے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے اندر کچھ بھی عطا فرمایا ہو، ایک پورا نظامِ عمل پیش کر رہی ہیں۔

پہلی ہدایت

سب سے پہلی ہدایت یہ دی گئی کہ تم میں اور ایک غیر مسلم میں فرق یہ ہے کہ غیر مسلم جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتا، اس کا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ دولت مجھے حاصل ہے، یہ سب میری قوتِ بازو کا کرشمہ ہے، میں نے اپنی محنت سے، اپنی صلاحیت سے اور اپنی جدوجہد سے اس کو کمایا اور حاصل کیا ہے، لہٰذا میں اس دولت کا بلاشرکتِ غیر مالک ہوں، اور کسی شخص کو میری دولت میں مداخلت کرنے کا حق حاصل نہیں۔ یہ دولت میری ہے، یہ مال میرا ہے، میں نے اپنی قوتِ بازو کے بل پر اسے کمایا ہے، اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر اس کو کمایا ہے، لہٰذا میں اس دولت کو کمانے کے طریقے میں بھی آزاد ہوں، اور اس کو خرچ کرنے کے طریقے میں بھی آزاد ہوں۔ کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ میرے معاملات میں دخل اندازی کرے۔

قوم شعیبؑ اور سرمایہ دارانہ ذہنیت

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام سے یہ کہا تھا کہ:

"اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا"(۱)

(یعنی یہ جو آپ ہمیں منع کر رہے ہیں کہ کم مت ناپو، کم مت تولو، انصاف سے کام لو، حلال و حرام کی فکر کرو، تو یہ آپ نے ہمارے معاشی مسائل میں کہاں سے دخل اندازی شروع کر دی۔ تم اگر نماز پڑھنا چاہو تو اپنے گھر جا کر نماز پڑھو) کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء و اجداد عبادت کیا کرتے تھے، یا ہمارا جو مال ہے اس میں ہم

(۱) سورۃ ہود: ۸۷۔

جو چاہیں کریں ــــ حقیقت میں یہ سرمایہ دارانہ ذہنیت ہے کہ یہ مال ہمارا ہے، یہ دولت ہماری ہے، اس پر ہمارا سکہ چلے گا، تصرف ہمارا ہے، ہم جس طرح چاہیں گے کریں گے، جس طرح چاہیں گے کمائیں گے، اور جس طرح چاہیں گے خرچ کریں گے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی بھی یہی ذہنیت تھی۔ اس کی تردید میں یہ بات کہی گئی کہ جو دولت تمہارے پاس ہے یہ کلّی طور پر تمہاری نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ"(۱)

آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ کی ملکیت ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرما دی ہے، اس لئے فرمایا: "مَا اٰتَاكَ اللّٰہُ" یعنی جو مال اللہ نے تمہیں دیا ہے اس کے ذریعہ آخرت طلب کرو، یہ نہیں فرمایا کہ "وابتغ فی مالك" اپنے مال کے ذریعہ آخرت طلب کرو۔

مال و دولت اللہ کی عطا ہے

لہٰذا پہلی بات یہ سمجھ لو کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے، چاہے وہ نقد روپیہ ہو، چاہے وہ بینک بیلنس ہو، چاہے وہ صنعت ہو یا تجارت ہو، یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ بیشک اس کو حاصل کرنے میں تمہاری جدوجہد اور کوشش کو بھی دخل ہے، لیکن تمہاری یہ کوشش دولت حاصل کرنے کے لئے علتِ حقیقی کا درجہ نہیں رکھتی، اس لئے کہ کتنے لوگ ایسے ہیں جو محنت اور کوشش کرتے ہیں، مگر مال و دولت حاصل نہیں کر پاتے۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس دولت ہے، لیکن محنت کے ذریعہ مزید دولت حاصل نہیں کر پاتے۔ یہ دولت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ لہٰذا یہ تصور ذہن سے نکال دو کہ یہ دولت تمہاری ہے، بلکہ یہ دولت اللہ کی ہے، اور اللہ نے اپنے فضل و کرم سے تمہیں عطا فرمائی ہے۔ اس آیت سے ایک ہدایت تو یہ دے دی۔

مسلم اور غیر مسلم میں تین فرق ہیں

مسلم اور غیر مسلم میں تین فرق ہیں۔ پہلا فرق یہ ہے کہ مسلمان اپنی دولت کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھتا ہے، جبکہ غیر مسلم اس دولت کو اللہ تعالیٰ کی عطا نہیں سمجھتا، بلکہ اس دولت کو اپنی قوتِ بازو کا کرشمہ سمجھتا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اس دولت کو آخرت کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بنائے، اور دولت کو حاصل کرنے اور اس کو خرچ کرنے میں ایسا طرزِ عمل اختیار کرے کہ کوئی کام

---

(۱) سورۃ النساء: ۱۳۱۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم کے خلاف نہ ہو، تاکہ یہ دنیا اس کے لئے دین کا ذریعہ بن جائے اور آخرت کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بن جائے۔ یہی دنیا ہے کہ اگر اس کے حصول میں انسان کی نیت درست ہو اور اللہ تعالیٰ کے عائد کیے ہوئے حلال و حرام کے احکام کی پابندی ہو تو یہی دنیا دین بن جاتی ہے، اور یہی دنیا آخرت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ ایک مسلمان بھی کھاتا ہے اور کماتا ہے، اور ایک غیر مسلم بھی کھاتا ہے اور کماتا ہے، لیکن غیر مسلم کے دل میں نہ تو اللہ تعالیٰ کا تصور ہوتا ہے اور نہ اس کے احکام کی پابندی کا خیال ہوتا ہے، اور مسلمان کے دل میں یہ چیزیں موجود ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے یہ دنیا دین بنا دی۔ اگر ایک تاجر اس نیت کے ساتھ تجارت کرے کہ میں دو وجہ سے تجارت کر رہا ہوں۔ ایک تو اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے میرے ذمے کچھ حقوق عائد کیے ہوئے ہیں۔ میرے نفس کے بھی کچھ حقوق ہیں، میرے بچوں کے میرے ذمہ کچھ حقوق ہیں، میری بیوی کے میرے ذمہ کچھ حقوق ہیں، ان حقوق کی ادائیگی کے لئے یہ تجارت کر رہا ہوں۔ دوسرے اس لئے میں تجارت کر رہا ہوں کہ اس تجارت کے ذریعہ میں معاشرے میں ایک چیز فراہم کرنے کا ذریعہ بن جاؤں، اور مناسب طریقے سے ان کی اشیاء ضرورت ان تک پہنچاؤں۔ اگر تجارت کرتے وقت دل میں یہ دو نیتیں موجود ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ حلال طریقے کو اختیار کرے اور حرام طریقے سے بچے تو پھر یہ ساری تجارت عبادت ہے۔

دوسری ہدایت

اب دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ اسلام نے ہماری تجارت کا راستہ بھی بند کر دیا اور یہ فرما دیا کہ بس آخرت ہی کو دیکھو، دنیا کو مت دیکھو، اور دنیا کے اندر اپنی ضروریات کا خیال نہ کرو۔ اس خیال کی تردید کے لئے قرآن کریم نے فوراً دوسرے جملے میں دوسری ہدایت یہ فرمائی کہ:

"وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا"

یعنی ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم دنیا کو بالکل چھوڑ کر بیٹھ جاؤ، بلکہ تمہارا دنیا کا جو حصہ ہے اس کو مت بھولو، اس کے لئے جائز اور حلال طریقے اختیار کرنے کی کوشش کرو۔

یہ دنیا ہی سب کچھ نہیں

لیکن قرآن کریم کے اندازِ بیان نے ایک بات اور واضح کر دی کہ تمہارا بنیادی مسئلہ اس زندگی کے اندر "معاش کا مسئلہ" نہیں۔ بیشک قرآن و حدیث میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے معاش کے

مسئلے کو تسلیم کیا ہے، لیکن یہ معاش کا مسئلہ تمہاری زندگی کا بنیادی مسئلہ نہیں ہے۔ ایک کافر اور مؤمن میں یہی فرق ہے کہ کافر اپنی ساری زندگی کا بنیادی مسئلہ اس کو سمجھتا ہے کہ میری پیدائش سے لے کر مرتے دم تک میرے کھانے کمانے کا کیا انتظام ہے، اس سے آگے اس کی سوچ اور فکر نہیں جاتی۔ لیکن ایک مسلمان کو قرآن و حدیث یہ تعلیم دیتے ہیں کہ بیشک معاشی سرگرمیوں کی تمہیں اجازت ہے، لیکن یہ تمہاری زندگی کا بنیادی مقصد نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ زندگی تو خدا جانے کتنے دنوں کی ہے، آج بھی ختم ہو سکتی ہے، کل بھی ختم ہو سکتی ہے۔ ہر لمحے اس زندگی کے ختم ہونے کا امکان موجود ہے۔ آج تک کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے موت سے انکار کیا ہو۔ خدا کا انکار کرنے والے دنیا میں موجود ہیں لیکن موت سے انکار کرنے والا کوئی نہیں۔ اس دنیا سے ضرور جانا ہے۔ اور اگر تم مسلمان ہو تو یقیناً تمہارا یہ اعتقاد ہوگا کہ مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے۔ وہ زندگی کبھی ختم ہونے والی نہیں، وہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہوگی۔

کیا انسان ایک معاشی جانور ہے؟

ذرا سی عقل رکھنے والے انسان کو بھی یہ بات سوچنی چاہئے کہ اس کو اپنی جدوجہد اور اپنی زندگی کا بنیادی مقصد اس چند روزہ زندگی کو بنانا چاہئے یا اس آنے والی دائمی زندگی کو اپنا مقصد بنانا چاہئے؟ ایک مسلمان جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام پر ایمان رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ اس کی زندگی کا بنیادی مقصد صرف کھا پی کر پورا نہیں ہو جاتا، صرف زیادہ سے زیادہ روپیہ پیسہ جمع کر کے پورا نہیں ہو جاتا، کیونکہ اگر ایسا ہو جائے تو پھر انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ انسان کی تعریف میں یہ جو کہا گیا ہے کہ انسان ایک معاشی جانور (Economic Animal) ہے، یہ تعریف درست نہیں، اس لئے کہ اگر انسان صرف "Economic Animal" ہوتا تو پھر انسان میں اور بیل، گدھے، کتے میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ اس لئے کہ یہ جانور کھانے پینے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر انسان بھی صرف کھانے پینے کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو انسان میں اور جانور میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سارے جانوروں کے لئے رزق کے دروازے کھولے ہیں، وہ بھی کھاتے پیتے ہیں، لیکن انسان کو جانوروں سے جو امتیاز عطا فرمایا ہے، وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے، اور اس عقل کے ذریعہ وہ یہ سوچے کہ آئندہ آنے والی زندگی ایک دائمی زندگی ہے، اور وہ زندگی اس موجودہ زندگی پر فوقیت رکھتی ہے۔

بہر حال، اس دوسرے جملے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ دنیا سے اپنا حصہ مت بھولو، لیکن یہ

یاد رکھو کہ زندگی کا اصل مقصود دارِ آخرت ہے۔ اور یہ جتنی معاشی سرگرمیاں ہیں، یہ راستے کی منزل ہیں، یہ خود منزلِ مقصود نہیں۔

تیسری ہدایت

پھر تیسرے جملے میں یہ ہدایت دی کہ:

"وَاَحۡسِنۡ كَمَآ اَحۡسَنَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ"

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ دولت عطا کر کے تم پر احسان کیا ہے، تم بھی دوسروں پر احسان کرو۔ اس آیت میں ایک طرف تو یہ بتا دیا کہ حلال و حرام میں فرق کرو، اور حرام کے ذریعہ مال حاصل نہ کرو، اور دوسری طرف یہ بھی بتا دیا کہ جو چیز حلال طریقے سے حاصل کی ہے، اس کے بارے میں بھی یہ مت سمجھو کہ میں اس کا بلا شرکتِ غیر مالک ہوں۔ بلکہ اس کے ذریعہ تم دوسروں پر احسان کا معاملہ کرو۔ اور احسان کرنے کے لئے زکوۃ اور صدقات و خیرات کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

چوتھی ہدایت

چوتھے جملے میں یہ ہدایت دی کہ:

"وَلَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِى الۡاَرۡضِ"

زمین میں فساد مت پھیلاؤ، یعنی دولت کے بل بوتے پر دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ مت ڈالو، دوسروں کے حقوق غصب مت کرو۔ اگر تم نے ان چار ہدایات پر عمل کر لیا تو تمہاری یہ دولت، تمہارا یہ سرمایہ اور تمہاری یہ معاشی سرگرمیاں تمہارے لئے مبارک ہیں۔ اور تم انبیاء، صدیقین اور شہداء کی فہرست میں شامل ہو۔ اور اگر تم نے ان ہدایات پر عمل نہ کیا تو پھر تمہاری ساری معاشی سرگرمیاں بیکار ہیں، اور آخرت میں اس کا نتیجہ سزا اور عذاب کی صورت میں سامنے آجائے گا۔

تجارت دین بھی، دنیا بھی

یہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی کا خطاب ہے جو جناب یوسف غنی صاحب کے مکان واقع کلفٹن کراچی میں ہوا۔ اور جسے مولانا محمد عبداللہ میمن نے ضبط و ترتیب کے مراحل سے گزارا۔ اس خطاب کو معمولی اضافے کے بعد یہاں نقل کیا جارہا ہے۔ ۱۲ از مرتب عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تجارت دین بھی، دنیا بھی

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ.

اما بعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ. (۱)

وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشھداء. (۲)

وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم التجار یحشرون یوم القیامۃ فجارًا الامن ما اتقی وبر وصدق آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علٰی ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العالمین.

مسلمان کی زندگی کا بنیادی پتھر

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! پہلے بھی ایک مرتبہ بھائی امان اللہ صاحب کی دعوت پر میری یہاں حاضری ہو چکی ہے، اور یہ ان کی اور دوستوں کی محبت کی بات ہے کہ دوبارہ ایک ایسا اجتماع انہوں نے منعقد فرمایا۔ میرے ذہن میں یہ تھا کہ پچھلی مرتبہ جس طرح کچھ سوالات کیے گئے تھے، جن کا میری اپنی ناقص معلومات کی حد تک جو جواب بن پڑا، وہ دیا تھا۔ خیال یہ تھا کہ آج بھی اسی قسم کی مجلس ہوگی، کوئی تقریر یا بیان پیشِ نظر نہیں تھا۔ لیکن بھائی صاحب فرما رہے ہیں کہ ابتداء میں دین کی

(۱) سورۃ التوبہ: ۱۱۹۔ (۲) رواہ الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجارۃ، حدیث نمبر ۱۲۰۹۔

اور ایمان و یقین کی باتیں ہو جائیں۔ تو دین کی بات بیان کرنے سے تو کبھی انکار نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ دین ایک مسلمان کی زندگی کا بنیادی پتھر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسی پتھر کو مضبوطی سے تھامنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تاجروں کا حشر انبیاءؑ کے ساتھ

اس مجمع میں جو دوست واحباب موجود ہیں، ان میں سے اکثر کا تعلق چونکہ تجارت سے ہے، اس لئے اس وقت حضور اقدس ﷺ کی دو حدیثیں میرے ذہن میں آئیں۔ اور پھر قرآن کریم کی ایک آیت بھی میں نے تلاوت کی، جس سے ان دونوں حدیثوں کے مضمون کی وضاحت ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں بظاہر متضاد معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں متضاد نہیں ہیں۔ ایک حدیث میں نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشهداء"

جو تاجر تجارت کے اندر سچائی اور امانت کو اختیار کرے تو وہ قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ یہ تجارت جس کو ہم اور آپ دنیا کا ایک کام سمجھتے ہیں اور دل میں یہ خیال رہتا ہے کہ یہ تجارت ہم اپنے پیٹ کی خاطر کر رہے ہیں، اور اس کا بظاہر دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن نبی کریم ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر تاجر میں دو باتیں پائی جائیں، ایک یہ کہ وہ صدوق ہو، اور امین ہو، صدوق کے لفظی معنی ہیں "سچا" اور امین کے معنی ہیں "امانت دار" اگر یہ دو صفتیں اس میں پائی جائیں تو قیامت کے دن وہ انبیاء کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔ ایک سچائی، اور ایک امانت۔

تاجروں کا حشر فاجروں کے ساتھ

اور دوسری حدیث جو بظاہر اس کے متضاد ہے، وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ عیدگاہ کی طرف نکلے، وہاں دیکھا کہ لوگ آپس میں خرید و فروخت کے اندر مشغول ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا: یا معشر التجار! آپ ﷺ کے الفاظ سن کر تمام تاجر آپ ﷺ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

"ان التجار یحشرون یوم القیامة فجارًا الا من اتقی وبر وصدق."

"تجار" قیامت کے دن فجار بنا کر اُٹھائے جائیں گے۔ "فجار" فاجر کی جمع ہے، یعنی فاسق و فاجر اور گناہ گار، جو اللہ تعالیٰ کی معصیتوں کا ارتکاب کرنے والا ہے، سوائے اس شخص کے جو تقوی اختیار

کرے، اور نیکی اختیار کرے، اور سچائی اختیار کرے۔

تاجروں کی دو قسمیں

یہ دونوں حدیثیں انجام کے لحاظ سے بظاہر متضاد نظر آتی ہیں کہ پہلی حدیث میں فرمایا کہ نبیوں کے ساتھ ہوں گے، صدیق اور شہداء کے ساتھ ہوں گے، اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ فساق اور فجار کے ساتھ ہوں گے، لیکن الفاظ کے ترجمہ ہی سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ حقیقت میں دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ بلکہ تاجروں کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو انبیاء اور صدیقین کے ساتھ ہوگی، اور ایک قسم وہ ہے جو فاجروں اور فاسقوں کے ساتھ ہوگی۔

اور دونوں قسموں میں فرق بیان کرنے کے لئے جو شرائط بیان فرمائیں وہ یہ ہیں کہ سچائی ہو، امانت ہو، تقوی ہو، نیکی ہو تو پھر وہ تاجر پہلی قسم میں داخل ہے اور اس کو انبیاء کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔ اور اگر یہ شرائط اس کے اندر نہ ہوں، بلکہ صرف پیسہ حاصل کرنا مقصود ہو، جس طرح بھی ممکن ہو، چاہے دوسرے کی جیب پر ڈاکہ ڈال کر ہو، دھوکہ دے کر ہو، فریب دے کر ہو، جھوٹ بول کر ہو، دغا دے کر ہو، کسی بھی طریقے سے ہو تو پھر وہ تاجر دوسری قسم میں داخل ہے کہ اس کو فاسقوں اور فاجروں کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔

تجارت جنت کا سبب یا جہنم کا سبب

اگر ان دونوں حدیثوں کو ہم ملا کر دیکھیں تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو تجارت ہم کر رہے ہیں؛ اگر ہم چاہیں تو اس تجارت کو جنت تک پہنچنے کا راستہ بنالیں، انبیاء علیہم السلام کے ساتھ حشر ہونے کا ذریعہ بنالیں، اور اگر چاہیں تو اسی تجارت کو جہنم کا راستہ بنالیں اور فساق فجار کے ساتھ حشر ہونے کا ذریعہ بنالیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس دوسرے انجام سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین

ہر کام میں دو زاویئے

اور یہ بات صرف تجارت کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ دنیا کے جتنے کام ہیں، خواہ وہ ملازمت ہو، خواہ وہ تجارت ہو، خواہ وہ زراعت ہو، یا کوئی اور دنیا کا کام ہو، ان سب میں یہی بات ہے کہ اگر اس کو انسان ایک زاویئے سے اور ایک طریقے سے دیکھے تو وہ دنیا ہے، اور اگر دوسرے زاویئے سے دیکھے تو وہی دین بھی ہے۔

زاویۂ نگاہ بدل دیں

یہ دین درحقیقت صرف زاویۂ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے۔ اگر آپ وہی کام دوسرے زاویہ سے کریں، دوسری نیت سے کریں، دوسرے ارادے سے کریں، دوسرے نقطۂ نظر سے کریں تو وہی چیز جو بظاہر ٹھیٹ دنیاوی چیز نظر آرہی تھی، دین بن جاتی ہے۔

کھانا کھانا عبادت ہے

اگر انسان کھانا کھا رہا ہے تو بظاہر انسان اپنی بھوک دور کرنے کے لئے کھانا کھا رہا ہے۔ لیکن اگر کھانا کھاتے وقت یہ نیت ہو کہ میرے نفس کا مجھ پر حق ہے، میری ذات کا، میرے وجود کا مجھ پر حق ہے، اور اس حق کی ادائیگی کے لئے میں یہ کھانا کھا رہا ہوں، اور اس لئے کھا رہا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور اس نعمت کا حق یہ ہے کہ میں اس کی طرف اشتیاق کا اظہار کروں، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے اس کو استعمال کروں، تو وہی کھانا جو بظاہر لذت حاصل کرنے کا ذریعہ تھا اور بظاہر بھوک دور کرنے کا ذریعہ تھا، پورا کھانا دین اور عبادت بن جائے گا۔

حضرت ایوب علیہ السلام اور سونے کی تتلیاں

لوگ سمجھتے ہیں کہ دین یہ ہے کہ دنیا چھوڑ کر کسی گوشے میں بیٹھ جاؤ اور اللہ اللہ کرو، بس یہی دین ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا نام آپ نے سنا ہوگا۔ کون مسلمان ہے جو ان کے نام سے واقف نہیں ہے۔ بڑے زبردست پیغمبر اور بڑی ابتلا اور آزمائش سے گزرے ہیں۔ ان کا ایک واقعہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ وہ غسل کر رہے تھے، اور غسل کے دوران آسمان سے ان پر سونے کی تتلیوں کی بارش شروع ہوگئی، تو حضرت ایوب علیہ السلام غسل کو چھوڑ چھاڑ کر ان تتلیوں کو پکڑنے اور جمع کرنے میں لگ گئے۔ اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام سے پوچھا کہ اے ایوب! کیا ہم نے تم کو پہلے ہی بے شمار نعمتیں نہیں دے رکھی ہیں؟ تمہاری ضروریات کا سارا انتظام کر رکھا ہے۔ ساری کفالت کر رکھی ہے۔ پھر بھی تمہیں حرص ہے، اور تتلیوں کو جمع کرنے کی طرف بھاگ رہے ہو؟ تو حضرت ایوب علیہ السلام نے کیا عجیب جواب دیا کہ اے پروردگار

"لاغنی بی عن برکتك"

جب آپ میرے اُوپر کوئی نعمت نازل فرمائیں تو یہ بات ادب کے خلاف ہے کہ میں اس سے بے نیازی کا اظہار کروں۔ جب آپ خود اپنے فضل سے یہ نعمت عطا فرمارہے ہیں تو اب اگر میں بیٹھا رہوں، اور یہ کہوں کہ مجھے یہ سونا چاندی نہیں چاہئے میں تو اس پر ٹھوکر مارتا ہوں تو یہ بے ادبی کی بات ہے۔ جب آپ دے رہے ہیں تو میرا یہ فرض ہے کہ میں اشتیاق کے ساتھ اس کو لوں، اس کی قدر پہچانوں اور اس کا شکر یہ ادا کروں۔ اس لئے میں آگے بڑھ کر ان کو جمع کر رہا ہوں۔ یہ ایک پیغمبر کی آزمائش تھی۔ ورنہ اگر کوئی عام قسم کا خشک دیندار ہوتا تو وہ یہ کہتا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میں تو اس دنیا کو ٹھوکر مارتا ہوں۔ لیکن وہ چونکہ حقیقت سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ یہی چیز اگر اس نقطۂ نظر سے حاصل کی جائے کہ میرے پروردگار کی دی ہوئی ہے، اور اس کی نعمت ہے، میں اس کی قدر پہچانوں، اس کا شکر ادا کروں، تو پھر یہ دنیا نہیں ہے، بلکہ یہ دین ہے۔ (۱)

نگاہ نعمت دینے والے کی طرف ہو

ہم لوگ پانچ بھائی تھے، اور سب برسرِ روزگار اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی عید وغیرہ کے موقع پر جب ہم اکٹھے ہوتے تو حضرت والد صاحب ہمیں بعض اوقات عیدی دیا کرتے تھے۔ وہ عیدی کبھی ۲۰ روپے، کبھی ۲۵ روپے اور کبھی ۳۰ روپے ہوتی۔ مجھے یاد ہے کہ جب والد صاحب ۲۵ روپے دیتے تو ہم کہتے کہ نہیں، ہم ۳۰ روپے لیں گے، اور جب وہ ۳۰ روپے دیتے تو ہم کہتے کہ نہیں، ہم ۳۵ روپے لیں گے، اور تقریباً یہ صورت ہر گھر میں ہوتی ہے کہ اولاد چاہے جوان ہوگئی ہو، برسرِ روزگار ہوگئی ہو، کمارہی ہو، لیکن اگر باپ دے رہا ہے تو اس سے مچل مچل کر مانگتے ہیں کہ اور دے دیں۔ اور اب وہ باپ کی طرف سے جو ۳۰ روپے دیئے گئے، اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی، اس لئے کہ ہم میں سے ہر بھائی ہزاروں روپے کمانے والا تھا۔ لیکن پھر اس ۳۰ روپے کا شوق، رغبت، اشتیاق اور اس کو حاصل کرنے کے لئے بار بار مچلنا یہ سب کیوں تھا؟ بات دراصل یہ ہے کہ نگاہ اس روپے پر نہیں تھی کہ ۳۰ روپے مل رہے ہیں، بلکہ نگاہ اس دینے والے ہاتھ کی طرف تھی کہ وہ ۳۰ روپے کس دینے والے ہاتھ سے مل رہے ہیں۔ یہ ایک باپ کی طرف سے مل رہے ہیں، اور یہ ایک محبت کا اظہار ہے، یہ ایک شفقت کا اظہار ہے، یہ ایک نعمت کا اظہار ہے، لہٰذا اس کا ادب یہ ہے کہ اس کو اشتیاق کے ساتھ لیا جائے، اس کی قدر پہچانی جائے، چنانچہ اس کو خرچ نہیں کرتے تھے، بلکہ اُٹھا کر لفافے میں بند کر کے رکھ دیتے کہ یہ میرے باپ کے دیئے ہوئے ہیں۔ اگر وہی ۳۰ روپے کسی دوسرے آدمی کی طرف سے

---

(۱) رواہ البخاری، کتاب الغسل، باب من اغتسل عریانًا وحدہ فی الخلوۃ، حدیث نمبر ۲۷۹۔

ملیں اور انسان اس میں لالچ اور رغبت کا اظہار کرے اور اس سے کہے کہ مجھے ۳۰ روپے کے بجائے ۳۵ روپے دو، تو یہ شرافت اور مروّت کے خلاف ہے۔

اس کا نام تقویٰ ہے

دین درحقیقت زاویۂ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے۔ اور یہی زاویۂ نگاہ جب بدل جاتا ہے تو قرآن کی اصطلاح میں اسی کا نام تقویٰ ہے یعنی میں دنیا کے اندر جو کچھ کر رہا ہوں، چاہے کھا رہا ہوں، چاہے سو رہا ہوں، چاہے کما رہا ہوں، اللہ کے لئے کر رہا ہوں، اللہ کے احکام کے مطابق کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کی مرضی پیشِ نظر رکھ کر کر رہا ہوں، یہی چیز اگر حاصل ہو جائے تو اسی کو تقویٰ کہتے ہیں۔ یہ تقویٰ اگر پیدا ہو جائے، اور پھر اس تقویٰ کے ساتھ تجارت کریں تو یہ تجارت دنیا نہیں، بلکہ یہ دین ہے، اور یہ جنت تک پہنچانے والی ہے، اور نبیوں کے ساتھ حشر کرانے والی ہے۔

صحبت سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے

عموماً دل میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ کس طرح حاصل ہو؟ یہ زاویۂ نگاہ کس طرح بدلا جائے؟ تو اس کے جواب کے لئے میں نے شروع میں یہ آیت تلاوت کی تھی کہ:

"يَاۤأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ"

اے ایمان والو! تقوی اختیار کرو اور قرآن کریم کا اصول یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس پر عمل کرنے کا راستہ بھی بتاتا ہے اور ایسا راستہ بتاتا ہے جو ہمارے اور آپ کے لئے آسان ہوتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ محض کسی کام کا حکم نہیں دیتے بلکہ ساتھ میں ہماری ضروریات، ہماری حاجتیں اور ہماری کمزوریوں کا احساس فرما کر ہمارے لئے آسان راستہ بھی بتاتے ہیں۔ تو تقویٰ حاصل کرنے کا آسان راستہ بتا دیا کہ "کونوا مع الصادقین" سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرو، یہ صحبت جب تمہیں حاصل ہوگی تو اس کا بالآخر نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے اندر خود تقویٰ پیدا ہو جائے گا۔ ویسے کتاب میں تقویٰ کی شرائط پڑھ کر تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرو گے تو یہ راستہ بہت مشکل نظر آئے گا، لیکن قرآن نے اس کے حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ بتلا دیا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی دولت عطا فرمائی ہو دوسرے لفظوں میں جس کو صدق کی دولت حاصل ہو، اس کی صحبت اختیار کرلو۔ کیونکہ صحبت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس شخص کی صحبت اختیار کی جاتی ہے، اس کا رنگ رفتہ رفتہ انسان پر چڑھ جاتا ہے۔

ہدایت کے لئے صرف کتاب کافی نہیں ہوتی

اور دین کو حاصل کرنے اور دین کو سمجھنے کا بھی یہی راستہ ہے۔ نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ اسی لئے تشریف لائے۔ ورنہ سیدھی بات تو یہ تھی کہ صرف قرآن کریم نازل کر دیا جاتا، اور مشرکینِ مکہ کا مطالبہ بھی یہی تھا کہ ہمارے اُوپر قرآن کریم کیوں نازل نہیں ہوتا؟ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں تھا کہ وہ کتاب اس طرح نازل کر دیتے کہ جب لوگ صبح بیدار ہوتے تو ہر شخص بہت اچھا اور خوبصورت بائنڈنگ شدہ قرآن کریم اپنے سرہانے موجود پاتا، اور آسمان سے آواز آ جاتی کہ یہ کتاب تمہارے لئے بھیج دی گئی ہے، اس پر عمل کرو تو یہ کام اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب رسول کے بغیر نہیں بھیجی، ہر کتاب کے ساتھ ایک رسول بھیجا ہے، رسول تو کتاب کے بغیر آئے ہیں، لیکن کتاب بغیر رسول کے نہیں آئی، کیوں؟ اس لئے کہ انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے، اور اس کو کسی خاص رنگ پر ڈھالنے کے لئے صرف کتاب کبھی کافی نہیں ہوتی۔

صرف کتابیں پڑھ کر ڈاکٹر بننے کا نتیجہ

اگر کوئی شخص چاہے کہ میں میڈیکل سائنس کی کتاب پڑھ کر ڈاکٹر بن جاؤں، اور پھر اس نے وہ کتاب پڑھ لی، اور اس کو سمجھ بھی لیا، اور اس کے بعد اس نے ڈاکٹری اور علاج شروع کر دیا تو سوائے قبرستان آباد کرنے کے وہ کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ جب تک وہ کسی ڈاکٹر کی صحبت اختیار نہ کرے، اور اس کے ساتھ کچھ مدت تک رہ کر کام نہ کرے، اس وقت تک وہ ڈاکٹر نہیں بن سکتا، اور میں تو آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ بازار میں کھانا پکانے کی کتابیں موجود ہیں، جس میں کھانا پکانے کی ترکیبیں لکھی ہوئی ہیں، پلاؤ اس طرح بنتا ہے، بریانی اس طرح بنتی ہے، قورمہ ایسے بنتا ہے۔ اب اگر ایک شخص صرف وہ کتاب اپنے سامنے رکھ کر بریانی بنانا چاہے گا تو خدا جانے وہ کیا ملغوبہ تیار کرے گا۔ جب تک کہ کسی ماہر کے ساتھ رہ کر اس کی ٹریننگ حاصل نہ کی ہو، اور اس کو سمجھا نہ ہو، اس وقت تک وہ بریانی تیار نہیں کر سکتا۔

متقی کی صحبت اختیار کرو

یہی معاملہ دین کا ہے کہ صرف کتاب انسان کو کسی دینی رنگ میں ڈھالنے کے لئے کافی نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی معلم اور مربی اس کے ساتھ نہ ہو۔ اس واسطے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا اور انبیاء

علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ مرتبہ حاصل ہوا۔ صحابہ کے کیا معنی ہیں؟ صحابہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اُٹھائی۔ اُنہوں نے جو کچھ حاصل کیا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے حاصل کیا، پھر اسی طرح تابعین نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی صحبت سے اور تبع تابعین نے تابعین کی صحبت سے حاصل کیا تو جو کچھ دین ہم تک پہنچا ہے وہ صحبت کے ذریعہ پہنچا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی تقویٰ حاصل کرنے کا راستہ یہ بتا دیا کہ اگر تقویٰ حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کا آسان راستہ یہ ہے کہ کسی متقی کی صحبت اختیار کرو، اور پھر اس صحبت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمہارے اندر بھی وہ تقویٰ پیدا فرما دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی حقیقت سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مسلمان تاجر کا خاصہ

فرمایا کہ:

”فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ“(۱)

ترجمہ: پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا۔

یعنی اللہ کا فضل تلاش کرو، تجارت کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ تجارت کر رہے ہو تو بھی ذکر اللہ جاری رہنا چاہئے۔ کیونکہ اگر تجارت میں اللہ کی یاد فراموش ہو گئی اللہ کا ذکر نہ رہا تو وہ تجارت تمہارے دل میں گھس کر تمہاری کشتی کو ڈبو دے گی۔ اس واسطے وابتغوا من فضل اللّٰہ کے ساتھ واذکرو اللّٰہ کثیرا لاحقہ لگا دیا کہ تجارت کے ساتھ بھی اللہ کی یاد ہونی چاہئے۔ یہ نہ ہو کہ ”يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ“(۲)

یعنی مال و دولت اور اہل و عیال تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔

مسلمان تاجر کا خاصہ یہ ہے کہ وہ تجارت بھی کر رہا ہے لیکن ع

دست بکار و دل بیار

یعنی ہاتھ تو کام میں لگ رہا ہے لیکن دل اللہ کی یاد میں لگا ہوا ہے۔ اسی کی صوفیائے کرام مشق کراتے ہیں۔ اور تصوف اسی کا نام ہے کہ تجارت بھی کرو، اور زیادہ سے زیادہ ذکر اللہ بھی کرو۔ اب یہ کیسے کریں اور اس کی عادت کیسے ڈالیں؟ تو صوفیائے کرام اسی فن کو سکھاتے ہیں کہ تم تجارت بھی کر رہے ہو گے اور اللہ کا ذکر بھی جاری رکھو گے۔

میرے دادا حضرت مولانا محمد یاسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر تھے، یعنی جس سال

---

(۱) سورۃ الجمعۃ ۱۰/۱۱۔ (۲) سورۃ المنافقون: ۹۔

پتہ چل گیا کہ یہ بے روزگار ہے تو اس کا ایک الاؤنس جاری کر دیتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ جب تک وہ بے روزگار ہے تو بھوکا نہ مرے بلکہ اس کو ایک وظیفہ ملتا رہے اور اگر وہ معذور نہیں ہے تو روزگار کی تلاش میں لگا رہے، کوشش کرتا رہے اور جب روزگار مل جائے تو اپنا روزگار خود سنبھالے اور اگر معذور ہے تو وظیفہ ملتا رہتا ہے۔

اب ہمارے مسلمان بھائیوں کی ایک بڑی تعداد وہاں پر ہے، اس نے اپنے آپ کو بے روزگار ظاہر کر کے وہ ایک الاؤنس جاری کروا رکھا ہے اور بہت سے ایسے ہیں کہتے ہیں جب آرام سے گھر پر مل رہا ہے تو کمانے کی کیا ضرورت ہے اور بعض ایسے ہیں کہ جن کو روزگار ملا ہوا ہے یعنی چوری چھپے روزگار بھی کر رہے ہیں اور وہ الاؤنس بھی لے رہے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ ائمہ مساجد یہ کام کر رہے ہیں اور اس کی دلیل یہ بنالی ہے کہ یہ تو کافر لوگ ہیں، ان سے پیسے وصول کرنا ثواب ہے، لہٰذا ہم یہ پیسے وصول کریں گے۔ امامت کے پیسے بھی مل رہے ہیں اور ٹیوشن بھی چلا رہے ہیں اور ساتھ میں بے روزگاری الاؤنس بھی لے رہے ہیں۔ (۱)

آج کل کے تاجر

آج کے تاجروں میں اور پہلے کے تاجروں میں اتنا فرق تھا کہ اس وقت کے جو تاجر تھے اُنہوں نے تاویل اور توریہ سے کام لیا تھا کہ باڑوں کے نام رکھ دیئے خراسان اور بجستان، تو کم از کم اتنا خیال تھا کہ شرعی جھوٹ نہ ہو، اس وقت اتنا لحاظ تھا کہ شرعی جھوٹ بولنا بُری بات ہے، لہٰذا تھوڑا سا حیلہ اختیار کر لو، لیکن اب العیاذ باللہ یہ قصہ بھی ختم ہو گیا اور اس تکلف کی بھی حاجت نہیں رہی، لہٰذا پاکستان کے کپڑے پر جاپان کا لیبل لگا دیا، سامان پر چائنا اور امریکہ کا لیبل لگا دیا۔ (۲)

بیع وشراء کے وقت نرمی کی فضیلت

”عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ان الله يحب سمح البيع، سمح الشراء، سمح القضاء.“ (۳)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو پسند فرماتے ہیں جو بیچنے کے وقت بھی نرم ہو اور خریدنے کے وقت بھی نرم ہو اور دَین ادا کرنے

(۱) انعام الباری، کتاب البیوع، ج ۶، ص ۱۲۷ تا ۱۳۰۔

(۲) انعام الباری، کتاب البیوع، ج ۶، ص ۱۳۲، ۱۳۳۔

(۳) رواہ الترمذی، کتاب البیوع، رقم ۱۲۴۰۔

کو کھڑا ہوا چھوڑ دیتے ہیں، تو یہاں تجارت بھی ہے اور لہو بھی ہے۔ (۱)

لہو کی وضاحت

بعض حضرات نے فرمایا کہ ''لہو'' کا لفظ تجارت کے لئے ہی استعمال کیا گیا ہے کیونکہ تجارت انسان کو ذکر اللہ سے غافل کر دیتی ہے اس لئے وہ لہو بن جاتی ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ لہو سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ سامانِ تجارت لے کر آئے تھے ان کے ساتھ ڈھول ڈھما کا بھی تھا تو وہ تجارت بھی تھی اور ساتھ لہو بھی تھا، اس لئے دونوں کا ذکر فرمایا۔ (۲)

الیھا کی ضمیر مفرد ہونے کی وجہ

الیھا میں ضمیر صرف تجارت کی طرف لوٹائی ہے ورنہ الیھما کہتے لیکن ضمیر مفرد کی لائے اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ ان کا مقصودِ اصلی تجارت کے لئے جانا تھا نہ کہ لہو کے واسطے تھا بلکہ لہو ضمنی طور پر تھا۔

"وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا ط قُلْ مَا عِندَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ"

ابھی تو کہہ رہے تھے ''من فضل اللہ'' اور اب فرما رہے ہیں "مَا عِندَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ" وہی بات آگئی کہ جب تک وہ تجارت تمہیں اللہ کے ذکر اور اس کے حکم سے غافل نہیں کر رہی تھی تو وہ فضل اللہ تھا لیکن جب اس نے غافل کر دیا تو "مَا عِندَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ" بن گیا۔ اگر یہ اندیشہ ہو کہ اگر اللہ کے حکم پر عمل کریں گے تو العیاذ باللہ اس سے ہمارا نقصان ہو جائے گا تو یہ وہم شیطان کی طرف سے ہے، یہ دل سے نکال دو کیونکہ واللّٰہ خیر الرازقین، اللہ تعالیٰ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ (۳)

دنیا میں تاجروں کے ذریعے اشاعتِ اسلام

دنیا کے بہت سے حصوں میں تاجروں کے ذریعے اسلام پھیلا، کیونکہ اس کے لئے باقاعدہ کوئی جماعت نہیں گئی تھی کہ جو جا کے لوگوں کو دعوت دے، تاجر تھے، تجارت کرنے گئے تھے، لوگوں نے ان کے تجارتی معاملات کو دیکھا اور مشاہدہ کیا کہ یہ کیسے با اخلاق لوگ ہیں، ان کو دیکھ کر مسلمان ہوئے۔

---

(۱) عمدۃ القاری ۱۲۲/۵، ۱۲۴۔ (۲) ایضاً۔

(۳) انعام الباری، کتاب البیوع، ج ۶، ص ۷۲ تا ۷۵۔

آج مسلمان چلا جائے تو لوگ ڈرتے ہیں کہ اس کے ساتھ معاملہ کیسے کریں، دھوکہ یہ دے گا، فریب یہ کرے گا، جھوٹ یہ بولے گا، بدعنوانیوں کا ارتکاب یہ کرے گا اور جو باتیں ہماری تھیں وہ غیر مسلموں نے اپنالیں۔

تو اس کے نتیجے میں اللہ نے دنیا میں ان کو کم از کم فروغ دے دیا۔ اب بھی امریکہ میں یہ صورتحال ہے کہ آپ ایک دکان سے کوئی سودا خریدنے کے لئے گئے، ہفتہ گزر گیا، ایک ہفتہ گزرنے کے بعد آپ دکاندار کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ بھائی یہ جوسیٹ میں نے لیا تھا یہ میرے گھر والوں کو پسند نہیں آیا۔ اگر اس چیز میں کوئی نقص پیدا نہ ہوا ہو تو کہتے ہیں لاؤ کوئی بات نہیں واپس کرلیں گے۔

حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "من اقال نادما بیعته اقال اللّٰه عثرته یوم القیامة."(۱) ہمارے ہاں اگر واپس کرنے کے لئے لے جائے تو جھگڑا ہو جائے گا جبکہ وہ واپس کر لیتے ہیں۔

اصول پسند تاجر

امریکہ سے پاکستان ٹیلیفون کیا اور آپ نے ایک ڈیڑھ منٹ بات کی، اس کے بعد ایکسچینج کو فون کردیں کہ میں نے فلاں نمبر پر فون کرنا چاہا تھا، مجھے رانگ نمبر مل گیا، جس نمبر کو میں چاہ رہا تھا وہ نمبر نہیں ملا تو کہتے ہیں کوئی بات نہیں، ہم آپ کے بل سے یہ کال کاٹ دیں گے۔

اب ہمارے پاکستانی بھائی پہنچ گئے تو انہوں نے ٹائپ رائٹر خریدا، مہینے بھر اس کو استعمال کیا، اس سے اپنا کام نکالا، ایک مہینے کے بعد جا کر کہا کہ پسند نہیں آیا لہٰذا واپس لے لیں۔ شروع شروع میں اُنہوں نے واپس لے لیا، لیکن دیکھا کہ لوگوں نے یہ کاروبار ہی بنالیا تو اب یہ معاملہ ختم کردیا۔

ایک واقعہ

میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا۔ میں لندن سے کراچی واپس آرہا تھا اور لندن کا جو ہیتھرو ائیرپورٹ ہے وہاں ائیرپورٹ پر بہت بڑا بازار ہے، مختلف اسٹال وغیرہ لگے رہتے ہیں، اس میں دنیا کی مشہور کتاب ''انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا'' کا اسٹال لگا ہوا تھا، میں وہاں کتابیں دیکھنے لگا تو مجھے ایک کتاب نظر آئی جس کی بہت عرصے سے میں تلاش میں تھا، اس کا نام ''گریٹ بکس'' ہے، انگریزی

(۱) باب جواز الاقالة وفضلها، اعلاء السنن، ج ۱۴، ص ۲۲۰۔

میں پینسٹھ ۶۵ جلدوں میں ہے، اس کتاب میں ''ارسطو'' سے لے کر ''برٹرینڈرسل'' تک جو بھی قریب میں فلسفی گزرا ہے یعنی تمام فلسفیوں اور تمام بڑے بڑے مفکرین کی اہم ترین کتابیں جمع کر دیں اور سب کے انگریزی ترجمے اس کتاب میں موجود ہیں۔ میں وہ کتاب اسٹال پر دیکھنے لگا۔ اسٹال پر جو آدمی (Shop Keeper) یعنی دکاندار کھڑا تھا، کہنے لگا کہ کیا آپ یہ کتاب لینا چاہتے ہیں اور کیا آپ کے پاس ''انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا'' پہلے سے موجود ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں لینا چاہتا ہوں اور پہلے سے موجود بھی ہے۔ اگر آپ کے پاس پہلے سے ''انسائیکلوپیڈیا'' موجود ہے تو آپ کو ہم یہ پچاس فیصد رعایت میں دے دیں گے یعنی جو اصل قیمت ہے اس کی آدھی قیمت پر دے دیں گے۔ میں نے کہا کہ میرے پاس ہے تو سہی لیکن کوئی ثبوت نہیں ہے جس سے ثابت کروں کہ میرے پاس ہے۔

دکاندار نے کہا کہ ثبوت کو چھوڑیں! بس آپ نے کہہ دیا ہے کہ ''ہے'' تو بس آپ پچاس فیصد کے حقدار ہیں۔ اب میں نے حساب لگایا کہ پچاس فیصد رعایت کے ساتھ کتنے پیسے بنیں گے تو پچاس فیصد رعایت کے ساتھ وہ تقریباً پاکستانی چالیس ہزار روپے بن رہے تھے۔ مجھے اپنے دارالعلوم کے لئے خریدنی تھی، دارالعلوم ہی کے لئے ''بریٹانیکا'' پہلے بھی موجود تھی۔

میں نے کہا کہ میں تو اب جا رہا ہوں، یہ کتاب میرے پاس کیسے آئے گی؟ دکاندار نے کہا کہ آپ فارم بھر دیجئے، ہم یہ کتاب آپ کو جہاز سے بھیج دیں گے۔ جب میں نے وہ فارم بھر دیا تو دکاندار کہنے لگا کہ آپ اپنا کریڈٹ کارڈ کا نمبر دے کر دستخط کر دیجئے۔

تو میں ذرا ٹھٹکا کہ دستخط کروں یا نہ کروں اس لئے کہ دستخط کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ادائیگی ہو گئی، وہ چاہے تو اسی وقت جا کر فوراً پیسے نکلوا سکتا ہے۔ مگر مجھے غیرت آئی کہ اس نے میری زبان پر اعتبار کیا اور میں یہ کہوں کہ نہیں میں نہیں کرتا، لہٰذا میں نے دستخط کر دیئے۔ میرے دل میں ایک خیال آیا اور میں نے کہا کہ دیکھو یہاں آپ مجھے پچاس فیصد رعایت پر دے رہے ہیں لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے بلکہ کئی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ میں نے یہاں سے کتابیں بہت رعایت سے خریدیں اور دستخط کرنے کے بعد پاکستان جا کر مجھے اس سے بھی سستی مل گئیں، لوگ پتہ نہیں کس کس طرح منگوا لیتے ہیں اور سستی بیچ دیتے ہیں تو مجھے اس بات کا احتمال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ پاکستان میں مجھے اس سے سستی مل جائے!

دکاندار نے کہا کہ اچھا کوئی بات نہیں، آپ جا کے پاکستان میں معلوم کر لیجئے اگر آپ کو سستی مل رہی ہوں گی تو ہمارا یہ آرڈر کینسل کر دیجئے گا اور اگر نہ ملے تو ہم آپ کو بھیج دیں گے۔

میں نے کہا کہ آپ کو کیسے بتاؤں گا؟ تو دکاندار کہنے لگا کہ آپ کو تحقیق کرنے میں کتنے دن

لگیں گے، کیا آپ چار پانچ دن یعنی بدھ کے دن تک پتہ لگا سکیں گے؟

میں نے کہا: ہاں ان شاء اللہ۔

دکاندار نے کہا کہ میں بدھ کے دن بارہ بجے آپ کو فون کر کے پوچھوں گا کہ آپ کو سستی مل گئی کہ نہیں، اگر مل گئی ہو تو میں آرڈر کینسل کر دوں گا اور اگر نہیں ملی ہوگی تو پھر روانہ کر دوں گا۔

تو اس نے حجت ہی نہیں چھوڑی، لہٰذا میں نے کہا کہ اچھا بھائی ٹھیک ہے اور میں نے دستخط کر دیئے اور فارم ان کو دے دیا، لیکن سارے راستے مجھے خیال آتا رہا کہ میں دستخط کر کے آگیا ہوں، اب وہ چاہے تو اسی وقت جا کر بلا تاخیر چالیس ہزار روپے بینک سے وصول کر لے، یعنی دل میں دغدغہ لگا رہا کہ اس میں تاخیر ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے، لہٰذا یہاں کراچی پہنچ کر میں نے دو کام کیے۔

ایک کام یہ کیا کہ امریکن ایکسپریس میں جو کریڈٹ کارڈ کی کمپنی تھی اس کو خط لکھا کہ میں اس طرح دستخط کر کے آیا ہوں لیکن اس کی پیمنٹ (ادائیگی) اس وقت تک نہ کریں جب تک کہ میں دوبارہ آپ سے نہ کہوں۔

اور دوسرا کام یہ کیا کہ ایک آدمی کو بھیجا کہ یہ کتاب دیکھ کر آؤ، اگر مل جائے تو لے آؤ، میں پہلے یہاں تلاش کر رہا تھا لیکن مجھے ملتی نہیں تھی۔ ایسا ہوا کہ اس نے جا کر تلاش کی تو صدر کی ایک دکان میں یہ کتاب مل گئی اور سستی مل گئی یعنی وہاں چالیس ہزار میں پڑ رہی تھی یہاں تیس ہزار میں مل گئی جبکہ وہ پچاس فیصد رعایت کرنے کے بعد تھی۔ اب میرا دل اور پریشان ہوا، اللہ کا کرنا کہ یہاں سستی مل رہی ہے اور اس نے کہا تھا کہ بدھ کے دن میں فون کروں گا، خدا جانے فون کرے نہ کرے! لہٰذا میں نے احتیاطاً خط بھی لکھ دیا کہ بھائی یہاں مل گئی ہے، ٹھیک بدھ کا دن تھا اور بارہ بجے دوپہر کا وقت تھا، اس کا فون آیا۔

دکاندار نے فون پر کہا کہ بتایئے آپ نے کتاب دیکھ لی، معلومات کر لیں؟ میں نے کہا: جی ہاں کر لی ہیں اور مجھے یہاں سستی مل گئی ہے۔ تو وہ کہنے لگا کہ آپ کو سستی مل گئی، میں آپ کا آرڈر کینسل کر دوں؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ اس پر دکاندار نے کہا کہ میں آرڈر کینسل کر رہا ہوں اور آپ نے جو فارم پُر کیا تھا اس کو پھاڑ رہا ہوں۔ اچھا ہوا کہ آپ کو سستی مل گئی، ہم آپ کو مبارکباد دیتے ہیں۔

چار پانچ دن بعد اس کا خط آیا کہ ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ وہ کتاب آپ کو کم قیمت پر مل گئی لیکن افسوس ضرور ہے کہ ہمیں آپ کی خدمت کا موقع نہیں مل سکا لیکن وہ کتاب آپ کو مل گئی، آپ کا مقصد حاصل ہو گیا آپ کو مبارکباد دیتے ہیں اور اس بات کی توقع رکھتے ہیں کہ آئندہ بھی آپ ہمارے ساتھ رابطہ قائم رکھیں گے۔

ایک پیسے کا اس کو فائدہ نہیں ہوا، فون لندن سے کراچی اپنے خرچ پر کیا، پھر خط بھی بھیج رہا ہے!

ہم ان کو گالیاں والیاں بہت دیتے ہیں اور وہ اُن اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں جو ہم چھوڑ چکے ہیں۔ بہر حال کفر کی وجہ سے ان سے نفرت ہونی بھی چاہئے لیکن اُنہوں نے بعض وہ اعمال اپنا لیے ہیں جو درحقیقت ہمارے اپنے اسلامی تعلیمات کے اعمال تھے۔اس کے نتیجے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو فروغ دیا۔

حق میں سرنگوں اور باطل میں اُبھرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے

میرے والد ماجدؒ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) ایک بڑی یاد رکھنے کی اور بڑی زرّیں بات فرمایا کرتے تھے کہ باطل کے اندر تو اُبھرنے کی صلاحیت نہیں ہے، ان الباطل کان زھوقا، لیکن اگر کبھی دیکھو کہ کوئی باطل پرست اُبھر رہے ہیں تو سمجھو کہ کوئی حق والی چیز اس کے ساتھ لگ گئی ہے جس نے اس کو اُبھار دیا ہے کیونکہ باطل میں تو اُبھرنے کی طاقت تھی ہی نہیں، حق چیز لگ گئی اس نے اُبھار دیا۔

اور حق میں صلاحیت سرنگوں ہونے کی نہیں، جاء الحق وزھق الباطل، تو جب حق اور باطل کا مقابلہ ہو تو ہمیشہ حق کو غالب ہونا ہے، اس میں صلاحیت نیچے جانے کی نہیں ہے۔ اگر کبھی دیکھو کہ حق والی قوم نیچے جا رہی ہے تو سمجھ لو کہ کوئی باطل چیز اس کے ساتھ لگ گئی ہے جس نے اس کو گرایا ہے۔ یہ بڑی کانٹے کی بات ہے۔

ہمارے ساتھ ان کے یہ سب باطل لگ گئے اور ان اقوام نے ان حق باتوں کو اپنا لیا ہے۔ تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے کم از کم دنیا میں تو اس کا بدلہ ان کو دیا کہ دنیا کے اندر ان کو فروغ حاصل ہوا، ترقی ملی، عزت ملی، لیکن آخرت میں معاملہ تو اور ہی معیار پر ہونا ہے۔ یعنی وہاں کا معاملہ دوسرے معیار کا ہے، لہٰذا وہاں کا معاملہ تو وہاں ہوگا لیکن دنیا کے اندر ان کو جو ترقی مل رہی ہے اور ہم جو نیچے گر رہے ہیں اس کے اسباب یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا دار الاسباب بنائی، اُنہوں نے یہ اخلاق اختیار کیے تو ان اخلاق کے اختیار کرنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے تجارت کو فروغ دیا، صنعت کو فروغ دیا اور سیاست میں فروغ دیا اور تم نے یہ چیزیں اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات چھوڑ دیئے لہٰذا اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں ہمارے پٹائی کرا دیتے ہیں۔ روز پٹائی ہوتی ہے۔

برطانیہ میں ایک بے روزگاری الاؤنس ہوتا ہے یعنی کوئی آدمی بے روزگار ہو گیا اور حکومت کو

پتہ چل گیا کہ یہ بے روزگار ہے تو اس کا ایک الاؤنس جاری کر دیتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ جب تک وہ بے روزگار ہے تو بھوکا نہ مرے بلکہ اس کو ایک وظیفہ ملتا رہے اور اگر وہ معذور نہیں ہے تو روزگار کی تلاش میں لگا رہے، کوشش کرتا رہے اور جب روزگار مل جائے تو اپنا روزگار خود سنبھالے اور اگر معذور ہے تو وظیفہ ملتا رہتا ہے۔

اب ہمارے مسلمان بھائیوں کی ایک بڑی تعداد وہاں پر ہے، اس نے اپنے آپ کو بے روزگار ظاہر کر کے وہ ایک الاؤنس جاری کروا رکھا ہے اور بہت سے ایسے ہیں کہتے ہیں جب آرام سے گھر پر مل رہا ہے تو کمانے کی کیا ضرورت ہے اور بعض ایسے ہیں کہ جن کو روزگار ملا ہوا ہے یعنی چوری چھپے روزگار بھی کر رہے ہیں اور وہ الاؤنس بھی لے رہے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ ائمہ مساجد یہ کام کر رہے ہیں اور اس کی دلیل یہ بنالی ہے کہ یہ تو کافر لوگ ہیں، ان سے پیسے وصول کرنا ثواب ہے، لہٰذا ہم یہ پیسے وصول کریں گے۔ امامت کے پیسے بھی مل رہے ہیں اور ٹیوشن بھی چلا رہے ہیں اور ساتھ میں بے روزگاری الاؤنس بھی لے رہے ہیں۔ (۱)

آج کل کے تاجر

آج کے تاجروں میں اور پہلے کے تاجروں میں اتنا فرق تھا کہ اس وقت کے جو تاجر تھے اُنہوں نے کچھ تو رِیہ کرلیا تھا کہ باڑوں کے نام رکھ دیئے خراسان اور بحستان، تو کم از کم اتنا خیال تھا کہ شرعی جھوٹ نہ ہو، اس وقت اتنا لحاظ تھا کہ شرعی جھوٹ بولنا بُری بات ہے، لہٰذا تھوڑا سا حیلہ اختیار کرلو، لیکن اب العیاذ باللہ یہ قصہ بھی ختم ہو گیا اور اس تکلف کی بھی حاجت نہیں رہی، لہٰذا پاکستان کے کپڑے پر جاپان کا لیبل لگا دیا، سامان پر چائنا اور امریکہ کا لیبل لگا دیا۔ (۲)

بیع وشراء کے وقت نرمی کی فضیلت

”عن ابی ھریرة رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال:
ان اللہ یحب سمح البیع، سمح الشراء، سمح القضاء.“

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو پسند فرماتے ہیں جو بیچنے کے وقت بھی نرم ہو اور خریدنے کے وقت بھی نرم ہو اور دَین ادا کرنے

(۱) انعام الباری، کتاب البیوع، ج ۶، ص ۱۲۷ تا ۱۳۰۔
(۲) انعام الباری، کتاب البیوع، ج ۶، ص ۱۳۲، ۱۳۳۔

کے وقت بھی نرم ہو۔ بیچنے کے وقت نرم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ نہ ہو کہ کسی خاص قیمت پر اڑ جائے، اور مشتری کم کرانا چاہتا ہے تو یہ بالکل کم کرنے پر تیار نہ ہو۔ اس لئے کہ بہتر یہ ہے کہ نرمی کا معاملہ کرے اور اگر کم قیمت پر بھی دینا پڑے تو دیدے۔ اور خریدنے کے وقت نرم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ نہ ہو کہ ایک ایک پیسے پر جان دے رہا ہے، بلکہ اگر تھوڑے پیسے زیادہ دینے پڑ جائیں تو دیدے۔ اور دَین کی ادائیگی میں نرم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بالکل ناپ تول کر دَین کی ادائیگی کرنے کے بجائے بہتر طور پر دَین کی ادائیگی کر دے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مؤمن کو ایسا نہ ہونا چاہئے کہ وہ ایک ایک پیسے پر جان دے، بلکہ اپنے مقابل کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے۔ چاہے بیع میں ہو یا شراء میں ہو یا دَین کی ادائیگی میں ہو۔ اور ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔

نرمی کی وجہ سے مغفرت ہوگئی

"عن جابر رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: غفر اللّٰہ الرجل کان قبلکم، کان سهلا اذا باع سهلًا اذا اشتری اقتضی." (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کی جو تم سے پہلے گزرا ہے، مغفرت کر دی۔ وہ بیع کے وقت بھی نرم تھا، شراء کے وقت بھی نرم تھا اور دَین وصول کرتے وقت بھی نرم تھا، یعنی لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا کرتا تھا۔ مثلاً کوئی شخص اس سے کوئی چیز خریدنے آتا اور وہ اس سے کہتا کہ اتنے پیسے کم کر دو، یہ کہتا: اچھا چلو کم دے دو۔ اور جب وہ کوئی چیز خریدنے جاتا اور بائع زیادہ پیسے مانگتا، تو وہ کہتا: چلو زیادہ لے لو، یا اس کا کوئی مقروض ہے تو اس سے کہتا کہ اچھا تم اتنا ادا کر دو، باقی تمہارے لئے معاف ہے۔ تو وہ اس طرح کیا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کے صلے میں اس کی مغفرت فرما دی۔

یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ آدمی کو پیسے کے معاملے میں اتنا زیادہ سخت نہ ہونا چاہئے کہ اس میں آدمی ذرا سی بات پر لڑائی کرے، بلکہ حتی الامکان اپنا حق چھوڑ دے، البتہ نا قابلِ برداشت ہو تو چھوڑنا کوئی واجب تو ہے نہیں، لیکن جب تک انسان برداشت کر سکتا ہو، اپنا حق چھوڑ دینے کو ترجیح دے، لیکن لڑائی نہ کرے۔ (۲)

حدثنا علی بن عیاش: حدثنا ابو غسان قال حدثنی محمد بن

(۱) رواہ الترمذی، کتاب البیوع، رقم الحدیث ۱۲۴۱۔

(۲) تقریر ترمذی، ج۱، ص۲۵۳، ۲۵۴۔

المکندر، عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنھما: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "رحم اللہ رجلا سمحا اذا باع، واذا اشتری، واذا اقتضی"(۱)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "رحم اللہ رجلا سمحا اذا باع، واذا اشتری، واذا اقتضی" اللہ تعالیٰ رحم فرماتے ہیں اس شخص پر جو بیچتے وقت بھی اور خریدتے وقت بھی اور اپنا حق وصول کرتے وقت بھی نرم ہو یعنی اللہ کو یہ بات پسند نہیں کہ آدمی پیسے پر جان دے۔ کوئی خریدار خریداری کے لئے آیا ہے، آپ نے اس کی قیمت بتائی اور وہ اس قیمت کو ادا کرنے کا اہل نہیں ہے تو آپ اس کے ساتھ کچھ نرمی کر دیں۔ یعنی اپنا نقصان نہ کرے لیکن اپنے منافع میں سے کچھ کم کر دیں تو یہ سمحا اذا باع ہے، یہ نہیں کہ صاحب قسم کھا کے بیٹھ گیا کہ میں تو اتنے ہی میں دوں گا چاہے کچھ ہو جائے، تو اگر حالات ایسے ہیں کہ دیکھ رہا ہے کہ یہ خریدار ضرورت مند ہے اور پیسے اس کے پاس نہیں ہیں تو اس کے لئے نرمی کا معاملہ کرو۔

واذا اشتری، اور اسی طرح چاہئے کہ خریداری کے وقت میں بھی نرم ہو۔ یعنی یہ نہیں کہ پیسے پر جان دے رہا ہو اور پیسے کم کرانے شام تک حجت بازی کر رہا ہے اور اڑا ہوا ہے کہ نہیں کم کرو ضرور کم کرو، بائع کے سر پر سوار ہو گیا تو یہ طریقہ مؤمن کا طریقہ نہیں، اگر آپ کرانا چاہتے ہو تو ایک دو مرتبہ اس سے کہہ دو کہ بھائی اگر اس میں دے سکتے ہو تو دے دو، مان لے تو ٹھیک اور نہ مانے تو بھی ٹھیک ہے۔ اگر اتنے پیسے میں دے سکتے ہو تو دے دو۔ اگر نہیں تو خریداری نہ کرو۔ اس کے اُوپر لڑائی کرنا یا مسلط ہو جانا یہ صحیح نہیں ہے۔

دکاندار سے زبردستی پیسے کم کرا کے کوئی چیز خریدنا جائز وحلال نہیں

آج کل رواج ہے کہ زبردستی پیسے کم کروائے جاتے ہیں، مثلاً فرض کریں کہ آدمی دوسرے کے سر پر سوار ہو کر اس کو بالکل ہی زچ کر دے، یہاں تک کہ اس کے پاس چارہ ہی نہ رہا تو اس نے کہا کہ چلو بھئی اس بلا کو دفع کرو چاہے پیسوں کا کچھ نقصان ہی ہو جائے، یہ کہہ کر اگر دکاندار مال دیدے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ چیز آپ کے لئے حلال بھی نہیں ہوگی، اس لئے کہ لا یحل مال امرئ مسلم الا عن طیب نفس منه، لہٰذا آپ نے تو اس سے زبردستی کم کرایا ہے، طیب نفس اس کا نہیں تھا، لہٰذا حلال

(۱) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب السهولة والسماحة فی الشراء والبیع، رقم الحدیث ۲۰۷۶۔
انعام الباری ۶/۱۲۴۔

بھی نہیں ہوگا، اس لئے کم کرانے کے لئے زیادہ اصرار کرنا اور زیادہ پیچھے پڑنا مؤمن کی شان نہیں۔ (۱)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی وصیت

امام ابوحنیفہؒ نے اپنی جو وصیت امام ابو یوسفؒ کو فرمائی اس میں ایک وصیت یہ بھی ہے کہ اور لوگوں میں تو یہ ہے کہ سمحا اذا اشتری لیکن اہلِ علم کو چاہئے کہ وہ دوسروں سے زیادہ دیں۔

یہ بھی دین کے مقاصد میں داخل ہے

فرض کریں کسی سواری کا کرایہ ہے تو دوسرے لوگ جتنے دیتے ہیں اس سے کچھ زیادہ دے دیں تا کہ ان کی قدر و منزلت دل میں قائم رہے۔ اہلِ علم کی قدر و منزلت قائم رہنا یہ بھی دین کے مقاصد میں سے ہے اور اگر تم دوسروں سے کم دو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مولوی کی شکل دیکھ کر وہ بھاگے گا کہ یہ مولوی آ گیا ہے، میرے اُوپر مصیبت بنے گا اور مجھے پیسے پورے نہیں دے گا، اس کے برخلاف دوسروں سے زائد دے دو گے تو تمہاری قدر و منزلت پیدا ہوگی۔ (۲)

یہ سب دین کی باتیں ہیں، یہ اخلاقِ نبوی ہیں جن کو حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہئے کہ اپنے عام معاملات میں آدمی نرمی کا برتاؤ کرے۔ اگر پیسے نہیں ہیں اور ضرورت کی چیز نہیں ہے تو مت خریدیں لیکن زبردستی کرنا یا لڑنا جھگڑنا یہ مؤمن کا شیوہ نہیں ہے۔

واذا اقتضی، یعنی جب اپنا حق کسی سے مانگے تو اس میں بھی نرم ہو، یعنی تمہارا حق ہے وہ مانگ رہے ہو تو جیسا ابھی عرض کیا کہ مانگو لیکن نرمی کے ساتھ۔ اگر دوسرے آدمی کو کوئی عذر ہے تو اس عذر کا لحاظ کرو اور اس کا بہترین اصول نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا کہ جب بھی کسی شخص سے معاملہ کرو تو معاملہ کرتے وقت اس کو اپنی جگہ بٹھا لو اور اپنے آپ کو اس کی جگہ بٹھا لو اور یہ سوچو کہ اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو کیا پسند کرتا تو جو معاملہ تم اپنے حق میں پسند کرتے ہو وہی معاملہ اس کے ساتھ کرو۔ "احب لاخیك ما لحب لنفسك" یہ نہیں کہ دو پیمانے بنا لیے ہیں، ایک پیمانہ اپنے لئے اور ایک پیمانہ دوسروں کے لئے بلکہ ایک ہی پیمانے سے اپنے عمل کو بھی اور دوسرے کے عمل کو بھی ناپو۔

---

(۱) ثم قالوا اسمعوا منی تعشوا الا لا تظالموا انه "لا یحل مال امرئ مسلم الا عن طیب نفس منه الخ" (جامع العلوم والحکم، ج۱، ص۲۲٤، مطبع لمعرفة، بیروت، ١٤٠٨ھ)

(۲) واذا دخلت الحمام فلا تساو الناس فی المجلس واجرة الحمام بل رجح علی ما تعطی العامة لتظهر مروتك بینهم فیعظمونك. (مجموعہ وصایا امام اعظمؒ، ص۳۹، رقم ۸۴)

یہ ایسا زرّیں اصول ہے کہ اگر آدمی اپنی زندگی میں اس کو اختیار کرے تو نہ جانے کتنی لڑائیاں، جھگڑے، طوفان اور بدتمیزیاں ختم ہو جائیں یعنی معاملات کے وقت اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو جتنا اصرار میں کر رہا ہوں اگر یہ مجھ سے اتنا اصرار کرتا تو کیا میں اس کو پسند کرتا۔ اگر نہ کرتا تو مجھے بھی اس کے ساتھ نہیں کرنا چاہئے۔ "رحم اللہ رجلا سمحا اذا باع، واذا اشتری، واذا اقتضی" کا یہی مطلب ہے۔

مؤمنوں کی تجارت، کاروبار اور ان کے معاملات غیر مسلموں سے کچھ تو ممتاز ہوں۔ پتہ چلے کہ ہاں یہ مؤمن کا کام ہے۔ یہ بھی معلوم ہو کہ میں کسی مسلمان سے معاملہ کر رہا ہوں اور مسلمان بھی اگر اہلِ علم ہو تو اس کا تو اور زیادہ بڑا مرتبہ ہے۔ اس واسطے اس کو دوسروں کی بنسبت اور زیادہ نرمی کا برتاؤ کرنا چاہئے۔ (۱)

تنگ دست کو مہلت دینے کی فضیلت

حدثنا احمد بن یونس: حدثنا زهیر: حدثنا منصور: ان ربعی بن حراش، حدثه: ان حذیفة رضی الله عنه حدثه قال: قال النبی صل الله علیه وسلم "تلقت الملائکة روح رجل ممن کان قبلکم، فقالوا: اعملت من الخیر شیئا؟ قال: کنت آمر فتیانی ان ینظروا ویتجاوزوا عن الموسر، قال: فتجاوزوا عنه"

قال ابوعبدالله: وقال ابو مالك عن ربعی: "کنت ایسر علی الموسر وانظر المعسر." وتابعه شعب عن عبدالملك عن ربعی وقال ابوعوانة، عن عبدالملك، عن ربعی: "انظر الموسر واتجاوز عن المعسر." وقال نعیم بن ابی هند، عن ربعی: "فاقبل من الموسر واتجاوز عن المعسر."(۲)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص کی روح قبض کی گئی تو اس سے

(۱) انعام الباری ۶ ص ۱۲۴ تا ۱۲۶۔

(۲) رواہ مسلم، کتاب المساقاۃ رقم ۲۹۱۷، وسنن النسائی، کتاب الجنائز رقم ۲۰۵۳، وسنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام رقم ۲۴۱۱، ومسند احمد، باقی مسند الانصار، رقم ۲۲۱۶۹، ۲۲۳۶۶، وسنن الدارمی، کتاب البیوع باب فی السماحۃ، رقم ۲۵۴۶۔

پوچھا: فقالوا اعملت من الخیر شیئا؟ یعنی اُس آدمی سے پوچھا کہ کوئی نیک کام بھی کیا ہے؟ قال تو اس نے جواب میں کہا کہ کنت آمر فتیانی ان ینظروا، یعنی ایسا لگتا ہے کہ کوئی اور کام عبادت وغیرہ کا تو نہیں تھا، میرا نیک کام یہ تھا کہ میں اپنے نوجوانوں کو حکم دیتا تھا کہ وہ لوگوں کو مہلت دیں یعنی اگر کسی کے پاس پیسے نہیں ہیں تو ان کو مہلت دے دیں، ویتجاوزوا عن الموسر، اور اگر کوئی آدمی موسر بھی ہے یعنی کھاتا پیتا آدمی ہے تو اس سے بھی چشم پوشی سے کام لیں، قال فتجاوزوا عنه تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ دوسروں سے چشم پوشی سے کام لیتا تھا تم بھی اس سے چشم پوشی سے کام لو۔

اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی بدولت ان کی بخشش فرما دی کہ وہ دوسرے آدمیوں کے ساتھ نرمی کا اور درگزر کا معاملہ کرتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معاملات کے اندر لوگوں کے ساتھ درگزر کا برتاؤ کرنا چاہئے کیونکہ بعض اوقات اللہ تبارک وتعالیٰ اسی پر بخشش فرما دیتے ہیں۔ (۱)

قرض کی ادائیگی بہتر طریقے سے کیجئے

عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رجلا تقاضی رسول الله صلی الله علیه وسلم فاغلظ له فهم به اصحابه فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: دعوه فان لصاحب الحق مقالا، وقال: اشتروا لئه بعیرا، فاعطوه ایاه، فطلبوه فلم یجدوا الا سنا افضل من سنه، فقال: اشتروه فاعطوه ایاه، فان خیرکم احسنکم قضاء."

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا دَین وصول کرنے کا تقاضہ کیا اور تقاضے کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سخت الفاظ استعمال کیے تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو تنبیہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو، کیونکہ صاحبِ حق کو کہنے کا حق حاصل ہے، اس لئے اس پر سختی مت کرو۔ پھر فرمایا کہ اس کو ایک اونٹ خرید کر دے دو۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے لئے بازار میں اُونٹ تلاش کیا تو ان کو بازار میں اس اُونٹ سے بہتر اُونٹ مل رہا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور قرض لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی بہتر اُونٹ کو خرید کر اس کو دے دو، اس لئے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرض کی ادائیگی بہتر طور پر کرے

اس حدیث میں ایک طرح تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "حسن قضاء" کی ترغیب دی۔ دوسرے یہ کہ جو شخص صاحبِ حق ہو وہ اگر کوئی سخت الفاظ بھی استعمال کرے تو مقروض کو چاہئے کہ اس کو برداشت

(۱) انعام الباری ٦/ ١٣١، ١٣٢۔

کرے اور اس کا جواب نہ دے۔

عن ابی رافع مولی رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: استسلف رسول الله صلی الله علیه وسلم بکرا، فجاء ته ابل من الصدقة، قال ابورافع فامرنی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان اقضی الرجل بکره، فقلت: لا اجد فی الابل الا جملا خیارا رباعیا، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اعطه ایاه فان خیار الناس احسنهم قضاء."

حضور اقدس ﷺ کے غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس صدقہ کے کچھ اُونٹ آئے تو آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس شخص کو اس کے قرض کا اُونٹ ادا کر دوں۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! صدقہ کے جو اُونٹ آئے ہیں، میں ان میں نہیں پاتا ہوں مگر اچھا اور چار سال کی عمر کا بڑا اُونٹ پاتا ہوں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس کو وہی اچھا اور بڑا اُونٹ دے دو۔ پس بے شک تم میں بہتر شخص وہ ہے جو قرض کی ادائیگی بہتر انداز سے کرے۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ اور ادائیگی قرض کا اہتمام

عن ابی ذر رضی الله عنه قال: کنت مع النبی صلی الله علیه وسلم فلما ابصر ـــ یعنی احدا قال: ما احب انه یحول لی ذهبا یمکث عندی منه دینار فوق ثلاث الا دینارا ارصده لدین ...... الخ (۲)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔ فلما ابصر ـــ یعنی احدًا جب آپ ﷺ نے احد کی طرف دیکھا (کسی سفر سے واپسی کی بات معلوم ہوتی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ میرے لئے اس اُحد کو سونے میں تبدیل کر دیا جائے اور اس میں سے میرے پاس ایک دینار بھی تین دن سے زیادہ باقی رہے۔ الا دینارا سوائے اس دینار کے جو میں دین کے ادائیگی کے لئے محفوظ رکھوں۔

یہ موضع ترجمہ ہے کہ دین کی ادائیگی کا اتنا اہتمام تھا کہ ویسے تو آپ ﷺ کو منظور نہیں تھا کہ آپ ﷺ کے پاس کوئی دولت رہے لیکن فرمایا کہ کسی دین کی ادائیگی کے لئے رکھوں۔ (۳)

---

(۱) تقریر ترمذی، ج ۱، ص ۲۵۲، ۲۵۳۔ انعام الباری، ج ۷، ص ۶۷۱، ۶۷۲۔

(۲) رواہ البخاری، کتاب الاستقراض واداء الدیون، باب اداء الدیون، رقم الحدیث ۲۳۸۸۔

(۳) انعام الباری ۶۶۹/۷، ۶۷۰۔

زمانۂ جاہلیت کے بازار

حدثنا علی بن عبداللّٰہ: حدثنا عمرو بن دینار عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما قال: کانت عکاظ ومجنة وذوالمجاز اسواقا فی الجاھلیة، فلما کان الاسلام تأثموا من التجارة فیھا. فانزل اللّٰہ: "لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ" فی مواسم الحج، قرأ ابن عباس کذا۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں عکاظ، مجنۃ اور ذوالمجاز کے نام سے تین بازار (میلے) لگتے تھے۔ جب اسلام آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں تنگی محسوس کرتے تھے کہ ان میلوں اور بازاروں میں جا کر تجارت کریں۔

عکاظ: جاہلیت کے زمانہ میں ماہ ذوالقعدہ کے شروع سے بیس ذوالقعدہ تک عکاظ کا میلہ لگتا تھا۔

مجنہ: بیس ذوالقعدہ سے یکم ذوالحجہ تک مجنہ کا میلہ لگتا تھا۔

ذوالمجاز: یکم ذوالحجہ سے آٹھ ذوالحجہ تک ذوالمجاز کا میلہ لگتا تھا۔

اور پھر آٹھ تاریخ کو وہ لوگ حج کرنے کے لئے منیٰ جاتے تھے، یعنی یکم ذی قعدہ سے آٹھ ذی الحجہ تک میلے لگتے تھے، اس کے بعد حج ہوتا تھا۔ (۲)

اصل میں یہ تجارت کے میلے تھے جن میں تجارت کی جاتی تھی، لیکن تجارت کے ساتھ ساتھ بہت سارے منکرات بھی ان میں شامل ہو گئے تھے۔

ان میں لہو ولعب وغیرہ اور بعض مباحات بھی تھے جیسے شعر گوئی، مشاعرے وغیرہ منعقد ہوا کرتے تھے، تقریریں ہوا کرتی تھیں، کھیل اور تفریح بھی ہوا کرتی تھی، تو یہ اس طرح کے میلے تھے۔

اسلام میں بازار کی مشروعیت

اب جب اسلام آ گیا تو یہ میلے یعنی بازار پھر بھی لگتے رہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تامل ہوا کہ جاہلیت میں لوگ یہاں پر میلے لگایا کرتے تھے اور ان میں گناہ کے کام بھی ہوا کرتے تھے اس جگہ ہم جا کر تجارت کریں، خرید و فروخت کریں، جبکہ وہی خراب جگہ ہے اور موسم بھی وہی ہے، عنقریب حج کا موسم بھی آ رہا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس تامل پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

---

(۱) رواہ البخاری کتاب البیوع، باب الاسواق التی کانت فی الجاہلیۃ، رقم الحدیث ۲۰۹۸۔

(۲) عمدۃ القاری، ج ۷، ص ۳۹۵۔

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ.(۱)

ترجمہ: تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے پروردگار کی طرف سے فضل تلاش کرو، یعنی حج کے زمانہ میں بھی تمہارے لئے تجارت کرنا جائز کر دیا گیا ہے۔

یہ تفسیری اضافہ ہے

فی مواسم الحج: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت یوں بھی ہے کہ وہ اس طرح پڑھا کرتے تھے لیس علیکم جناح فی مواسم الحج، یہ قرأۃ شاذہ ہے۔

اس قرأۃ کے بارے میں یہ بات خاص طور پر سمجھ لینی چاہئے کہ بعض دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کی تفسیر میں کوئی اضافہ کرتے تھے، وہ تفسیری اضافہ ہوتا تھا، اور بعض اوقات اس کو بھی قرأت سے تعبیر کر دیا کرتے تھے، وہ قرأت شاذ کہلاتی ہے۔ یہ تفسیری اضافہ ہے، قرآن کا حصہ نہیں ہے۔ (۲)

تجارت کے لئے بازاروں میں جانا

ارشادِ باری تعالیٰ: ''فَانۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ''(۳)

کسی کو وہم ہوسکتا ہے کہ بازار کو تو ابغض البقاع کہا گیا ہے لہٰذا بازار کا قائم کرنا ہی جائز نہیں ہونا چاہئے۔ یہ وہم کئی احادیث مبارکہ سے دور ہو جاتا ہے جن میں بازار کی مشروعیت کا ثبوت موجود ہے۔

چنانچہ امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کر کے ان احادیث کو ذکر فرمایا ہے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بازار میں کوئی غیر مشروع کام نہ ہو تو تجارت کا بازار بھی اسلام کی نظر میں مشروع، جائز اور حلال ہے۔ (۴)

وقال عبدالرحمن بن عوف: لما قدمنا المدينة، قلت: هل من سوق فيه تجارة؟ فقال: سوق قينقاع. وقال انس: قال عبدالرحمٰن: دلوني على السوق وقال عمر: الهاني الصفق بالاسواق.

وقال عبدالرحمن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا تھا مجھے راستہ بتاؤ، یہ اس وقت کہا تھا جب ان کے انصاری بھائی نے مواخات کر کے کہا تھا کہ تقسیم کرلو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ مجھے

---

(۱) البقرۃ:۱۹۸۔ (۲) انعام الباری ۶/۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰۔ (۳) الجمعۃ:۱۰۔

(۴) انعام الباری ۶/۲۲۸ (مع التغيير من المرتب)

بازار میں سودوں نے غافل کر دیا۔ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ اس وقت کہا تھا جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ والی حدیث نہیں پہنچی تھی۔ (۱)

حدثنا ابراهيم بن المنذر: حدثنا ابوضمرة: حدثنا موسى بن عقبة، عن نافع: حدثنا ابن عمر: انهم كانوا يشترون الطعام من الركبان على عهد النبى صلى الله عليه وسلم فيبعث عليهم من يمنعهم ان يبيعوه حيث اشتروه حتى ينقلوه حيث يباع الطعام.

قال: وحدثنا ابن عمر رضى الله عنهما قال: نهى النبى صلى الله عليه وسلم ان يباع الطعام اذا اشتراه حتى يستوفيه. (۲)

امام بخاریؒ کا ان احادیث کو ذکر کرنے کا منشاء صرف اتنا ہے کہ حيث يباع الطعام یعنی جہاں کھانا بکتا ہے۔ مراد بازار ہے، اس میں چونکہ بازار کا ذکر ہے اور اسی سے بازار کی مشروعیت معلوم ہوتی ہے۔ (۳)

حکمرانوں کے لئے اہم سبق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ گورنر بنا دیا گیا، (مروان اپنے زمانے میں کہیں گئے تھے تو ان کی جگہ گورنر بنا دیا گیا) جب یہ گورنر بنے تو بیت المال سے پیسے نہیں لیتے تھے اور جو مزدوری وغیرہ پہلے کیا کرتے تھے وہ اب بھی جاری رکھی۔ عین اس زمانے میں جب کہ گورنر تھے اپنی پشت کے اُوپر لکڑیوں کا گٹھڑ الاد کر بازار کے بیچ میں سے جو شارع عام تھی گزرتے تھے اور پھر یہی نہیں کہ ویسے ہی گزر جائیں، بلکہ کہتے جاتے تھے کہ ہٹو ــــ امیر المومنین آرہے ہیں، امیر المومنین آرہے ہیں۔ گٹھڑا لادا ہوا ہے اور یہ کہتے ہوئے گزر رہے ہیں۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے تعلیم دی کہ آدمی کے لئے گٹھڑ الاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا کوئی بے عزتی کی بات نہیں بلکہ بے عزتی کی بات یہ ہے کہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرے ــــ لہٰذا اس سے بچنا چاہئے۔ (۴)

---

(۱) انعام الباری ۶/ ۲۲۸، ۲۲۹۔

(۲) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب ما ذکر فی الاسواق، رقم الحدیث ۲۱۲۳، ۲۱۲۴۔

(۳) انعام الباری ۶/ ۲۳۲۔

(۴) انعام الباری ۶/ ۱۲۲ تا ۱۲۴۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تجارت

حدثني اسماعيل بن عبدالله حدثني علي بن وهب، عن ابن شهاب قال: اخبرني عروة بن الزبير ان عائشة رضى الله عنها قالت: لما استخلف ابوبكر الصديق قال: لقد علم قومي ان حرفتي لم تكن تعجز عن مؤونة اهلي وشغلت بأمر المسلمين، فسيأكل آل ابي بكر من هذا المال واحترف للمسلمين فيه.(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے فرمایا: میری قوم کو علم ہے کہ میرا جو پیشہ (کاروبار) تھا وہ ناکافی نہیں تھا یعنی میں اپنے گھر والوں کی ذمہ داری اٹھانے سے عاجز نہیں تھا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے تجارت کیا کرتے تھے اور تجارت میں اتنا منافع ہو جاتا تھا کہ ان کے گھر کا کاروبار آرام سے چل جاتا تھا، تو اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ میرا پیشہ اس بات سے عاجز نہیں تھا کہ میرے گھر والوں کی ذمہ داری اٹھائے۔

مؤونۃ کے معنی ذمہ داری کے ہیں تو میں پہلے تجارت کیا کرتا تھا، اس سے گھر والوں کا خرچ چلاتا تھا۔

وشغلت بأمر المسلمين، اور اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں، یعنی خلافت کے کام میں تو اب وہ تجارت نہیں کر سکتا جس سے اپنے گھر والوں کا خرچ چلاؤں۔

فسيأكل آل ابي بكر من هذا المال، لہٰذا اب ابوبکر کے گھر والے اسی مال سے یعنی بیت المال ہی سے کھائیں گے۔(۲)

حضرات مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کا اپنے عمل سے روزی کمانا

عن ابي هريرة رضى الله عنه: ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يوما يحدث، وعنده رجل من اهل البادية "ان رجلا من اهل الجنة استأذن ربه في الزرع فقال له: الست فيما شئت؟ قال: بلى ولكن احب ان

(۱) رواہ البخاری، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ، رقم ۲۰۷۰۔

(۲) انعام الباری ۶/۱۲۰، ۱۲۱۔

ازرع. قال: فبذر فبادر الطرف نباته واستواؤه واستحصاده فكان امثال الجبال، فيقول الله تعالٰى: دونك يا ابن آدم فانه لا يشبعك شيء." فقال الاعرابى: والله لا نجده الا قرشيا او انصاريا فانهم اصحاب زرع، واما نحن فلسنا باصحاب زرع، فضحك النبى صلى الله عليه وسلم. (۱)

نبی کریم ﷺ کے پاس ایک دیہاتی شخص تھا اور آپ ﷺ یہ حدیث بیان فرمارہے تھے کہ ''جنت کے لوگوں میں سے ایک آدمی اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرے گا کہ میں جنت میں کھیتی کرنا چاہتا ہوں، تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے یہ جو ساری نعمتیں ملی ہوئی ہیں کیا یہ تمہیں حاصل نہیں؟ وہ کہے گا کہ سب کچھ حاصل ہے لیکن دل چاہ رہا ہے کہ کھیتی کروں، چنانچہ وہ کھیتی کرنے کے لئے بیج ڈالے گا تو وہ کھیتی اس کے پلک جھپکنے سے بھی پہلے اُگ آئے گی، اور ایک لمحہ میں سیدھی ہو کر اس کے کاٹنے کا وقت آجائے گا، اور پہاڑوں کی مانند اس کی پیداوار ہوگی۔ باری تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے ابن آدم! یہ لو تمہارا پیٹ کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ "فقال الاعرابى الخ" اس دیہاتی نے کہا جو نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ یہ کھیتی مانگنے والا کوئی قریشی یا انصار ہوگا، اس واسطے کہ کھیتی کرنا انہی کا کام ہے۔ ہم لوگ کھیتی والے نہیں ہیں اس لئے ہم وہاں یہ خواہش نہیں کریں گے۔ نبی کریم ﷺ اس کی بات سن کر ہنس دیئے۔ (۲)

ان اباهريرة رضى الله عنه قال: انكم تقولون: ان اباهريرة يكثر الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، وتقولون: ما بال المهاجرين والانصار لا يحدثون عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بمثل حديث ابى هريرة؟ وان اخوتى من المهاجرين كان يشغلهم الصفق بالاسواق وكنت الزم رسول الله صلى الله عليه وسلم على ملء بطنى، فاشهد اذا غابوا، واحفظ اذا نسو. وكان يشغل اخوتى من الانصار عمل اموالهم و كنت امرء الله مسكينا من مساكين الصفة، اعى حين ينسون... الخ (۳)

"انكم تقولون: ان اباهريرة يكثر الحديث عن رسول الله صلى الله على وسلم" لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہت حدیثیں سناتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے، وتقولون: ما بال

---

(۱) رواہ البخاری، کتاب الحرث والمزارعۃ، باب نمبر ۲۰، رقم ۲۳۴۸۔

(۲) انعام الباری ۶/۵۸۹۔

(۳) رواہ البخاری کتاب البیوع، رقم الحدیث ۲۰۴۷۔

المهاجرين والانصار لا يحدثون عن رسول الله ﷺ بمثل حديث ابی هريرة. مہاجرین و انصار اور دوسرے صحابہ ہیں وہ تو اتنی حدیثیں نہیں سناتے جتنے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سناتے ہیں۔

وان اخوتی من المهاجرين كان يشغلهم الصفق بالاسواق، وكنت الزم رسول الله ﷺ على ملء بطنی.

میرے جو مہاجر بھائی ہیں ان کو بازاروں میں معاملات نے مشغول کیا ہوا تھا۔ وہ تجارت میں لگے ہوئے تھے اور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چمٹا رہتا تھا، علی ملء بطنی، پیٹ بھرنے پر یعنی جب بھوک رفع ہو جائے، میری اور کوئی ضرورت نہیں تھی، مجھے کوئی فکر نہ تھی، میرا سارا وقت حضور اقدس ﷺ کے پاس گزرتا تھا۔

فاشهد اذا غابوا، واحفظ اذا نسوا. وكان يشغل اخوتی من الانصار عمل اموالهم.

تو میں حاضر رہتا تھا جب وہ حضرات چلے جاتے تھے اور میں یاد کر لیتا تھا وہ باتیں جب وہ بھول جاتے تھے اور انصاری بھائیوں کو ان کے اموال پر ان کے عمل نے مشغول کیا ہوا تھا، یعنی وہ زمینوں پر کاشتکاری کا کام کیا کرتے تھے تو وہاں زراعت میں مشغول تھے اور میرے مہاجر بھائی تجارت میں زیادہ مشغول تھے۔

وكنت امرء الله مسكينا من مساكين الصفة، اعی حين ينسون.

میں تو ایک مسکین آدمی تھا صفہ کے مساکین میں سے، میں یاد کرتا تھا جب کہ وہ بھول جاتے تھے، اس واسطے مجھے ان کے مقابلے میں حدیثیں زیادہ یاد رہ گئیں۔ (۱)

بازار میں خرید و فروخت کرنا آنحضرت ﷺ کی سنت ہے

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات مہاجرین بازاروں میں سودے کرتے تھے، اس نے ان کو مشغول کیا ہوا تھا۔ تو اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ بازاروں میں سودے کرنا کوئی بُری بات نہیں جو اکابرین مہاجرین صحابہ ہیں اس کام میں مشغول تھے۔ تو معلوم ہوا کہ بذاتِ خود یہ کوئی بُری بات نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے کہ آپ ﷺ نے بھی تجارت فرمائی تو اس واسطے بُری بات نہیں بلکہ عین مطلوب ہے کہ آدمی رزقِ حلال کے طلب میں تجارت کرے یا زراعت کرے۔ اس کی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔ (۲)

---

(۲) انعام الباری ۶/۷۵، ۷۶۔ (۲) انعام الباری ۶/۷۷۔

حدثنا عبدالعزیز بن عبداللّٰه: حدثنا ابراهیم بن سعد، عن ابیه عن جده، قال: قال عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللّٰه عنه: لما قدمنا المدینة آخی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بینی وبین سعد بن الربیع، فقال سعد بن الربیع: انی اکثر الانصار مالا فاقسم لك نصف مالی، وانظر ای زوجتی هایت نزلت لك عنها، فاذا حلت تزوجتها. قال: فقال له عبدالرحمٰن: لا حاجة لی فی ذلك، هل من سوق فیه تجارة؟ قال: سوق قینقاع. قال: فغدا الیه عبدالرحمٰن فاتی بأقط وسمن، قال: ثم تابع الغدو فاما لبث ان جاء عبدالرحمٰن علیه اثر صفرة. فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم تزوجت؟ قال: نعم، قال: ومن؟ قال: امرأة من الانصار. قال: کم سقت؟ قال: زنة نواة من ذهب او نواة من ذهب. فقال له النبی صل اللّٰه علیه وسلم اولم ولو بشاة. (۱)

یہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات قائم فرمائی، یہ انصاری صحابی تھے۔

"فقال سعد بن الربیع: انی اکثر الانصار مالا"

انہوں نے مجھ سے کہا کہ میرے پاس انصار میں سب سے زیادہ مال ہے۔ پھر بولے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں میرا بھائی قرار دیا ہے تو ایسا کرتے ہیں میرا مال تقسیم کرتے ہیں کہ آدھا تمہارا اور آدھا میرا۔ اور میری دو بیویاں ہیں، ان میں سے جو تمہیں پسند ہو تو میں اس کے بارے میں تمہارے حق سے دستبردار ہو جاتا ہوں، یعنی میں اس کو طلاق دے دوں گا، یعنی جب وہ حلال ہو جائے تو تم اس سے نکاح کر لینا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تقسیم کی کوئی ضرورت نہیں۔

"هل من سوق فیه تجارة. قال: سوق قینقاع."

فرمایا کہ یہاں کوئی بازار ہے جس میں تجارت ہوتی ہے؟ کہا کہ یہاں قینقاع کا بازار ہے۔

اصل میں قینقاع یہودیوں کا قبیلہ تھا، تجارت وغیرہ پر یہودی ہمیشہ قابض رہے، تو اس لئے وہ بازار بھی ان کی طرف منسوب تھا۔

"فغدا الیه عبدالرحمٰن فاتی باقط وسمن، قال: ثم تابع الغدو فما لبث ان جاء عبدالرحمٰن علی اثر صفرة."

---

(۱) رواہ البخاری، کتاب البیوع، رقم ۲۰۴۸۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بازار میں گئے اور وہاں سے پنیر اور گھی لے کر آئے اور پھر روزانہ صبح کو جاتے رہے۔ ابھی تھوڑا عرصہ نہیں گزرا دیکھا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں اور ان کے کپڑوں پہ کوئی زردی کا نشان ہے یعنی خوشبو لگائی ہوگی اس کا نشان ہے۔ کیونکہ اس قسم کا نشان نئے شادی شدہ آدمی کے کپڑوں پر ہوا کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم نے نکاح کیا ہے؟ اُنہوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کتنے مہر پر؟ کہا کہ ایک کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ولیمہ کرو چاہے ایک بکری کا کیوں نہ ہو۔ (۱)

مقتداء کا ضرورت کی اشیاء خود خریدنا

وقال ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما: اشتری النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم جملا من عمر، واشتری ابن عمر بنفسہ. وقال عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللّٰہ عنھما: جاء مشرك بغنم فاشتری النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم منہ شاۃ، واشتری من جابر بعیرا. (۲)

امامِ اُمت چاہے وہ رئیسِ حکومت ہو، امیرِ حکومت ہو یا اس کی دینی حیثیت سے لوگ اس کو مقتداء سمجھیں اور اپنی حاجات کو خود خریدیں تو اس میں کوئی بے عزتی کی بات نہیں اور اگر فروخت کریں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور قرآن کریم سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ مالھذا الرسول یأکل الطعام ویمشی بالاسواقِ، یعنی کفار کی طرف سے اعتراض کیا گیا تھا کہ یہ بازاروں میں چلتے ہیں لیکن اس اعتراض کو ردّ کیا گیا، معلوم ہوا کہ مقتداء چاہے وہ دینی ہو یا سیاسی ہو اس کے لئے خود بازار میں خرید و فروخت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

آگے جو آثار نقل کیے ہیں ان میں بھی یہی بات بیان کی ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک اُونٹ خریدا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خود بھی خریداری کی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دینی مقتدا بھی تھے اور امیر بھی تھے تو اس سے دونوں باتیں ثابت ہوئیں کہ سیاسی مقتداء ہو یا دینی مقتداء ہو دونوں کے لئے خریداری کرنا درست ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دینی مقتداء تھے اور اُنہوں نے خود خریدا۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک مشرک ایک مرتبہ کچھ بکریاں لے کر آیا تو نبی کریم

(۱) انعام البخاری ۶/۷۸، ۷۹۔ (۲) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب شراء الامام الحوائج بنفسہ۔

ﷺ نے اس سے ایک بکری خریدی اور آپ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی ایک اُونٹ خریدا تھا جیسا کہ آگے روایت میں آرہا ہے۔

مقتداء ورہنما کے لئے طرزِ عمل

ان تمام روایتوں کو یہاں لانے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ شریعت کا مزاج ہے کہ مقتداء کو اس طرح نہیں رہنا چاہئے کہ عام لوگوں سے اپنے آپ کو ممتاز کر کے رکھیں بلکہ لوگوں میں گھلا ملا رہنا چاہئے۔ یہ جو ہمارے ہاں پیری کا ایک تصور ہوگیا ہے کہ پیر صاحب مافوق الفطرت کوئی چیز ہے، اس کی وجہ سے بازار میں خریداری کرنا اس کے لئے عار ہے۔ ان کے لئے خادم ہیں وہ ہر کام انجام دیتے ہیں اور خود کبھی ضرورت پیش آجائے تو اس کو عیب سمجھتے ہیں تو یہ بات سنت کے خلاف ہے۔ مقتداء جیسا بھی ہو، شیخ ہو، استاد ہو، اس کو عام لوگوں میں گھلا ملا رہنا چاہئے۔

حضور اکرم ﷺ جب مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو بعض اوقات آنے والے کو پوچھنا پڑتا تھا کہ کون نبی کریم ﷺ ہیں۔ کوئی آپ ﷺ کی امتیازی خاصیات نہیں ہوتی تھیں۔

دوسرے یہ ہے کہ مجلس میں آپ ﷺ تشریف فرما ہوں تو آپ ﷺ کی زیارت کریں اس واسطے ایک چھوٹی سی چوکی وغیرہ بنا دی گئی تھی جس پر آپ ﷺ بعد میں تشریف فرما ہونے لگے ورنہ عام مجلس اس طرح ہوتی تھی کہ کوئی امتیاز ہی نہیں ہوتا تھا۔

سنت کا طریقہ یہ ہے اور اسی میں خیر ہے اور جو امتیازی شان بنانے کا معاملہ ہے وہ سنت کے بھی خلاف ہے اور اس میں بہت سے وساوسِ نفس کارفرما ہوجاتے ہیں اور اس کی وجہ سے آدمی عجب اور تکبر میں مبتلا ہوجاتا ہے، اللہ محفوظ رکھے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اس وجہ سے خاص طور پر حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے سلسلہ میں فرماتے تھے کہ اس سلسلے میں سادگی کا خاص اہتمام ملحوظ ہے اور فرماتے تھے کہ جس شخص کے اندر تعلّی ہو یا دوسروں سے اپنے آپ کو ممتاز بنا کے اپنی امتیازی شان بنائے۔ یعنی حضرت حاجیؒ کے سلسلہ سے وابستگی ہو تو یہ کام اس کے اندر کبھی نہیں ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو ایسا بنائے۔ (۱)

خلیفۂ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تجارت کرنا

حدثنی محمد: اخبرنا مخلد بن یزید: اخبرنا ابن جریج، قال: اخبرنی

(۱) انعام الباری ۶/۱۹۰، ۱۹۱۔

عطاء، عن عبید بن عمیر: ان اباموسی الاشعری استأذن علی عمر رضی اللّٰہ عنه فلم یؤذن له، وکأنه کان مشغولا. فرجع ابوموسی ففرغ عمر فقال: الم اسمع صوت عبداللّٰہ بن قیس؟ ائذنوا له. قیل: قد رجع، فدعاه فقال: کنا نؤمر، بذٰلك، فقال: تأتینی علی ذلك بالبینة. فانطلق الی مجالس الانصار فسألهم فقالوا: لا یشهد لك علی هذا الا اصغرنا ابوسعید الخدری. فذهب بأبی سعید الخدری، فقال عمر: اخفی علی هذا من امر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم؟ الهانی الصفق بالاسواق. یعنی الخروج الی التجارة. (۱)

عبید بن عمیرؒ

حضرت عبید بن عمیرؒ تابعین میں سے ہیں۔ ان کو قاصّ اہل مکہ کہا جاتا ہے یعنی یہ اہلِ مکہ کے قاصّ یعنی واعظ تھے۔

حدیث کا مطلب

کہتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر جا کر ان سے اجازت طلب کی تو اُن کو اجازت نہیں دی گئی یعنی کوئی جواب اندر سے نہیں آیا اور غالباً ایسا لگتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کام میں مشغول تھے، اس واسطے اُنہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے استئذان کا جواب نہیں دیا تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ لوٹ کے آ گئے۔

مسنون طریقہ یہی ہے کہ تین مرتبہ استئذان (اجازت طلب) کرے، اگر اس میں جواب آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ واپس چلا جائے۔

تھوڑی دیر بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر آئے اور کہا کہ میں نے عبداللہ بن قیس کی آواز نہیں سنی تھی؟ یعنی تھوڑی دیر پہلے عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) کی آواز آئی تھی، وہ اجازت مانگ رہے تھے۔ لوگوں سے کہا کہ ان کو بلالو یعنی آنے کی اجازت دے دو۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ تو واپس چلے

---

(۱) رواہ البخاری کتاب البیوع، باب الخروج فی التجارۃ، رقم الحدیث ۲۰۶۲، وفی صحیح مسلم، کتاب الآداب، رقم ۴۰۱۰، وسنن ابی داؤد، کتاب الادب، ۴۵۱۰، ومسند احمد اول مسند الکوفیین، رقم ۱۸۶۸۹، ۱۸۷۶۰، وموطأ مالک، کتاب الجامع، رقم ۱۵۲۰۔

گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پوچھا کہ واپس کیوں چلے گئے تھے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اظہارِ حسرت

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمیں اسی کا حکم دیا جاتا تھا یعنی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہی حکم دیا ہے کہ جا کر پہلے استئذان کرو (یعنی اجازت طلب کرو۔ م)۔ اگر تین مرتبہ استئذان کرنے کے باوجود جواب نہ آئے تو پھر واپس چلے جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ جو حدیث آپ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر رہے ہیں اس پر بینہ (دلیل) پیش کرو، یعنی گواہ لاؤ۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ انصار کی ایک مجلس میں چلے گئے اور ان سے کہا کہ میرے ساتھ یہ قصہ ہوگیا، (یعنی میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ اس واسطے میں واپس چلا گیا تھا تو اُنہوں نے کہا کہ بینہ لے کر آؤ ورنہ میں نہیں چھوڑوں گا)۔

انصار نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مشہور ومعروف ہے، آپ کے لئے اس معاملے میں ہم میں جو سب سے کمسن ہیں یعنی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ وہ جا کے گواہی دے دیں گے۔ (تاکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلے کہ اتنے چھوٹے بچے بھی اس حدیث سے واقف ہیں)۔ چنانچہ وہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو لے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میرے اُوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم مخفی رہ گیا، یعنی اپنے اُوپر افسوس کے طور پر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم مخفی رہ گیا، مجھے بازاروں کے اندر سودا کرنے نے غافل کر دیا یعنی میں بازار کے اندر تجارت کرنے میں مشغول رہا اور اس کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سننے سے محروم رہا۔ میں چونکہ تجارت کے لئے نکل کے چلا جایا کرتا تھا، کبھی کہیں، کبھی کہیں تو بہت سی باتیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری غیر موجودگی میں فرمائیں وہ مجھے نہیں پہنچ سکیں، میرے علم میں نہیں آسکیں تو اس پر اُنہیں افسوس ہوا، اور افسوس کا اظہار کیا کہ میں اس حدیث کے سننے سے محروم رہا۔

الغرض اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گھر سے نکل کر تجارت کیا کرتے تھے۔ (۱)

تجارت کے لئے سمندر میں سفر کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

(۱) انعام الباری ۶/۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴۔

"وتری الفلك مواخر فيه لتبتغوا من فضله"(۱)

(ترجمہ): ''اور تو جہازوں کو دیکھتا ہے کہ اس میں پانی کو پھاڑتے جاتے ہیں تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔''

مطر وراقؒ کہتے ہیں کہ سمندر میں تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں اس کا ذکر نہیں کیا مگر مطر وراق نے اس طرح استدلال کیا کہ قرآن کریم میں تجارت فی البحر کا ذکر ہے تو اس کے ذکر کو ناحق قرار نہیں دیا گیا بلکہ حق قرار دیا گیا ہے اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

"وترى الفلك مواخر فيه ولتبتغوا من فضله"

تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں سمندر میں چلتی ہیں تا کہ اللہ کا فضل تلاش کرو ــــ اور اللہ کے فضل تلاش کرنے سے مراد تجارت ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کشتیوں کے ذریعے تجارت کرنے کا ذکر فرمایا۔

یہ جو فرمایا گیا کہ "ترى الفلك فيه مواخر" اس سے مراد بڑی کشتیاں ہیں، کیونکہ بڑی کشتیاں عام طور پر تجارت کے لئے استعمال ہوتی ہیں، اس لئے کہ ان میں ساز وسامان لاد کر لے جایا جاتا ہے، محض ویسے ہی سفر کرنے کے لئے بڑی کشتی استعمال نہیں کرتے تھے کیونکہ اوّل تو سمندر کا سفر محض سفر کی خاطر کب تھا؟ زیادہ تر تجارت کی غرض سے تھا، اور اگر مچھلیاں پکڑنے کے لئے ہے تو وہ زیادہ تر ساحل کے آس پاس چھوٹی کشتیوں پر بیٹھ گئے اور اس کو چلا دیا، تو بڑی کشتیوں کا استعمال تجارت ہی کی غرض سے ہوتا تھا، اس واسطے وہ کہتے ہیں کہ اس سے تجارت فی البحر کا جواز معلوم ہوتا ہے۔(۲)

بغرض تجارت سمندری سفر پر حضور ﷺ کا نکیر نہ فرمانا

وقال الليث حدثني جعفر بن ربيعة، عن عبدالرحمٰن بن هومز، عن ابى هريرة رضى الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: انه ذكر رجلا من بنى اسرائيل خرج فى البحر فقضى حاجته. وساق الحديث.

حدثنى عبدالله بن صالح: حدثنى الليث به.(۳)

امام بخاریؒ نے اس حدیث کو تعلیقاً نقل کیا ہے اور بہت سی جگہوں پر موصولاً بھی روایت کیا

(۱) فاطر:۱۲۔　(۲) انعام الباری ۶/۱۰۷، ۱۰۸۔

(۳) رواہ البخاری کتاب البیوع، باب التجارۃ فی البحر، رقم الحدیث ۲۰۶۳۔

ہے۔ یہ کافی لمبی حدیث ہے۔ امام بخاریؒ نے صرف متعلقہ حصہ بیان کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا ذکر کیا کہ وہ سمندر میں سفر کر کے تجارت کے لئے گیا تھا فقضی حاجته، اور پھر تجارت کی تھی۔

یہاں حدیث کے اس حصہ کو بیان کرنے سے مقصود صرف اتنا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا ذکر کیا جس نے سمندر میں تجارت کی تھی، تو حضور اکرم ﷺ نے اس کی تقریر فرمائی نکیر نہیں فرمائی، لہٰذا معلوم ہوا کہ سمندر میں تجارت جائز ہے۔ (۱)

مسجد میں خرید و فروخت کرنے کا حکم

عن ابی هريرة رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اذا رايتم من يبيع او يبتاع فى المسجد فقولوا: لا اربح الله تجارتك، واذا رايتم من ينشد فيه ضالة فقولوا: لا رد الله عليك. (۲)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد میں کوئی چیز فروخت کر رہا ہے، یا خرید رہا ہے تو تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تجارت میں نفع نہ دے۔ اور جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کر رہا ہے تو یہ اس سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری گم شدہ چیز تمہیں واپس نہ لوٹائے۔

حنفیہؒ کا مسلک یہی ہے کہ مسجد میں سامان لا کر خرید و فروخت کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر سامانِ تجارت تو مسجد میں نہیں ہے، مسجد میں صرف ایجاب و قبول کر لیا تو اس کی گنجائش ہے۔ (۳)

مختلف پیشوں کا شرعی حکم

لوہار کا پیشہ

وقال طاؤس عن ابن عباس رضى الله عنهما: قال النبى صلى الله عليه وسلم: "لا يختلى خلاها." وقال العباس: الا الإذخر، فانه لقينهم وبيوتهم. فقال: "الا الإذخر. (۴)

---

(۱) انعام الباری ۱۰۸/۶، ۱۰۹۔
(۲) رواه الترمذی، کتاب البیوع، باب النهی عن البیع فی المسجد۔
(۳) تقریر ترمذی ۲۵۴/۱۔
(۴) بخاری، کتاب البیوع، باب ما قیل فی الصواغ۔

وہ شخص جو لوہے، پیتل یا سونا چاندی کو ڈھال کر کوئی چیز بنائے، ایک طرح سے یہ سمجھ لیں کہ لوہار بھی صائغ ہے اور سونا چاندی کے ڈھالنے والوں کو بھی صائغ کہتے ہیں۔ تو بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ صواغ بھی حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں موجود تھے۔

فرمایا کہ طاؤس نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حدودِ حرم کی خضراء گھاس کے بارے میں فرمایا کہ حدودِ حرم میں جو گھاس خود اُگ آئی ہے اس کو اُکھاڑنا جائز نہیں۔ یعنی حدودِ حرم کے علاقے کی گھاس کو نہ اُکھاڑا جائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہما جو آپ ﷺ کے چچا تھے اُنہوں نے درخواست فرمائی کہ اذخر گھاس کو اُکھاڑنے کی اجازت فرما دی جائے کیونکہ لوہاروں کے لئے اور گھروں کے استعمال کے لئے اس کی ضرورت ہوتی ہے، اگر اس کی ممانعت کر دی گئی تو لوگوں کو تنگی پیش آجائے گی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: الا الاذخر (یعنی اذخر گھاس اُکھاڑنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔م) تو اس میں لوہار کی طرف اشارہ تھا۔

حدثنا عبدان: خبرنا عبدالله: اخبرنا يونس، عن ابن شهاب قال: اخبرني على بن حسين ان حسين بن على رضى الله عنهما اخبره: ان عليا قال: كانت لى شارف من نصيبي من المغنم، وكان النبي صلى الله عليه وسلم اعطاني شارفا من الخمس، فلما اردت ان ابتني بفاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم واعدت رجلا صواغا من بني قينقاع ان يرتحل معي فنأتي باذخر اردت ان ابيعه من الصواغين واستعين به في وليمة عرسي. (۱)

اصل میں یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث اختصار کے ساتھ ذکر کر دی ہے جو دوسری جگہ تفصیل سے آئے گی۔ یہاں وہ فرماتے ہیں کہ میری ایک اُونٹنی تھی جو مجھے مالِ غنیمت کے حصہ سے ملی تھی یعنی نبی کریم ﷺ نے مجھے خمس سے ایک اُونٹنی دی تھی۔ جب میرا فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رخصتی کا ارادہ ہوا تو میں نے ایک صواغ کو جس کا بنی قینقاع سے تعلق تھا تیار کیا کہ وہ میرے ساتھ چلے تاکہ اذخر لے آئیں اور میرا ارادہ تھا کہ وہ اذخر صواغین کو بیچوں گا اور جو پیسے حاصل ہوں گے ان سے اپنے نکاح کے ولیمہ میں مدد لوں گا۔ بعد میں کیا ہوا؟ یہاں یہ مذکور نہیں ہے۔ یہاں مقصود صرف اتنا ہے کہ صواغین

---

(۱) بخاری، کتاب البیوع، باب ما قیل فی الصواغ، رقم ۲۰۸۹، وفی صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، رقم ۳۶۶۰، وسنن ابی داؤد، کتاب الخراج ولا مارۃ والفئی، رقم ۲۵۹۳، ومسند احمد، مسند العشرۃ المبشرین بالجنۃ، رقم ۱۱۳۹۔

وہاں پر موجود تھے۔

حدثنا اسحاق: ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: "ان اللّٰہ حرم مکۃ ولم تحل لاحد قبلی ولا لاحد بعدی، وانما احلت لی ساعۃ من نھار لا یختلی خلاھا، ولا یعضد شجرھا، ولا ینفر صیدھا، ولا یلتقط لقطتھا الا لمعروف۔" وقال عباس بن عبدالمطلب: الا الاذخر لصاغتنا ولسقف بیوتنا، فقال: "الا الاذخر۔" فقال عکرمۃ: ھل تدری ما "ینفر صیدھا؟" ھو ان تنحیہ من الظل وتنزل مکانہ. قال عبدالوھاب، عن خالد: "لصاغتنا وقبورنا۔"(۱)

یہ حدیث تعلیقاً آئی تھی، اسی کو دوبارہ مسنداً ذکر کر دیا ہے۔ اس حدیث کے آخر میں یہ ہے کہ عکرمہ نے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ نے حرم کے بارے میں جو فرمایا تھا کہ اس کے شکار کو بھگایا نہ جائے تو خود تفسیر کی کہ اس کو اس کی جگہ میں سے ہٹا دو اور پھر خود اس کی جگہ میں بیٹھ جاؤ۔ یعنی جانور سائے میں بیٹھا ہے، اس کو اس کی جگہ سے بھگا دیا اور خود وہاں بیٹھ گئے تو حرم میں یہ کام کرنا بھی جائز نہیں۔(۲)

حدثنی محمد بن بشار: حدثنا ابن ابی عدی، عن شعبۃ، عن سلیمان، عن ابی الضحی عن مسروق، عن خباب قال: کنت قینا فی الجاھلیۃ وکان لی علی العاص ابن وائل دین فأتیۃ اتقاضاہ، قال: لا اعطیك حتی تکفر بمحمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقلت: لا اکفر حتی یمیتك اللّٰہ ثم تبعث. قال: دعنی اموت وابعث فساوتی مالا وولدا فاقضیك فنزلت: "اَفَرَاَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَھْدًا۔(۳)

حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایامِ جاہلیت میں لوہار تھا یعنی لوہار کا کام کیا کرتا تھا اور میرا عاص بن وائل پر کچھ دین تھا اور عاص بن وائل مشرکین میں سے تھا۔ میں اس کے پاس تقاضا

---

(۱) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب ما قیل فی الصواغ، رقم ۲۰۹۰۔

(۲) انعام الباری ۶/۱۷۲ تا ۱۷۴۔

(۳) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب ذکر القین والحداد، رقم ۲۰۹۱، وفی صحیح مسلم، کتاب القیامۃ والجنۃ والنار، رقم ۵۰۰۳، وسنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ، رقم ۳۰۸۶، ومسند احمد اوّل مسند البصریین، رقم ۲۰۱۵۶، ۲۰۱۶۳۔

کرنے کے لئے گیا کہ میرا پیسہ دے دو۔ اس نے کہا کہ میں اس وقت تک قرضہ نہیں دوں گا جب تک تم محمد ﷺ کی رسالت کا انکار نہیں کرو گے۔ میں نے کہا کہ میں حضور ﷺ کا انکار نہیں کروں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے موت دے دیں پھر دوبارہ زندہ کریں۔

یہ تعلیق بالمحال ہے، مقصد یہ نہیں کہ بعد میں کفر کرلوں گا بلکہ مقصد یہ ہے کہ کبھی نہیں کروں گا۔ تو اس نے مذاق اُڑایا اور کہا کہ مجھے مرنے دو اور دوبارہ زندہ ہونے دو اور جب دوبارہ زندہ ہوں گا تو مجھے بہت مال اور اولاد دی جائے گی، تو تیرا قرضہ ادا کروں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

”اَفَرَاَیۡتَ الَّذِیۡ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَقَالَ لَاُوۡتَیَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا اَطَّلَعَ الۡغَیۡبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا.(۱)

ترجمہ: ”بھلا تو نے دیکھا اس کو جو منکر ہو ہماری آیتوں سے اور کہا کہ مجھ کو مل کر رہے گا مال اور اولاد۔ کیا جھانک آیا ہے غیب کو، یا لے رکھا ہے رحمان سے عہد۔“(۲)

درزی کا پیشہ

حدثنا عبدالله بن یوسف: اخبرنا مالك، عن اسحاق بن عبدالله بن یوسف: اخبرنا مالك، عن اسحاق بن عبدالله بن ابی طلحة: انه سمع انس بن مالك رضی الله عنه یقول: ان خیاطا دعا رسول الله صلی الله علیه وسلم لطعام صنع، قال انس بن مالك رضی الله عنه: فذهبت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم الی ذلك الطعام، فقرب الی رسول الله صلی الله علیه وسلم خبزا ومرقا فیه دباء وقدید، فرأیت النبی صلی الله علیه وسلم یتتبع الدباء من حوالی القصعة. قال: فلم ازل احب الدباء من یومئذ. (۳)

---

(۱) مریم: ۷۷،۷۸۔

(۲) انعام الباری ۶/۱۷۴،۱۷۵۔

(۳) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب الخیاط، رقم ۲۰۹۲، وفی صحیح مسلم، کتاب الاشربة، رقم ۳۸۰۳، وسنن الترمذی، کتاب الاطعمة عن رسول الله، رقم ۱۷۷۳، وسنن ابی داؤد، کتاب الاطعمة، رقم ۳۲۸۸، وسنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمة، رقم ۳۲۹۴، ومسند احمد، باقی مسند المکثرین، رقم ۱۲۰۸۸، ۱۲۱۶۹، ۱۲۸۸۰، ۱۳۲۸۳، وموطاء مالک، کتاب النکاح، رقم ۱۰۰۳، وسنن الدارمی، کتاب الاطعمة، رقم ۱۹۶۱.

حدیث کی تشریح

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کے لئے بلایا تھا، جو اس نے بنایا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس دعوت پر گیا، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک روٹی اور شوربہ جس میں کدو اور قدید یعنی سوکھے گوشت کے ٹکڑے تھے لے کر آیا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیالہ کے اردگرد سے تلاش کر کے دباء (کدو) لے رہے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دباء پسند ہے۔ تو میں اس دن سے دبہ سے محبت کرنے لگا، جس دن سے میں نے دیکھا کہ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔

اب یہ محبت ہے جبکہ طبعی پسند اور ناپسند ہر ایک کی الگ ہوتی ہے۔ لیکن جس ذات سے محبت ہوتی ہے اس ذات کی ہر پسندیدہ چیز محبّ کو پسند ہو جاتی ہے۔

یہاں اس روایت کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ شخص خیاط (درزی) تھا، جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی تھی، تو اس سے خیاط کے پیشے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ (۱)

کپڑے بُننے کا پیشہ

حدثنا یحی بن بکیر: حدثنا یعقوب بن عبدالرحمٰن، عن ابی حازم قال: سمعت سهل بن سعد رضی الله عنه قال: جاءت امرأة ببردة، قال: اتدرون ما البردة؟ فقیل له: نعم، هی الشملة منسوجة فی حاشیتها، قالت: یا رسول الله، انی نسجت هذه بیدی اکسوکها فاخذها النبی صلی الله علیه وسلم محتاجا الیها فخرج الینا وانها ازاره. فقال رجل من القوم: یا رسول الله، اکسنیها. فقال: "نعم" فجلس النبی صلی الله علیه وسلم فی المجلس ثم رجع فطواها، ثم ارسل بها الیه. فقال له القوم: ما احسنت سألتها ایاه، لقد عرفت انه لا یردُّ سائلًا. فقال الرجل: والله ما سألته الیه الا لتکون کفنی اموت، قال سهل: فکانت کفنه. (۲)

---

(۱) انعام الباری ۱۷۵/۶۔

(۲) رواه البخاری، کتاب البیوع، باب النساج، رقم الحدیث ۲۰۹۳۔

نگاہ نعمت دینے والے کی طرف ہو

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت حضور اقدس ﷺ کے پاس ایک چادر لے کر آئی۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو یہ قصہ سناتے ہوئے فرمایا کہ جانتے ہو یہ بردہ کیا چیز ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ یہ چادر ہوتی ہے جس کے حاشیہ میں بناوٹ ہوتی ہے یعنی پھول بوٹے بنے ہوتے ہیں۔

اس عورت نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں یہ اپنے ہاتھ سے بن کر آپ کو پہنانے کے لئے لائی ہوں تو نبی کریم ﷺ نے وہ قبول فرمائی اور اس انداز سے قبول فرمائی جیسے اس کے محتاج اور اس کے ضرورت مند ہوں۔

یہی نبی کریم ﷺ کی شان ہے کہ جب کوئی ہدیہ لے کر آیا تو قبول کرتے وقت اس کا دل خوش کرتے۔ اور دل خوش کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ ظاہر کرے کہ میں تو اِس کی بڑی تلاش میں تھا، مجھے تو اِس کی بڑی ضرورت تھی۔

اِس سے ایک تو ہدیہ پیش کرنے والے کا دل خوش ہو جاتا ہے کہ الحمدللہ میرا مقصد پوری طرح حاصل ہو گیا۔ یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے کہ جب کوئی ہدیہ دے تو اس کی تھوڑی تعریف کر دیں اور یہ ظاہر کریں کہ واقعی میں اس کا ضرورت مند تھا۔

ہم نے اپنے بزرگوں کو یہ دیکھا کہ جب کوئی ہدیہ لے کر آتا تو فرماتے کہ بھئی تم تو بہت اچھی چیز لے کر آئے ہو، ہمارے کام کی چیز تھی، ہم تو اس کے لئے بڑے مشتاق تھے وغیرہ تا کہ اس کا دل خوش ہو جائے۔

دوسرا یہ کہ اس سے بھی آگے کہ اللہ تعالیٰ کی عطاء ہے تو اس کی طرف انسان کو احتیاج ظاہر کرنی چاہئے، بے نیازی ظاہر نہ کریں کہ یہ ناشکری ہے۔

چیزے کہ بے طلب رسد آں دادۂ خدا است
او را تو رد مکن کہ فرستادۂ خدا است

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بے طلب چیز پہنچ رہی ہو تو اس کو رد نہ کریں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ ہے کہ آسمان سے سونے کی تتلیاں گریں تو بھاگے لیکن فرمایا کہ "لا غنی بی عن برکتك"۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز عطاء ہو رہی ہو تو اس سے بے نیازی نہیں کرنا چاہئے۔ احتیاج کا اظہار ہونا چاہئے کیونکہ بندگی کا اظہار اسی میں ہے کہ یا اللہ! میں تو

آپ کی عطاء کا محتاج ہوں۔ (۱)

ہدیہ قبول کرنے کے اصول

ہدیہ ہمیشہ ایسی جگہ سے قبول کرنا چاہئے جہاں بے تکلفی ہو۔ اور ہدیہ دینے کے لئے بھی عقل کی ضرورت ہے۔ ہدیہ ایسے شخص کا قبول کرو جو ہدیہ کا طالب نہ ہو ورنہ باہمی رنج کی نوبت آئے گی۔ تم اپنی طرف سے کوشش کرو کہ اس کو کچھ بدلہ دیا جائے، اور اگر بدلہ دینے کو میسر نہ ہو تو اس کی ثنا و صفت ہی بیان کرو اور لوگوں کے رُوبرو اس کے احسان کو ظاہر کرو اور ثنا و صفت کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے "جزاك الله خيرا"۔ اور جب محسن کا شکریہ ادا نہ کیا تو خدا تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہ ہوگا۔ اور جس طرح ملی ہوئی نعمت کی ناشکری بُری ہے اسی طرح ملی ہوئی چیز پر شیخی بگھارنا کہ ہمارے پاس اتنا اتنا آیا یہ بھی بُرا ہے۔

فخرج الینا وانها ازاره۔ بعد میں حضور اکرم ﷺ نے وہ زیب تن فرمائی اور باہر تشریف لائے اور اسے ازار کے طور پر استعمال کیا۔ تو ایک شخص نے قوم میں سے پوچھا کہ یارسول اللہ! یہ مجھے دے دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ تھوڑی دیر مجلس میں بیٹھے پھر واپس تشریف لے گئے، اس کو لپیٹا اور اس کو واپس بھیج دیا کہ بھائی لے جاؤ۔ تو لوگوں نے کہا کہ تم نے اچھا نہیں کیا، تم نے حضور ﷺ سے سوال کرلیا اور جانتے تھے کہ آپ ﷺ کسی سوال کرنے والے کا سوال رد نہیں فرماتے۔ پہلی بار آپ ﷺ پہن کر آئے تھے، تم نے فوراً مانگ لی تو اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے اس لئے لی کہ میں اس کو اُٹھا کے رکھوں گا تاکہ مرتے وقت میرے کفن کے کام آئے، یعنی نبی کریم ﷺ کا زیب تن فرمایا ہوا لباس میرے لئے کفن میں لگے تو اس کی برکات مجھے حاصل ہوں، اس لئے میں نے آپ ﷺ کا زیب تن کیا ہوا ازار لیا کہ کفن میں رکھوں اور اس سے برکت پاؤں اور کیا بعید ہے کہ اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرما دیں۔ یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبتِ طبعی تھی۔ یہ واقعہ نجدیوں کے لئے سبق آموز ہے۔

ہمارے حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ صاف ستھرا لباس پہنتے تھے لیکن بہت زیادہ پہننے کا نہ معمول تھا اور نہ کچھ مناسب سمجھتے تھے۔ حضرت کی دو اہلیہ تھیں۔ حضرت کی جو بڑی اہلیہ تھیں ان کو حضرت سے بڑا عشق تھا۔ عمر زیادہ ہو چکی تھی لیکن عشق بہت تھا۔ حضرت سے بڑی محبت کرتی تھیں، تو رمضان کے مہینے میں جب عید آنے والی تھی تو چپکے چپکے حضرت کے لئے ایک انگرکھا (شیروانی جیسا ہوتا ہے) سینا شروع کیا۔ کپڑا نہایت شوق سے منگوایا، جو نوجوان لڑکے پہنا کرتے ہیں، اس کو آنکھ کا

---

(۱) عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۶۳، رقم الحدیث ۲۷۹۔

نشہ کہا جاتا ہے، اس میں بڑے نقش ہوتے ہیں۔ عید سے ایک دن پہلے وہ نکالا اور کہا کہ میں نے پورا مہینہ محنت کر کے آپ کے لئے یہ انگرکھا سیا ہے کہ آپ عید کی نماز پڑھانے جائیں تو یہ انگرکھا پہن کر جائیں۔ اب وہ حضرت کے مزاج کے بالکل خلاف تھا لیکن حضرت نے دیکھا کہ بیچاری نے سارا مہینہ محنت کی ہے اور محبت اور اخلاص سے کی ہے تو اگر یہ کہہ دوں کہ میں نہیں پہنتا تو ان کی دل شکنی ہوگی، لہٰذا فرمایا: واہ، تم نے تو بہت اچھا بنایا۔ کہنے لگیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ جب صبح کو آپ نمازِ عید پڑھانے کے لئے جائیں تو یہی پہن کر جائیں۔ اب حضرت کو بڑا تامل ہوا کہ وہ پہن کر کیسے عید کی نماز کو جائیں، لیکن اگر نہ پہنا تو دل شکنی کا اندیشہ ہے۔ آخرکار بڑی کشمکش ہوتی رہی۔ صبح کو جب جانے لگے تو کہا کہ اچھا بھئی لاؤ اور وہ پہن لیا اور پہن کر عیدگاہ میں پہنچ گئے۔ اب کتنی تکلیف ہوئی ہوگی۔ گویا دل شکنی سے ان کو بچانے کے لئے پہن کے پہنچ گئے تو نمازِ عید کے بعد جب فارغ ہوئے تو پہلے ہی جو آدمی مصافحہ کے لئے آئے اس نے کہا کہ حضرت یہ آپ کو زیب نہیں دیتا۔ آپ کی شایانِ شان نہیں۔ فرمایا: ہاں بھئی تم نے ٹھیک کہا اور اسی وقت اُتار کے اسی کو دے دیا۔

تو اب دیکھیں یہی بات ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے سنت پر عمل اس طرح نصیب فرمایا کہ ان کو دل شکنی سے بچانے کے لئے ان کی دلداری کے طور پر پہن بھی لیا حالانکہ کتنی دقت ہوئی ہوگی اور کتنا دل کڑھا ہوگا لیکن ان کو دل شکنی سے بچانے کے لئے پہن کے چلے گئے اور پھر بعد میں دوسرے کو دے بھی دیا۔ (۱)

بڑھئی کا پیشہ

حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا عبدالعزيز، عن ابى حازم قال: اتى رجال سهل بن سعد يسألونه عن المنبره، فقال: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم الى فلانة امرأة قد سماها سهل. ان "مرى غلامك النجار يعمل لى اعوادًا اجلس عليهن اذا كلمت الناس" فأمرته يعملها من طرفاء الغابة. ثم جاء بها فأرسلت الى رسول الله صلى الله عليه وسلم بها فأمر بها فوضعت فجلس عليه. (۲)

ابوحازم کی روایت ہے کہ کچھ لوگ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور سوال کر رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر کس طرح بنا؟ تو اُنہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں عورت کے

(۱) انعام الباری ۶/۱۷۶ تا ۱۷۸۔ (۲) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب النجار، رقم الحدیث ۲۰۹۴۔

پاس پیغام بھیجا تھا۔

الی فلانة امراة الخ۔ فلانہ سے مراد ایک عورت جن کا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے نام لیا تھا لیکن شاید یہ بھول گئے، اس واسطے ان کا ذکر نہیں کیا۔

ان مری غلامك النجار۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام بھیجا تھا کہ تمہاری لکڑی کا کام کرنے والا جو غلام ہے اس کو کہو کہ میرے لئے کچھ لکڑیاں ایسی بنادیں کہ جب لوگوں سے بات کروں اس پر بیٹھ سکوں یعنی مراد منبر ہے۔

منبر کا ثبوت

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگرچہ عام طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے، جمعہ اور عیدین کا خطبہ کھڑے ہو کر دیا جاتا تھا لیکن اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی بیٹھ کر بات چیت کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ علاوہ جمعہ اور عیدین کے خطبے کے اگر کسی وقت کوئی نصیحت یا علم یا دین کی بات منبر پر بیٹھ کر کر لی جائے تو یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

بعض لوگ تقریر کرنے یا وعظ کرنے کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے، اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ جو خطبہ دیا وہ کھڑے ہو کر دیا، لیکن اس روایت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود منبر بناتے وقت یہ فرمایا: اجلس علیھن اذا کلمت الناس الخ۔ تو معلوم ہوا کہ بیٹھ کر بات چیت کرنا جائز ہے۔ ظاہر ہے یہ بات چیت مسجد میں دین سے متعلق ہوگی اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

فامر له یعمل الخ۔ تو اس خاتون نے غلام کو حکم دیا کہ وہ اس کو بنائے۔

غابہ اصل میں ایسے گھنے جنگل کو کہتے ہیں جس میں درخت بالکل ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ منورہ کے قریب ایک علاقہ تھا اس کو بھی غابہ کہتے تھے۔ تو فرمایا کہ غابہ کے درختوں سے اس نے منبر بنایا، پھر وہ لے کر آیا تو اس خاتون نے وہ منبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا اور وہ رکھ دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بیٹھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نجار کا پیشہ جائز ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس نجار سے منبر بنوایا تھا۔ (۱)

---

(۱) انعام الباری ۶/ ۱۶۸، ۱۶۹۔

کمیشن ایجنٹ کا پیشہ

عن قیس بن ابی غرزۃ رضی اللّٰہ عنہ قال: خرج علینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونحن نسمی "السماسرۃ" فقال: یا معشر التجار ان الشیطان والاثم یحضر ان البیع فشوبو بیعکم بالصدقۃ.(۱)

حضرت قیس بن ابوغرزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس (بازار) میں تشریف لائے۔ لوگ ہمیں "سماسرۃ" کے نام سے پکارتے تھے۔ "سماسرۃ" "سمسار" کی جمع ہے، "سمسار" دلّال کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ شخص جو خریدنے یا فروخت کرنے میں واسطہ بنتا ہے، اور اس عمل پر وہ اپنا کمیشن وصول کرتا ہے، آج کل اس کو "کمیشن ایجنٹ" بھی کہتے ہیں۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: شیطان اور گناہ بیع کے وقت حاضر ہو جاتے ہیں۔ یعنی شیطان یہ چاہتا ہے کہ بیع کرنے والوں کو کسی نہ کسی طرح گناہ کے اندر مبتلا کر دے۔ اس لئے تم اپنی بیع کو صدقہ کے ساتھ ملا دو۔ شاب، یشوب، شوباً کے معنی ہیں "ملا دینا" مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ عام طور پر لوگ بیع کے وقت اپنا سامان بیچنے کے لئے جھوٹ بولتے ہیں، قسمیں کھاتے ہیں، اور مبیع کے اندر جو عیب ہوتا ہے، اس کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، اور یہ سب امور ناجائز ہیں، اس لئے ان سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اور بیع کے ساتھ کچھ صدقہ بھی کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ صدقہ کرنے کے نتیجے میں انشاء اللہ شیطان کے اثرات سے محفوظ رہو گے۔

خطاب کے لئے اچھے الفاظ کا استعمال

اس حدیث میں ان صحابی نے ایک بات یہ بیان فرمائی کہ لوگ ہمیں "سماسرۃ" کے نام سے پکارتے تھے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں "یا معشر التجار" کے لقب سے خطاب کیا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ "دلال" کا لفظ عرف عام میں پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا، بلکہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دلالی ایک گھٹیا درجے کا پیشہ ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "دلال" کے بجائے "تجار" کا لفظ استعمال کر کے اس طرف اشارہ فرما دیا کہ جب آدمی کسی کے پاس دین کی بات پہنچانے جائے تو اس سے خطاب کرنے میں ایسے الفاظ استعمال کرے جس سے اس کی عزت افزائی ہو، اور ایسے الفاظ سے پرہیز کرے جس سے وہ اپنی اہانت محسوس کرے۔

---

(۱) رواہ الترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی التجار وتسمیۃ النبیؐ ایاہم۔

دلالی کا پیشہ اور اس پر اُجرت لینا

اس حدیث سے ایک فقہی مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ دلالی کا پیشہ اختیار کرنا اور اس پر اُجرت لینا جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ صحابی جن سے حضور اقدس ﷺ مخاطب ہوئے، دلالی کا پیشہ اختیار کیے ہوئے تھے۔ اور حضور اقدس ﷺ نے ان کو بیع کے ساتھ صدقہ کرنے کی ترغیب تو دی، لیکن ان سے یہ نہیں فرمایا کہ تم اس پیشے کو چھوڑ دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ دلالی کا پیشہ اختیار کرنا اور اس پر اُجرت لینا جائز ہے۔ مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میں تمہارا یہ سامان بکوا دوں گا اور اتنی اُجرت لوں گا، یا فلاں چیز خریدوا دوں گا اور اس پر اتنی اُجرت لوں گا تو یہ معاملہ شرعاً جائز ہے۔ اگر ناجائز ہوتا تو حضور اقدس ﷺ ان کو اس سے منع فرمادیتے۔

دلالی کی اُجرت فیصد کے حساب سے

یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ ''دلالی'' کی اُجرت فیصد کے حساب سے مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟ مثلاً ایک شخص یہ کہے کہ میں تمہاری یہ کار فروخت کرا دوں گا، اور جس قیمت پر یہ کار فروخت ہوگی اس کا پانچ فیصد لوں گا۔ اس سلسلہ میں بعض فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ اس طرح فیصد کے حساب سے اُجرت مقرر کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ یہ اُجرت مجہول ہے، کیونکہ ابھی یہ معلوم نہیں کہ یہ کار کتنے میں فروخت ہوگی، اور اس کا پانچ فیصد کیا ہوگا؟ اور اُجرت مجہول کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہیں۔

لیکن دوسرے فقہاء مثلاً علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ فیصد کے اعتبار سے اُجرت مقرر کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اگرچہ اس وقت وہ اُجرت متعین نہیں، لیکن جب وہ چیز فروخت ہو جائے گی تو اس وقت وہ اُجرت خود بخود متعین ہو جائے گی۔ اور عقد کو وہ جہالت فاسد کرتی ہے جو مفضی الی النزاع ہو، اور اس اُجرت میں جو جہالت ہے وہ مفضی الی النزاع نہیں ہے۔ اس لئے یہ معاملہ درست ہو جائے گا۔(۱)

قصاب کا پیشہ

حدثنا عمر بن حفص: حدثنا ابی: حدثنا الاعمش قال: حدثنی شقیق، عن ابی مسعود، قال: جاء رجل من الانصار یکنٰی ابا شعیب فقال لغلام

(۱) تقریر ترمذی، ۱/۵۸، ۵۹۔

له قصاب: اجعل لی طعاما یکفی خمسة من الناس فانی ان ادعو النبی صلی اللّٰه علیه وسلم خامس خمسة، فانی قد عرفت فی وجهه الجوع. فدعاهم فجاء معهم رجل فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: "ان هذا قد تبعنا فان شئت ان تأذن له فأذن له وان شئت ان یرجع رجع. فقال: لا، بل قد اذنت له."(۱)

حدیث کا مطلب

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انصار کے ایک صاحب آئے جن کی کنیت ابوشعیب تھی۔ اُنہوں نے اپنے ایک غلام سے کہا (جو قصاب تھا، قصاب اور لحام گوشت فروخت کرنے والے کو کہتے ہیں) کہ کھانا بناؤ جو پانچ آدمیوں کے لئے کافی ہو، اس لئے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دینا چاہتا ہوں، یعنی ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے اور چار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء ہوں گے۔ مطلب یہ کہ کُل پانچ آدمی ہوں گے اور میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر بھوک کے آثار دیکھے ہیں۔

اُس نے جا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بمع پانچ آدمیوں کے دعوت دی لیکن ایک چھٹا آدمی بھی کھانے کی جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میزبان سے فرمایا کہ یہ شخص ہمارے پیچھے لگ گیا تھا اگر تم چاہو تو اس کو بھی اجازت دے دو اور اگر چاہو تو یہ لوٹ جائے۔ تو اُنہوں نے کہا کہ میری طرف سے اجازت ہے کہ یہ بھی آ جائے۔

یہاں اس روایت کو لانے کا مقصود یہ ہے کہ وہ غلام جس کو یہ کہا تھا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا بناؤ وہ قصاب تھا تو اس سے گوشت فروشی کا جواز معلوم ہوا۔ (۲)

حلال روزی میں برکت

اللہ تعالیٰ نے حلال روزی کے اندر جو برکت رکھی ہے وہ حرام کے اندر نہیں رکھی۔ حرام کی بہت بڑی رقم سے وہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا جو حلال کی تھوڑی سی رقم میں حاصل ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وضو کے بعد یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

---

(۱) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب ما قیل فی اللحام والجزار، رقم ۲۰۸۱، وفی صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، رقم ۳۷۹۷، وسنن الترمذی، کتاب النکاح عن رسول اللہ، رقم ۱۰۱۸۔

(۲) انعام الباری ۶/ ۱۳۹، ۱۴۰۔

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ." (۱)

ترجمہ: ''اے اللہ، میرے گناہ کی مغفرت فرما اور میرے گھر میں وسعت فرما اور میرے رزق میں برکت عطا فرما۔''

آجکل لوگ برکت کی قدر و قیمت کو نہیں جانتے بلکہ روپے پیسے کی گنتی کو جانتے ہیں۔ یہ دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں کہ ہمارا بینک بیلنس بہت زیادہ ہو گیا، روپے کی گنتی زیادہ ہو گئی، لیکن اس روپے سے کیا فائدہ حاصل ہوا، ان روپوں سے کتنی راحت ملی، کتنا سکون حاصل ہوا؟ اس کا حساب نہیں کرتے۔ لاکھوں کا بینک بیلنس ہے، لیکن سکون میسر نہیں، راحت میسر نہیں۔ بتائیے! وہ لاکھوں کا بینک بیلنس کس کام کا؟ اور اگر پیسے تو تھوڑے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے راحت اور سکون عطا فرمایا ہوا ہے تو یہ درحقیقت 'برکت' ہے۔ اور یہ ''برکت'' وہ چیز ہے جو بازار سے خرید کر نہیں لائی جاسکتی، لاکھوں اور کروڑوں خرچ کر کے بھی حاصل نہیں کی جاسکتی، بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی دین اور اس کی عطا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو عطا فرما دیں اسی کو یہ برکت نصیب ہوتی ہے، دوسرے کو نصیب نہیں ہوتی۔ اور یہ برکت حلال رزق میں ہوتی ہے، حرام مال کے اندر یہ برکت نہیں ہوتی، چاہے وہ حرام مال کتنا زیادہ حاصل ہو جائے۔ اس لئے انسان جو کما رہا ہے وہ اس کی فکر کرے کہ یہ لقمہ جو میرے اور بیوی بچوں کے حلق میں جا رہا ہے، اور یہ پیسہ جو میرے پاس آرہا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہے یا نہیں؟ شریعت کے احکام کے مطابق ہے یا نہیں؟ ہر انسان اپنے اندر یہ فکر پیدا کرے۔ (۲)

برکت کا مفہوم

حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا شعبة، عن قتادة، عن صالح ابی الخليل، عن عبدالله بن الحارث رفعه الى حكيم بن حزام رضی الله عنهم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "البيعان باالخيار مالم يتفرقا، او قال: حتى يتفرقا، فان صدقا وبينا بورك لهما فی بيعهما، وان كتما وكذبا محقت بركة بيعهما." (۳)

یہاں مقصود دوسرا جملہ ہے کہ فان صدقا وبینا، اگر وہ سچ بولے اور ساتھ ساتھ حقیقت بتا

---

(۱) رواہ الترمذی، کتاب الدعوات، باب دعاء یقال فی اللیل، حدیث نمبر ۳۴۹۶۔

(۲) اصلاحی خطبات ۱۰/۱۹۲، ۱۹۳۔

(۳) فی البخاری، کتاب البیوع، باب اذا بین البیعان ولم یکتما ونصحا۔

دے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بیع میں برکت ہوتی ہے اور اگر جھوٹ بولے اور عیب چھپائے گا تو ان کی بیع کی برکت فنا کر دی جاتی ہے، مٹا دی جاتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچ بولنے پر برکت ہوتی ہے اور جھوٹ بولنے سے برکت مٹا دی جاتی ہے۔

اب مسئلہ ایسا ہو گیا ہے کہ برکت کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں ہے، جو قدر و قیمت ہے وہ گنتی کی ہے، یعنی جس طرح بھی ہو پیسہ زیادہ آنا چاہئے، برکت کا مفہوم ذہن سے مٹ گیا ہے، جانتے ہی نہیں کہ برکت ہوتی کیا ہے۔

برکت کے معنی یہ ہیں کہ اپنے پاس جو بھی چیز ہے اس کے اندر جو اس کا مقصود یعنی اس کی منفعت ہے وہ بھرپور طریقے سے حاصل ہو۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ دنیا کے جتنے بھی مال و اسباب ہیں ان میں سے کوئی بھی بذاتِ خود راحت پہنچانے والا نہیں ہے، مثلاً روپیہ ہے، اگر تم بھوک میں کھانا چاہو تو بھوک نہیں مٹا سکتا، کچھ حاصل نہیں ہوگا، پیاس لگی ہے تو وہ پیاس نہیں مٹا سکتے، اس کے اندر بھی بذاتِ خود بھوک مٹانے کی صلاحیت نہیں، اگر بیماری ہو تو بیماری کے اندر ایسی بیماریاں بھی ہوتی ہیں کہ کھاتے جاؤ اور بھوک نہیں مٹتی، ایسی بیماریاں بھی ہوتی ہیں کہ پانی پیتے جاؤ اور پیاس نہیں مٹتی۔ تو اصل مقصود راحت ہے۔ لیکن راحت ان اسباب کا لازمہ نہیں ہے کہ جب بھی پیسے زیادہ ہوں گے تو راحت ضرور ہوگی، یا جب بھی مال و اسباب زیادہ ہوگا تو راحت ضرور ہوگی بلکہ راحت تو کسی اور ہی چیز سے آتی ہے۔ وہ چاہے تو ایک روپیہ میں راحت دیدے، اور نہ چاہے تو ایک کروڑ میں نہ دے، اس واسطے راحت جو کہ مقصودِ اصلی ہے اس کا نام برکت ہے اور یہ محض عطائے الٰہی سے آتی ہے، اس کا اسباب کی گنتی سے کوئی تعلق نہیں۔

مثلاً ایک کروڑ پتی ہے جس کی ملیں کھڑی ہوئی ہیں، کاریں ہیں، کارخانے ہیں، مال و دولت ہے، بینک بیلنس ہے، لیکن جب رات کو بستر پر لیٹتا ہے نیند نہیں آتی اور کروٹیں بدلتا رہتا ہے، ایئر کنڈیشن چل رہا ہے، نرم و گداز گدا نیچے ہے اور صاحب بہادر کو نیند نہیں آ رہی تو یہ مسہری، یہ گدا، یہ ایئر کنڈیشن کمرہ اس کے لئے راحت کا سبب نہیں بن سکے، بے چینی کے عالم میں رات گزاری، صبح ڈاکٹر کو بلایا، ڈاکٹر گولیاں دیتا ہے کہ یہ کھاؤ تو نیند آئے گی۔

اور اگر مزدور ہے، آٹھ گھنٹے کی محنت کر کے پسینے میں شرابور ہو کے اور ساگ سے روٹی کھا کے آٹھ گھنٹے جو بھرپور نیند لی صبح کو جا کر اس نے دم لیا۔

اب بتائیں کس کو راحت حاصل ہوئی؟ حالانکہ وہ کروڑ پتی تھا اور یہ بیچارہ مفلس ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے افلاس میں راحت فرما دی اور اس کے کروڑ پتی کو راحت نہیں ملی، تو یہ محض اللہ جل

جلالہ کی عطا ہے۔

آج لوگ اس حقیقت کو فراموش کر گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ گنتی ہونی چاہئے، بینک بیلنس ہونا چاہئے، بینک میں پیسے زیادہ ہونے چاہئیں، یہ پتہ نہیں کہ جس رشوت سے پیسہ کمایا، دھوکہ سے، یا جھوٹ سے کمایا، اس کی گنتی تو بہت ہوگئی لیکن اس نے ان کو نفع نہیں پہنچایا، اس سے راحت نہیں ملتی۔

مثلاً کما کر لائے معلوم ہوا کہ گھر میں کوئی بیمار ہو گیا ہے تو جو پیسے آئے تھے وہ ڈاکٹروں اور لیبارٹری کی نذر ہو گئے۔ سونا چاہا تو نیند نہیں آتی۔ کھانے بیٹھے، انواع واقسام کے کھانے مہیا ہیں، انواع واقسام کی نعمتیں موجود ہیں مگر معدہ اس قابل نہیں کہ کوئی چیز کھا سکے۔

ایک عبرت ناک واقعہ

حضرت تھانویؒ نے ایک وعظ میں فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو نواب تھا۔ نواب ایک ریاست کے سربراہ کو کہتے ہیں۔ دنیا کی کوئی نعمت ایسی نہیں تھی جو اس کے گھر میں موجود نہ ہو مگر ڈاکٹر نے کہہ رکھا تھا کہ آپ کی غذا ایک ہی چیز ہے۔ ساری عمر اسی پر گزارہ کریں گے۔ اگر ایسا کریں گے تو زندہ رہیں گے ورنہ مر جائیں گے۔ اور وہ یہ کہ بکری کا قیمہ ایک ململ کے کپڑے میں رکھ کر اور اس میں پانی ڈال کر اس کو نچوڑو۔ اب وہ جو پانی نکلا ہے بس آپ وہ پی سکتے ہیں۔ اگر دنیا کی اور کوئی چیز کھاؤ گے تو مر جاؤ گے۔ لہٰذا ساری عمر اسی قیمہ کے پانی پر گزاری۔ نہ روٹی، نہ گوشت، نہ سبزی، نہ ساگ، نہ دال، نہ اور کچھ کھا سکا۔

تو اب بتائیں وہ کروڑ پتی پن کس کام کا جو آدمی کو ایک وقت میں کھانے کی لذت بھی فراہم نہ کر سکے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں برکت سلب ہو گئی اور یہ برکت پیسوں سے خریدی نہیں جا سکتی کہ بازار میں جاؤ اور برکت خرید لاؤ، اتنے پیسے دو اور خرید لو۔

حصولِ برکت کا طریقہ

برکت اللہ جل جلالہ کی عطا ہے اور یہ عطا کس بنیاد پر ہوتی ہے۔ میں نے بتا دیا کہ اگر امانت سے کام کرو گے، دیانت سے کام کرو گے اور حلال طریقے پر کام کرو گے تو برکت ہوگی، اور اگر حرام طریقے سے کرو گے، ناجائز اور دھوکہ بازی سے کرو گے تو برکت سلب ہو جائے گی۔

لہٰذا چاہے تمہاری گنتی میں اضافہ ہو رہا ہو لیکن اس کا فائدہ تمہیں حاصل نہیں ہوگا۔

حضور اقدس ﷺ کا حصولِ برکت کے لئے دعا کی تلقین کرنا

حضور اکرم ﷺ نے یہ دعا تلقین فرمائی ہے کہ جب کسی کو دعا دو تو بارك الله دو۔ یہ معمولی دعا نہیں ہے، یہ بڑی زبردست دعا ہے اور ہمارے ہاں جو مشہور ہے کہ بھائی مبارک ہو آپ نے مکان بنایا، مبارک ہو آپ نے نکاح کیا، مبارک ہو آپ نے گاڑی خریدی، یعنی ہر چیز میں مبارک کی دعا دیتے ہیں یہ بڑی پیاری دعا ہے، اگر اس کو سوچ سمجھ کر دیا جائے اور لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ چیز جو آپ کو ملی ہے اس کی برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو۔ یہ درحقیقت ایک حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ چیز کچھ بھی نہیں ہے جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس میں برکت نہ ڈالی جائے۔ مکان بیشک عالی شان بنالیا لیکن عالی شان مکان کوئی حقیقت نہیں رکھتا جب تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے برکت عطا نہ ہو، اور برکت عطا ہوگی تو اس کو راحت ملے گی۔ مکان تو ہے مگر مکان کی برکت نہیں ہے تو یہ مکان تمہارے لئے عذاب ہو جائے گا۔ یہ بڑی کانٹے کی بات ہے۔ دنیا آج گنتی کے پیچھے بھاگ رہی ہے لیکن برکت کو نہیں دیکھتے، اور جب کسی مالدار کو دیکھا کہ اس کے پاس عالی شان کوٹھی ہے، بنگلہ ہے، مل ہے، کار ہے اور کارخانے ہیں تو وہی بات دل میں آتی ہے۔ "يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا اُوْتِيَ قَارُوْنَ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ" لیکن تمہیں نہیں پتہ کہ یہ جو ظاہری چمک دمک اور شان وشوکت ہے، ذرا اس کے دل میں جھانک کر دیکھو کہ ان تمام اسباب کے جمع کرنے کے باوجود وہ کن اندھیروں میں گرفتار ہے۔

ظاہری چمک دمک پر نہیں جانا چاہئے

میرے پاس پچاسوں بڑے بڑے سرمایہ دار، دولت مند آتے رہتے ہیں۔ ایسے ایسے لوگ آتے ہیں کہ جن کو دیکھ کر آدمی یہی کہے "يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا اُوْتِيَ قَارُوْنَ" لیکن جب وہ اپنے دکھڑے بیان کرتے ہیں کہ وہ کن دکھوں میں مبتلا ہیں تو واقعی مجھے عبرت ہوتی ہے کہ اس مال ہی کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عذاب بنا رکھا ہے۔

میرے پاس اکثر ایک خاتون مسئلہ وغیرہ پوچھنے کے لئے آتی رہتی ہیں۔ ان کے شوہر کے لئے ارب پتی کا لفظ بھی کم ہے اور اس عورت کو جب دوسری عورتیں دیکھتی ہیں کہ کیسا لباس پہنی ہوئی ہے، کیسی گاڑی میں آرہی ہے، کیسے مکان میں رہ رہی ہے تو ان کی آنکھیں چکا چوند ہوتی ہیں کہ کیسی زبردست عورت ہے، لیکن وہ جو آکر میرے سامنے بلک بلک کر بچوں کی طرح روتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ

سے یہ دولت نکال دے اور مجھے وہ سکون نصیب ہو جائے کہ جو ایک جھونپڑی والے کو حاصل ہوتا ہے۔ دیکھنے والے تو اس کی چکاچوند دیکھ رہے ہیں لیکن میرسوایا اُس کے سوا کسی کو پتہ نہیں کہ وہ کس اذیت میں مبتلا ہے۔ اس واسطے کبھی یہ ظاہری شان وشوکت اور ظاہری ٹیپ ٹاپ کے چکر میں مت آؤ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ دل کا سکون عطا فرمائے، وہ راحت عطا فرمائے جسے برکت کہتے ہیں۔

ظاہری چمک دمک والوں کے لئے عبرتناک واقعہ

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک غریب آدمی تھا۔ وہ ایک مستجاب الدعوات بزرگ کے پاس گیا اور جا کر ان سے کہا کہ حضرت میرے لئے دعا فرما دیجئے کہ میں بھی دولتمند ہو جاؤں، مشکلوں میں گرفتار ہوں اور دل یوں چاہتا ہے کہ بس سب سے امیر ترین ہو جاؤں۔

پہلے تو اُنہوں نے سمجھایا کہ کس چکر میں پڑ گئے ہو، اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، لیکن وہ نہ مانا تو بزرگ نے کہا کہ تم یہاں شہر میں کوئی دولت مند آدمی تلاش کرو جو بہت ہی امیر ترین ہو تو اس کا مجھے بتا دینا، میں دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا بنا دے۔

اس نے شہر میں چکر لگا کر ایک سنار کو منتخب کیا جس کی دکان زیورات سے بھری ہوئی تھی، پانچ چھ لڑکے ایک سے ایک خوبصورت ہیں اور کام میں اس کا ہاتھ بٹا رہے ہیں، ہنسی مذاق ہو رہا ہے، کھانے پینے کا ساز وسامان ہے، سب کچھ ہے، غرض دنیا کی ساری نعمت ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ بس یہی ہے۔

تو غریب آدمی نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت! میں دیکھ کر آیا ہوں۔ ایک سنار بہت اعلیٰ درجہ کا ہے، دعا کر دیجئے کہ ایسا ہو جاؤں۔ بزرگ نے حتی الامکان سمجھایا کہ پہلے معلومات کر لو پھر دعا کر دوں گا۔

ان بزرگ نے کہا: بھائی ظاہری حالت تو دیکھ آئے ہو کسی وقت تنہائی میں اس سے پوچھ لو کہ تم خوش ہو کہ نہیں؟

تو یہ شخص ان بزرگ کے کہنے پر پھر گیا اور سنار سے تنہائی کا وقت لیا اور اس سے پوچھا کہ بھائی! تمہاری دکان دیکھی ہے، بڑی شاندار ہے، یہ بتاؤ کہ تمہاری زندگی جو کہ بڑی قابلِ رشک معلوم ہوتی ہے کیسے گزرتی ہے؟

سنار نے کہا: میاں کس چکر میں پڑے ہو، میں تو اس روئے زمین پر ایسا مصیبت زدہ شخص ہوں کہ زمین پر مجھ سے زیادہ کوئی اور شخص مصیبت زدہ ہو ہی نہیں سکتا۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں یہ سونے کا کاروبار کرتا تھا اور اس میں خوب آمدنی تھی۔ بیوی بیمار ہوگئی، بہت علاج کرایا صحیح نہیں ہوئی،

پریشانی رہی، آخر میں بیوی بالکل مایوس ہوگئی۔ مجھے بیوی سے بہت محبت تھی۔ بیماری کے عالم میں بیوی مجھ سے کہنے لگی کہ مجھے تو یہ خیال ہے کہ جب میں مر جاؤں گی تو تم دوسری شادی کرلو گے اور مجھے بھول جاؤ گے۔ میں نے کہا کہ نہیں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ دوسری شادی نہیں کروں گا اور تم سے مجھے اتنی محبت ہے کہ اس کے بعد میں دوسری کی طرف دیکھ ہی نہیں سکتا، اس واسطے شادی نہیں کروں گا۔

اس نے کہا کہ کوئی یقین دلاؤ۔ میں نے کہا کہ میں قسم کھانے کو تیار ہوں۔ کہا کہ قسم کا مجھے بھروسہ نہیں۔ آخر کار اس کو یقین دلانے کی خاطر میں نے اپنا عضو تناسل کاٹ دیا۔ اس کے بعد اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ تندرست ہوگئی مگر میں قوتِ مردانہ سے محروم ہو چکا تھا تو ایک عرصہ اس طرح گزرا، وہ بھی کہ آخر جوان تھی تو اس کے نتیجے میں یہ ہوا کہ اس نے جب یہ دیکھا کہ شوہر کے ساتھ تو کوئی راستہ اب ہے نہیں تو اس نے گناہ کا راستہ اختیار کرنا شروع کیا اور یہ جو خوبصورت بچے دکان میں نظر آرہے ہیں ناجائز اولاد ہے، تو میں رہتا ہوں اور دیکھتا ہوں اور کڑھتا ہوں۔ ساری زندگی میری اس گھٹن میں گزر رہی ہے، تو مجھ سے زیادہ تو کوئی مغموم اس دنیا میں ملے گا نہیں۔

لہٰذا یہ جتنے چمک دمک والے نظر آتے ہیں ان کی زندگیوں کے اندر جھانک کر دیکھو تو پتہ لگے گا کہ کیا اندھیرے ہیں۔ لہٰذا اللہ سے مانگنے کی چیز صرف عافیت ہے اور راحت ہے۔ اللہ تعالیٰ عافیت اور راحت عطا فرمائے جو کچھ عطا فرمائے اس میں برکت عطا فرمائے۔

اب دیکھیں حدیث میں ہر جگہ جہاں بھی دیکھیں گے بار بار یہ دعا ہے کہ بارك لنا فیما اعطیتنا، لیکن اس کی قدر و قیمت آج دنیا سے مٹ گئی ہے اور گنتی کی ہوگئی ہے۔ ہمارے پیسے زیادہ ہونے چاہئیں حالانکہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اصل چیز دیکھو برکت ہے کہ نہیں فان صدقا وبینا بورك لهما فی بیعهما، وان کتما وکذبا محقت برکة بیعهما۔ برکت کی حقیقت یہ ہے۔ (۱)

فراخیٔ رزق کا عمل

حدثنا محمد ابن ابی یعقوب الکرمانی: حدثنا حسان: حدثنا یونس: قال محمد هو الزهری عن انس بن مالك رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: "من سرّه ان یبسط له فی رزقه او ینسأ له فی اثره فلیصل رحمه." (۲)

---

(۱) انعام الباری ۶/۱۳۴ تا ۱۳۸۔

(۲) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب من احب البسط فی الرزق، رقم ۲۰۶۷۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جس شخص کو یہ بات خوش کرتی ہو یعنی جو شخص یہ بات چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی ہو یا اس کی اجل میں تاخیر کی جائے۔

اثرہ سے مراد یہاں پر باقی ماندہ عمر ہے اور ینسا کا معنی مؤخر کر دیا جائے، مطلب یہ ہے کہ اس کی عمر کو مؤخر کر دیا جائے یعنی اس کی عمر دراز ہو تو اس کو چاہئے فلیصل رحمه کہ وہ صلہ رحمی کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صلہ رحمی کے دو اثرات دنیا ہی میں ظاہر ہوتے ہیں، ایک رزق میں وسعت، دوسرے عمر کی درازی۔

مطلب یہ ہے کہ جو یہ چاہے کہ رزق میں وسعت پیدا ہو تو وہ بھی یہ کام کرے اور جو یہ چاہے کہ عمر دراز ہو وہ بھی یہ کام کرے، اس کے دونوں اثر ہوتے ہیں، یہ منع الخلو ہے منع الجمع نہیں۔ (۱)

عن صخر الغامدی رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: اللّٰھم بارك لامتی فی بکورھا قال: وکان اذا بعث سریة او جیشا بعثھم اول النھار، وکان صخر رجلا تاجرا، وکان اذا بعث تجارہ بعثھم اول النھار، فاثری وکثر ماله. (۲)

حضرت صخر غامدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میری اُمت کے سویرے کے وقت میں برکت عطاء فرما، پھر فرمایا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹا دستہ یا بڑا لشکر کہیں روانہ فرماتے تو دن کے اوّل حصے میں روانہ فرماتے۔ حضرت صخر غامدی رضی اللہ عنہ تاجر تھے۔ وہ بھی جب اپنے تاجروں کو سامانِ تجارت کے ساتھ روانہ کرتے تو دن کے اوّل حصے میں روانہ کرتے تھے، جس کی وجہ سے وہ دولت مند ہو گئے اور ان کا مال بہت ہو گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اوّل وقت میں تجارت کرنا باعثِ برکت ہے۔ تاجروں کو چاہئے کہ دن کے اوّل وقت سے اپنا کام شروع کریں۔ آج کل کے تاجروں نے اس کے خلاف کیا ہوا ہے کہ کراچی میں تو دن کے گیارہ بجے سے پہلے بازار ہی نہیں کھلتے، جس کا نتیجہ آنکھوں کے سامنے ہے کہ تجارت سے اور مال و دولت سے برکت اُٹھ گئی ہے۔ (۳)

(۱) انعام الباری ۶/۱۱۱۔　(۲) رواہ الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التبکیر بالتجارۃ۔
(۳) تقریر ترمذی، ۱/۶۱۔

پریشانیوں کا علاج

یہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی کا تفصیلی خطاب ہے جو جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں بعد از نمازِ عصر ہوا۔ اس بیان میں رزقِ حلال کے لئے ذریعہ معاش تلاش کرنے کے موضوع پر نہایت مفید اور مربوط انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ متعلقہ مباحث سے مناسبت اور مربوط گفتگو کی بناء پر مذکورہ خطاب کو یہاں بعینہٖ نقل کیا جا رہا ہے۔ ۱۲ از مرتب عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پریشانیوں کا علاج

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا. اما بعد!

عن عبداللّٰہ بن ابی اوفی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من کانت لہ الی اللّٰہ حاجۃ او الی احد من بنی آدم فلیتوضأ ولیحسن الوضوء ثم لیصل رکعتین ثم لیثن علی اللّٰہ تبارک وتعالٰی ولیصل علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، ثم لیقل: لا الٰہ الا اللّٰہ الحلیم الکریم، سبحان اللّٰہ رب العرش العظیم، الحمد للّٰہ رب العٰلمین، اسألک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمۃ من کل بر والسلامۃ من کل اثم لا تدع لنا ذنبا الا غفرتہ، ولا ھمًّا الا فرجتہ ولا حاجۃ ھی لک رضی الا قضیتھا یا ارحم الراحمین.(۱)

تمہید

یہ حدیث حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فقہاء صحابہ میں سے ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے کوئی ضرورت پیش آئے یا کسی آدمی سے کوئی کام پیش آجائے تو اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرے اور اچھی طرح سنت کے مطابق تمام آداب کے ساتھ وضو کرے، پھر دو رکعتیں پڑھے اور پھر دو رکعت

(۱) رواہ الترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی صلاۃ الحاجۃ۔

پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرے اور پھر حضور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے اور پھر دعا کے یہ کلمات کہے۔ (کلمات اوپر حدیث میں موجود ہیں)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اُس نماز کا طریقہ بیان فرمایا ہے جس کو عرفِ عام میں ''صلوٰۃ الحاجۃ'' کہا جاتا ہے، یعنی ''نمازِ حاجت''۔ جب بھی کسی شخص کو کوئی ضرورت پیش آئے یا کوئی پریشانی لاحق ہو جائے یا کوئی کام کرنا چاہتا ہو لیکن وہ کام ہوتا نظر نہ آرہا ہو یا اس کام کے ہونے میں رکاوٹیں ہوں تو اس صورت میں نبی کریم ﷺ نے ایک مسلمان کو یہ تلقین فرمائی کہ وہ ''نمازِ حاجت'' پڑھے، اور نمازِ حاجت پڑھنے کے بعد ''دعائے حاجت'' پڑھے، اور پھر اپنا جو مقصد ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی زبان اور اپنے الفاظ میں پیش کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ اُمید ہے کہ اگر اس کام میں خیر ہوگی تو انشاء اللہ وہ کام ضرور انجام پا جائے گا۔ لہٰذا حضور اقدس ﷺ کی سنت یہ ہے کہ ضرورت کے وقت نمازِ حاجت پڑھی جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے۔

ایک مسلمان اور کافر میں فرق

اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان کو جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ ظاہری اسباب اور دنیاوی اسباب تو اختیار کرتا ہے اور شرعاً ان اسباب کو اختیار کرنے کی اجازت بھی ہے، لیکن ایک مسلمان اور ایک کافر کے درمیان یہی فرق ہے کہ جب ایک کافر دنیا کے ظاہری اسباب اختیار کرتا ہے تو وہ انہی اسباب پر بھروسہ کرتا ہے کہ جو اسباب میں اختیار کر رہا ہوں، انہی اسباب کے ذریعہ میرا کام بن جائے گا۔

ملازمت کے لئے کوشش

مثلاً فرض کریں کہ ایک شخص بے روزگار ہے اور اس بات کے لئے کوشش کر رہا ہے کہ مجھے اچھی ملازمت مل جائے۔ اب ملازمت حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ جگہیں تلاش کرے، اور جہاں کہیں ملازمت ملنے کا امکان ہو وہاں درخواست دے، اور اگر کوئی جاننے والا ہے تو اس سے اپنے حق میں سفارش کروائے وغیرہ۔ یہ سب ظاہری اسباب ہیں۔ اب ایک کافر سارا بھروسہ انہی ظاہری اسباب پر کرتا ہے اور اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ درخواست ٹھیک طریقے سے لکھ دوں، سفارش اچھی کرا دوں اور تمام ظاہری اسباب اختیار کرلوں اور بس۔ اس کی پوری نگاہ اور پورا بھروسہ انہی اسباب پر ہے ـــــ یہ کام کافر کا ہے۔

اور مسلمان کا کام یہ ہے کہ اسباب تو وہ بھی اختیار کرتا ہے، درخواست وہ بھی دیتا ہے، اور اگر سفارش کی ضرورت ہے تو جائز طریقے سے وہ سفارش بھی کراتا ہے، لیکن اس کی نگاہ ان اسباب پر نہیں ہوتی، وہ جانتا ہے کہ نہ یہ درخواست کچھ کر سکتی ہے اور نہ یہ سفارش کچھ کر سکتی ہے، کسی مخلوق کی قدرت اور اختیار میں کوئی چیز نہیں، ان اسباب کے اندر تاثیر پیدا کرنے والی ذات اللہ جل جلالہ کی ذات ہے، وہ مسلمان تمام اسباب اختیار کرنے کے بعد اسی ذات سے مانگتا ہے کہ یا اللہ! ان اسباب کو اختیار کرنا آپ کا حکم تھا، میں نے یہ اسباب اختیار کر لیے، لیکن ان اسباب میں تاثیر پیدا کرنے والے آپ ہیں، میں آپ ہی سے مانگتا ہوں کہ آپ میری یہ مراد پوری فرما دیجئے۔

بیمار آدمی کی تدابیر

مثلاً ایک شخص بیمار ہو گیا، اب ظاہری اسباب یہ ہیں کہ وہ ڈاکٹر کے پاس جائے اور جو دوا وہ تجویز کرے وہ دوا استعمال کرے، جو تدبیر وہ بتائے وہ تدبیر اختیار کرے، یہ سب ظاہری اسباب ہیں۔ لیکن ایک کافر شخص جس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں ہے، وہ سارا بھروسہ ان دواؤں اور تدبیروں پر کرے گا، ڈاکٹر پر کرے گا، البتہ ایک مؤمن بندے کو حضور اقدس ﷺ نے یہ تلقین فرمائی کہ تم دوا اور تدبیر ضرور کرو، لیکن تمہارا بھروسہ ان دواؤں اور تدبیروں پر نہ ہونا چاہئے بلکہ تمہارا بھروسہ اللہ جل شانہ کی ذات پر ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات شفا دینے والی ہے۔ اگر وہ ذات ان دواؤں اور تدبیروں میں تاثیر نہ ڈالے تو پھر ان دواؤں اور تدبیروں میں کچھ نہیں رکھا ہے۔ ایک ہی دوا، ایک ہی بیماری میں ایک انسان کو فائدہ پہنچا رہی ہے، لیکن وہی دوا اسی بیماری میں دوسرے انسان کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ اس لئے کہ درحقیقت دوا میں تاثیر پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو مٹی کی ایک چٹکی میں تاثیر عطا فرما دیں، اگر وہ تاثیر عطا نہ فرمائیں تو بڑی سے بڑی دوا اور مہنگی سے مہنگی دوا میں تاثیر عطا نہ فرمائیں۔

لہٰذا حضور اقدس ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ اسباب ضرور اختیار کرو لیکن تمہارا بھروسہ ان اسباب پر نہ ہونا چاہئے، بلکہ بھروسہ اللہ جل شانہ کی ذات پر ہونا چاہئے، اور ان اسباب کو اختیار کرنے کے بعد یہ دعا کرو کہ یا اللہ! جو کچھ میرے بس میں تھا اور جو ظاہری تدابیر اختیار کرنا میرے اختیار میں تھا وہ میں نے کر لیا، لیکن یا اللہ! ان تدابیر میں تاثیر پیدا کرنے والے آپ ہیں، ان تدابیر کو کامیاب بنانے والے آپ ہیں، آپ ہی ان میں تاثیر عطا فرمایئے اور آپ ہی ان کو کامیاب بنائے۔

تدبیر کے ساتھ دعا

حضور اقدس ﷺ سے دعا کا ایک عجیب اور خوبصورت جملہ منقول ہے کہ جب بھی آپ کسی کام کی کوئی تدبیر فرماتے، چاہے دعا کی ہی تدبیر فرماتے تو اس تدبیر کے بعد یہ جملہ ارشاد فرماتے:

"اللّٰهم هذا الجهد وعليك التكلان."(۱)

یا اللہ! میری طاقت میں جو کچھ تھا وہ میں نے اختیار کرلیا، لیکن بھروسہ آپ کی ذات پر ہے، آپ ہی اپنی رحمت سے اس مقصد کو پورا فرما دیجئے۔

زاویۂ نگاہ بدل دو

یہی وہ بات ہے جو ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب اس طرح فرمایا کرتے تھے کہ دین درحقیقت زاویۂ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے۔ بس ذرا سا زاویۂ نگاہ بدل لو تو دین ہوگیا، اور اگر زاویۂ نگاہ نہ بدلو تو وہی دنیا ہے۔ مثلاً ہر مذہب یہ کہتا ہے کہ جب بیماری آئے تو علاج کرو۔ اسلام کی تعلیم بھی یہی ہے کہ بیمار ہونے پر علاج کرو، لیکن بس زاویۂ نگاہ کی تبدیلی کا فرق ہے، وہ یہ کہ علاج ضرور کرو لیکن بھروسہ اس علاج پر مت کرو بلکہ بھروسہ اللہ جل جلالہ کی ذات پر کرو۔

''ھوالشافی'' نسخہ پر لکھنا

اسی وجہ سے اُس زمانہ میں مسلمان اطباء کا یہ طریقہ تھا کہ جب وہ کسی مریض کا نسخہ لکھتے تو سب سے پہلے نسخہ کے اُوپر ''ھوالشافی'' لکھا کرتے تھے یعنی شفاء دینے والا اللہ ہے۔ یہ ''ھوالشافی'' لکھنا ایک اسلامی طریقہ کار تھا۔ اُس زمانے میں انسان کے ہر ہر نقل وحرکت اور ہر ہر قول وفعل میں اسلامی ذہنیت، اسلامی عقیدہ اور اسلامی تعلیمات منعکس ہوتی تھیں۔ ایک طبیب ہے جو علاج کر رہا ہے لیکن نسخہ لکھنے سے پہلے اس نے ''ھوالشافی'' لکھ دیا۔ یہ لکھ کر اس نے اس بات کا اعلان کردیا کہ میں اس بیماری کا نسخہ تو لکھ رہا ہوں لیکن یہ نسخہ اس وقت تک کارآمد نہیں ہوگا جب تک وہ شفا دینے والا شفا نہیں دے گا۔ ایک مؤمن ڈاکٹر اور طبیب پہلے ہی قدم پر اس کا اعتراف کر لیتا تھا، اور جب ''ھوالشافی'' کا اعتراف کر کے نسخہ لکھتا تو اس کا نسخہ لکھنا بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کا ایک حصہ بن جاتا تھا۔

---

(۱) رواہ الترمذی، ابواب الدعوات، باب نمبر ۳۰۔

مغربی تہذیب کی لعنت کا اثر

لیکن جب سے ہمارے اُوپر مغربی تہذیب کی لعنت مسلط ہوئی ہے، اس وقت سے اس نے ہمارے اسلامی شعائر کو ملیا میٹ کر ڈالا۔ اب آج کل کے ڈاکٹر کو نسخہ لکھتے وقت نہ ''بسم اللہ'' لکھنے کی ضرورت ہے اور نہ ''ھوالشافی'' لکھنے کی ضرورت ہے، بس اس نے تو مریض کا معائنہ کیا اور نسخہ لکھنا شروع کر دیا۔ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ سائنس ہمارے پاس ایسے کافروں کے واسطے سے پہنچی ہے جن کے دماغ میں اللہ تعالیٰ کے شافی ہونے کا کوئی تصور موجود نہیں۔ ان کا سارا بھروسہ اور اعتماد انہی اسباب اور انہی تدابیر پر ہے، اس لئے وہ صرف تدابیر اختیار کرتے ہیں۔

اسلامی شعائر کی حفاظت

اللہ تعالیٰ نے سائنس کو حاصل کرنے پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ سائنس کسی قوم کی میراث نہیں ہوا کرتی۔ علم کسی قوم اور مذہب کی میراث نہیں ہوتی۔ مسلمان بھی سائنس ضرور حاصل کرے، لیکن اپنے اسلامی شعائر کو تو محفوظ رکھے اور اپنے دین و ایمان کی تو حفاظت کرے، اپنے عقیدہ کی کوئی جھلک تو اس کے اندر داخل کرے۔ یہ تو نہیں ہے کہ جو شخص ڈاکٹر بن گیا اس کے لئے ''ھوالشافی'' لکھنا حرام ہو گیا۔ اب اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے ''شافی'' ہونے کے عقیدے کا اعلان کرنا ناجائز ہو گیا، اور وہ ڈاکٹر یہ سوچنے لگے کہ اگر میں نے نسخہ کے اُوپر ''ھوالشافی'' لکھ دیا تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ ''بیک ورڈ'' آدمی ہے، بہت پسماندہ ہے، اور یہ لکھنا تو ڈاکٹری کے اصول کے خلاف ہے۔ ارے بھائی! اگر تم ڈاکٹر ہو تو ایک مسلمان ڈاکٹر ہو، اللہ جل جلالہ پر ایمان رکھنے والے ہو، لہٰذا تم اس بات کا پہلے ہی اعلان کر دو کہ جو کچھ تدبیر ہم کر رہے ہیں یہ ساری تدبیر اللہ جل جلالہ کی تاثیر کے بغیر بیکار ہے، اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

تدبیر کے خلاف کام کا نام ''اتفاق''

بڑے بڑے ڈاکٹر، اطباء اور معالجین روزانہ اللہ جل جلالہ کی تاثیر اور فیصلوں کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہم تدبیر کچھ کر رہے تھے مگر اچانک کیا سے کیا ہو گیا، اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ ہماری ظاہری سائنس سب بیکار ہو گئی۔ لیکن اس اچانک اور اُن کی ظاہری سائنس کے خلاف پیش آنے

والے واقعہ کو ''اتفاق'' کا نام دے دیتے ہیں کہ اتفاقاً ایسا ہو گیا۔

کوئی کام ''اتفاقی'' نہیں

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل کی دنیا جس کو ''اتفاق'' کا نام دیتی ہے کہ اتفاقاً یہ کام اس طرح ہو گیا، یہ سب غلط ہے۔ اس لئے کہ اس کائنات میں کوئی کام اتفاقاً نہیں ہوتا بلکہ اس کائنات کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی حکمت، مشیت اور نظم کے ماتحت ہوتا ہے۔ جب کسی کام کی علت اور سبب ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کام کن اسباب کی وجہ سے ہوا تو بس ہم کہہ دیتے ہیں کہ اتفاقاً یہ کام اس طرح ہو گیا۔ ارے جو اس کائنات کا مالک اور خالق ہے وہی اس پورے نظام کو چلا رہا ہے اور ہر کام پورے مستحکم نظام کے تحت ہو رہا ہے، کوئی ذرّہ اس کی مشیت کے بغیر ہل نہیں سکتا، اس لئے سیدھی سی بات یہ ہے کہ اس دوا میں بذاتِ خود کوئی تاثیر نہیں تھی، جب اللہ تعالیٰ نے اس دوا میں تاثیر پیدا فرمائی تھی تو فائدہ ہو گیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے تاثیر پیدا نہیں فرمائی، تو اس دوا سے فائدہ نہیں ہوا۔ بس یہ سیدھی سی بات ہے ''اتفاق'' کا کیا مطلب؟

مسبّب الاسباب پر نظر ہو

بس انسان یہی زاویۂ نگاہ بدل لے کہ تدبیروں اور اسباب پر بھروسہ نہ ہو، بلکہ مسبّب الاسباب پر بھروسہ ہو کہ وہ سب کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف تدبیر اختیار کرنے کی اجازت دی بلکہ تدبیر اختیار کرنے کا حکم دیا کہ تدبیر اختیار کرو اور ان اسباب کو اختیار کرو، اس لئے کہ ہم نے ہی یہ اسباب تمہارے لئے پیدا کیے ہیں۔ لیکن تمہارا امتحان یہ ہے کہ آیا تمہاری نگاہ ان اسباب کی حد تک محدود رہ جاتی ہے یا ان اسباب کے پیدا کرنے والے پر بھی جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دِلوں میں یہ عقیدہ اس طرح پیوست فرما دیا تھا کہ ان کی نگاہ ہمیشہ مسبّب الاسباب پر رہتی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسباب کو صرف اس وجہ سے اختیار کرتے تھے کہ ہمیں اسباب اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل یقین اور بھروسہ حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے عجیب و غریب کرشمے بندے کو دکھاتے ہیں۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا زہر پینا

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ شام کے ایک قلعے کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ قلعہ کے

لوگ محاصرہ سے تنگ آ گئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ صلح ہو جائے۔ لہٰذا ان لوگوں نے قلعے کے سردار کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس صلح کی بات چیت کے لئے بھیجا۔ چنانچہ ان کا سردار حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی شیشی ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ یہ شیشی میں کیا ہے اور کیوں لے کر آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ اِس شیشی میں زہر بھرا ہوا ہے اور یہ سوچ کر آیا ہوں کہ اگر آپ سے صلح کی بات چیت کامیاب ہو گئی تو ٹھیک، اور اگر بات چیت ناکام ہو گئی اور صلح نہ ہو سکی تو ناکامی کا منہ لے کر اپنی قوم کے پاس واپس نہیں جاؤں گا بلکہ یہ زہر پی کر خودکشی کرلوں گا۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اصل کام تو لوگوں کو دین کی دعوت دینا ہوتا تھا، اس لئے حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اِس کو اِس وقت دین کی دعوت دینے کا اچھا موقع ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے اس سردار سے پوچھا: کیا تمہیں اس زہر پر اتنا بھروسہ ہے کہ جیسے ہی تم یہ زہر پیو گے تو فوراً موت واقع ہو جائے گی؟ اس سردار نے جواب دیا کہ ہاں مجھے اس پر بھروسہ ہے، اس لئے کہ یہ ایسا سخت زہر ہے کہ اس کے بارے میں معالجین کا کہنا یہ ہے کہ آج تک کوئی شخص اس زہر کا ذائقہ نہیں بتا سکا، کیونکہ جیسے ہی کوئی شخص یہ زہر کھاتا ہے تو فوراً اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، اس کو اتنی مہلت نہیں ملتی کہ وہ اس کا ذائقہ بتا سکے۔ اس وجہ سے مجھے یقین ہے کہ اگر میں اس کو پی لوں گا تو فوراً مر جاؤں گا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس سردار سے کہا کہ یہ زہر کی شیشی جس پر تمہیں اتنا یقین ہے، یہ ذرا مجھے دو۔ اس نے وہ شیشی آپ کو دے دی۔ آپ نے وہ شیشی اپنے ہاتھ میں لی اور پھر فرمایا کہ اس کائنات کی کسی چیز میں کوئی تاثیر نہیں، جب تک اللہ تعالیٰ اس کے اندر اثر نہ پیدا فرما دیں، میں اللہ کا نام لے کر اور یہ دعا پڑھ کر بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیٔ فی الارض ولا فی السمآء وھو السمیع العلیم. (اس اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، نہ آسمان میں اور نہ زمین میں، وہی سننے اور جاننے والا ہے) میں اس زہر کو پیتا ہوں، آپ دیکھنا کہ مجھے موت آتی ہے یا نہیں۔ اس سردار نے کہا کہ جناب! یہ آپ اپنے اُوپر ظلم کر رہے ہیں۔ یہ زہر تو اتنا سخت ہے کہ اگر انسان تھوڑا سا بھی منہ میں ڈال لے تو ختم ہو جاتا ہے اور آپ نے پوری شیشی پینے کا ارادہ کرلیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انشاء اللہ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ چنانچہ دعا پڑھ کر وہ زہر کی پوری شیشی پی گئے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت کا کرشمہ دکھانا تھا۔ اس سردار نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پوری شیشی پی گئے لیکن ان پر موت کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے۔ وہ سردار یہ کرشمہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

ہر کام میں مشیتِ خداوندی

بہر حال، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دلوں میں یہ عقیدہ جما ہوا تھا کہ جو کچھ اس کائنات میں ہو رہا ہے وہ اللہ جل شانہ کی مشیت سے ہو رہا ہے، ان کی مشیت کے بغیر کوئی ذرّہ حرکت نہیں کر سکتا۔ یہ عقیدہ اُن کے دِلوں میں اس طرح پیوست ہو چکا تھا کہ اس کے بعد یہ تمام اسباب بے حقیقت نظر آ رہے تھے۔ اور جب آدمی اس ایمان و یقین کے ساتھ کام کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو اپنی قدرت کے کرشمے بھی دکھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ تم اسباب پر جتنا بھروسہ کرو گے، اتنا ہی ہم تمہیں اسباب کے ساتھ باندھ دیں گے، اور جتنا تم اس کی ذات پر بھروسہ کرو گے تو اتنا ہی اللہ تعالیٰ تم کو اسباب سے بے نیاز کر کے تمہیں اپنی قدرت کے کرشمے دکھائیں گے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات میں قدم قدم پر یہ چیز نظر آتی ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، راستے میں ایک منزل پر قیام فرمایا اور وہاں ایک درخت کے نیچے آپ ﷺ تن تنہا سو گئے۔ آپ ﷺ کے قریب کوئی محافظ اور کوئی نگہبان نہیں تھا۔ کسی کافر نے آپ ﷺ کو تنہا دیکھا تو تلوار سونت کر آ گیا اور بالکل آپ کے سر پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ جب آپ ﷺ کی آنکھ کھلی تو آپ نے دیکھا کہ اس کافر کے ہاتھ میں تلوار ہے اور آپ نہتے ہیں اور وہ کافر یہ کہہ رہا ہے کہ اے محمد (ﷺ) اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ اس شخص کو یہ خیال تھا کہ جب حضور اقدس ﷺ یہ دیکھیں گے کہ اس کے ہاتھ میں تلوار ہے اور میں نہتا ہوں اور اچانک یہ شخص میرے سر پر آ کھڑا ہوا ہے تو آپ گھبرا جائیں گے اور پریشان ہو جائیں گے، لیکن آپ کے چہرہ مبارک پر دور دور تک پریشانی کے کوئی آثار نمودار نہیں ہوئے۔ آپ ﷺ نے اطمینان سے جواب دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ بچائیں گے۔ جب اس شخص نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے اوپر پریشانی اور گھبراہت کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پر ایسا رعب مسلط فرما دیا کہ اس کے ہاتھوں میں لرزہ آ گیا اور اس لرزہ کی وجہ سے تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ اب سرکارِ دو عالم ﷺ نے وہ تلوار ہاتھ میں اُٹھالی اور فرمایا کہ اب بتاؤ تمہیں کون بچائے گا؟

اس واقعہ کے ذریعہ اس شخص کو یہ دعوت دینی تھی کہ درحقیقت تم اس تلوار پر بھروسہ کر رہے تھے

اور میں اس تلوار کے پیدا کرنے والے پر بھروسہ کر رہا تھا اور اس تلوار میں تاثیر دینے والے پر بھروسہ کر رہا تھا۔ یہ اُسوہ حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش فرمایا، اور اس کے نتیجے میں ایک ایک صحابی کا یہ حال تھا کہ وہ اسباب بھی اختیار کرتے تھے مگر ساتھ میں بھروسہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کرتے تھے۔

پہلے اسباب پھر توکل

ایک صحابی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں جنگل میں اُونٹنی لے کر جاتا ہوں اور وہاں نماز کا وقت آجاتا ہے، تو جب نماز کا وقت آجائے اور اس وقت جنگل میں نماز کی نیت باندنے کا ارادہ کروں تو اس وقت اپنی اُونٹنی کا پاؤں کسی درخت کے ساتھ باندھ کر نماز پڑھوں یا اس اُونٹنی کو نماز کے وقت کھلا چھوڑ دوں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کروں؟ جواب میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِعقِلْ ساقها وتوکّل، یعنی اس اُونٹنی کی پنڈلی رسّی سے باندھ کر پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ یعنی آزاد نہ چھوڑو بلکہ اس کو پہلے رسّی سے باندھ دو، لیکن باندھنے کے بعد پھر بھروسہ اس رسّی پر مت کرو بلکہ بھروسہ اللہ تعالیٰ پر کرو۔ اس لئے کہ وہ رسّی ٹوٹ بھی سکتی ہے، وہ رسّی دھوکہ بھی دے سکتی ہے۔ اسی حدیث کے مضمون کو مولانا رومیؒ ایک مصرعہ کے اندر بیان فرماتے ہیں کہ ؏

بہ توکل پایۂ اشتر بند

یعنی توکل پر اُونٹنی کا پاؤں باندھو۔ لہٰذا توکل اور اسباب کا اختیار کرنا یہ دونوں چیزیں ایک مؤمن کے ساتھ اس کی زندگی میں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ پہلے اسباب اختیار کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے کہہ دے اللّٰھم ھذا الجھد وعلیك التکلان. یا اللہ جو تدبیر اور جو کوشش میرے اختیار میں تھی وہ میں نے اختیار کر لی، اب آگے بھروسہ آپ کی ذات پر ہے۔

اسباب کی یقینی موجودگی کی صورت میں توکل

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی ایک لطیف بات یاد آگئی، وہ فرماتے ہیں کہ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ توکل صرف اسی صورت میں ہوتا ہے جب ظاہری اسباب کے ذریعہ کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے دونوں کا احتمال موجود ہو، ہوسکتا ہے کہ یہ کام ہوجائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کام نہ ہو، اس وقت تو توکل کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہئے، لیکن جہاں پر کسی کام کے ہوجانے کی یقینی صورت موجود ہو، وہاں پر اللہ تعالیٰ سے مانگنے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں،

وہ نہ توکل کا موقع ہے اور نہ ہی دعا کو موقع ہے۔

مثلاً ہم دستر خوان پر کھانا کھانے کے لئے بیٹھے ہیں، کھانا سامنے چنا ہوا ہے، بھوک لگی ہوئی ہے، یہ بات بالکل یقینی ہے کہ ہم یہ اُٹھا کر کھالیں گے، اب ایسے موقع پر کوئی شخص بھی نہ توکل کرتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! یہ کھانا مجھے کھلا دیجئے، اور نہ ہی کوئی شخص توکل اور دعا کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔

توکل کا اصل موقع یہی ہے

لیکن حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ توکل کا اصل موقع تو یہی ہے اور اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا اصل موقع یہی ہے۔ اس لئے کہ اگر اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مجھے اس ظاہری سبب پر بھروسہ نہیں ہے جو میرے سامنے رکھا ہے، بلکہ مجھے آپ کے رزق دینے پر، آپ کی تخلیق پر، آپ کی قدرت اور رحمت پر بھروسہ ہے۔ اس لئے جب کھانا سامنے دستر خوان پر آجائے تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ یا اللہ! یہ کھانا عافیت کے ساتھ کھلا دیجئے۔ کیونکہ اگرچہ غالب گمان یہ ہے کہ کھانا سامنے رکھا ہے، صرف ہاتھ بڑھا کر کھانے کی دیر ہے، لیکن یہ مت بھولو کہ یہ کھانا بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں ہوگا۔ کتنے واقعات ایسے پیش آچکے ہیں کہ کھانا دستر خوان پر رکھا تھا، صرف ہاتھ بڑھانے کی دیر تھی، لیکن کوئی ایسا عارض پیش آگیا یا کوئی ایسی پریشانی کھڑی ہوگئی یا کوئی ایسا حادثہ پیش آگیا کہ آدمی وہ کھانا نہیں کھاسکا، وہ کھانا رکھا کا رکھا رہ گیا۔ لہٰذا اگر کھانا سامنے موجود ہو تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ یا اللہ! یہ کھانا مجھے کھلا دیجئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس جگہ پر تمہیں یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہ کام ہو جائے گا، اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ یا اللہ! مجھے تو بظاہر نظر آرہا ہے کہ یہ کام ہو جائے گا، لیکن مجھے پتہ نہیں کہ حقیقت میں یہ کام ہو جائے گا یا نہیں، کیونکہ حقیقت میں تو آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اے اللہ! اس کام کو ٹھیک ٹھیک انجام تک پہنچا دیجئے۔

دونوں صورتوں میں اللہ سے مانگے

جو حدیث میں نے شروع میں بیان کی تھی، اس میں حضور اقدس ﷺ نے دو لفظ ارشاد فرمائے، وہ یہ کہ تمہیں یا تو اللہ تعالیٰ سے کوئی ضرورت پیش آئے یا کسی آدمی سے کوئی ضرورت پیش آئے۔ یہ دو لفظ اس لئے ارشاد فرمائے کہ بعض کام ایسے ہوتے ہیں جس میں کسی آدمی کی مدد یا اس کی

مداخلت کا کوئی راستہ ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے۔ مثلاً کسی شخص کو اولاد کی خواہش ہے، اب ظاہری اسباب میں بھی کسی انسان سے اولاد نہیں مانگی جا سکتی بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی جا سکتی ہے۔ بہر حال، وہ خواہش اور ضرورت خواہ ایسی ہو جو براہِ راست اللہ تعالیٰ دینے والے ہیں یا ایسی ضرورت ہو جو آدمی کے واسطے سے اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں، جیسے ملازمت اور روزی وغیرہ، دونوں صورتوں میں حقیقت میں تمہارا مانگنا اللہ تعالیٰ سے ہونا چاہئے۔

اطمینان سے وضو کریں

بہر حال، اب اگر تمہارے پاس وقت میں گنجائش ہے اور وہ کام بہت جلدی اور ایمرجنسی کا کام نہیں ہے تو اس کام کے لئے پہلے صلوٰۃ الحاجۃ پڑھو۔ اور صلوٰۃ الحاجۃ پڑھنے کا طریقہ اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے وضو کرو اور اچھی طرح وضو کرو۔ یعنی وہ وضو محض فرض ٹالنے کے انداز میں نہ کرو بلکہ یہ سمجھ کر کرو کہ یہ وضو درحقیقت ایک عظیم الشان عبادت کی تمہید ہے، اس وضو کے کچھ آداب اور کچھ سنتیں ہیں جو نبی کریم ﷺ نے تلقین فرمائی ہیں، ان سب کا اہتمام کر کے وضو کرو۔ ہم لوگ دن رات بے خیالی میں جلدی جلدی وضو کر کے فارغ ہو جاتے ہیں۔ بے شک اس طرح وضو کرنے سے وضو ہو تو جاتا ہے لیکن اس وضو کے انوار و برکات حاصل نہیں ہوتیں۔

وضو سے گناہ دُھل جاتے ہیں

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس وقت بندہ وضو کرتا ہے اور وضو کے دوران اپنا چہرہ دھوتا ہے تو چہرے سے جتنے گناہ کیے ہیں وہ سب چہرہ کے پانی کے ساتھ دُھل جاتے ہیں، اور جب دایاں ہاتھ دھوتا ہے تو دائیں ہاتھ کے جتنے گناہ ہوتے ہیں وہ سب دُھل جاتے ہیں، اور جب بایاں ہاتھ دھوتا ہے تو بائیں ہاتھ کے تمام گناہ دُھل جاتے ہیں۔ اس طرح جو جو عضو وہ دھوتا ہے اس عضو کے گناہِ صغیرہ معاف ہوتے چلے جاتے ہیں۔

میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب وضو کیا کرو تو ذرا یہ تصور کیا کرو کہ میں اپنا چہرہ دھو رہا ہوں تو حضور اقدس ﷺ کی بشارت کے مطابق میرے چہرے کے گناہ دُھل رہے ہیں، اب ہاتھ دھو رہا ہوں تو ہاتھ کے گناہ دُھل رہے ہیں، اسی تصور کے ساتھ مسح کرو اور اسی تصور کے ساتھ پاؤں دھوؤ۔ وہ وضو جو اس تصور کے ساتھ کیا جائے اور وہ وضو جو اس تصور کے بغیر کیا جائے، دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا اور اس وضو کا لطف محسوس ہوگا۔

وضو کے دوران کی دعائیں

بہر حال، ذرا دھیان کے ساتھ وضو کرو اور وضو کے جو آداب اور سنتیں ہیں، ان کو ٹھیک ٹھیک بجالاؤ۔ مثلاً قبلہ رُو ہو کر بیٹھو، اور ہر ہر عضو کو تین تین مرتبہ اطمینان سے دھونے کا اہتمام کرو اور وضو کی جو مسنون دعائیں ہیں وہ وضو کے دوران پڑھو۔ مثلاً یہ دعا پڑھو:

"اللهم اغفر لی ذنبی ووسع لی فی داری وبارك لی فی ما رزقتنی."(۱)

اور کلمۂ شہادت پڑھے:

"اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله."

اور وضو کے بعد یہ دعا پڑھے:

"اللهم اجعلنی من التوّابین واجعلنی من المتطهرین."(۲)

بس اچھی طرح وضو کرنے کا یہی مطلب ہے۔

''صلوٰۃ الحاجۃ'' کے لئے خاص طریقہ مقرر نہیں

پھر دو رکعت ''صلوٰۃ الحاجۃ'' کی نیت سے پڑھو، اور اس صلوٰۃ الحاجۃ کے طریقے میں کوئی فرق نہیں ہے، جس طرح عام نماز پڑھی جاتی ہے اسی طرح سے یہ دو رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ''صلوٰۃ الحاجۃ'' پڑھنے کا کوئی خاص طریقہ ہے۔ لوگوں نے اپنی طرف سے اس کے خاص خاص طریقے گھڑ رکھے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کے لئے خاص خاص سورتیں بھی متعین کر رکھی ہیں کہ پہلی رکعت میں فلاں سورۃ پڑھے اور دوسری رکعت میں فلاں سورہ پڑھے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن حضور اقدس ﷺ نے ''صلوٰۃ الحاجۃ'' کا جو طریقہ بیان فرمایا ہے اس میں نماز پڑھنے کا کوئی الگ طریقہ بیان نہیں فرمایا اور نہ کسی سورۃ کی تعیین فرمائی۔

البتہ بعض بزرگوں کے تجربات ہیں کہ اگر ''صلوٰۃ الحاجۃ'' میں فلاں فلاں سورتیں پڑھ لی جائیں تو بعض اوقات اس سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے، تو اس کو سنت سمجھ کر انسان اختیار نہ کرے، اس لئے کہ اگر سنت سمجھ کر اختیار کرے گا تو وہ بدعت کے زُمرے میں داخل ہو جائے گا۔ چنانچہ میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب صلوٰۃ الحاجۃ پڑھنی ہو تو پہلی رکعت میں سورۃ الم

(۱) رواه الترمذی، کتاب الدعوات، باب دعاء یقال فی اللیل۔
(۲) رواه الترمذی، کتاب الطہارۃ، باب فیما یقال بعد الوضوء۔

نشرح اور دوسری رکعت میں سورۃ ''اذا جاء نصر اللہ'' پڑھ لیا کرو۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سورتیں نمازِ حاجت میں پڑھنا سنت ہے بلکہ بزرگوں کے تجربے سے یہ پتہ چلا ہے کہ ان سورتوں کے پڑھنے سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص سنت سمجھے بغیر ان سورتوں کو پڑھے تو بھی ٹھیک ہے اور اگر ان کے علاوہ کوئی دوسری سورت پڑھ لے تو اس میں سنت کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی۔ بہر حال، صلوٰۃ الحاجۃ پڑھنے کا کوئی خاص طریقہ نہیں ہے بلکہ جس طرح عام نمازیں پڑھی جاتی ہیں، اسی طرح صلوٰۃ الحاجۃ کی دو رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ بس نماز شروع کرتے وقت دل میں یہ نیت کرلے کہ میں یہ دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ کے طور پر پڑھتا ہوں۔

نماز کے لئے نیت کس طرح کی جائے؟

یہاں پر یہ بھی عرض کردوں کہ آج کل لوگوں میں یہ مشہور ہوگیا ہے کہ ہر نماز کی نیت کے الفاظ علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں اور جب تک وہ الفاظ نہ کہے جائیں اس وقت تک نماز نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے لوگ بار بار یہ پوچھتے بھی رہتے ہیں کہ فلاں نماز کی نیت کس طرح ہوتی ہے؟ اور فلاں نماز کی نیت کس طرح ہوگی؟ اور لوگوں نے نیت کے الفاظ کو باقاعدہ نماز کا حصہ بنا رکھا ہے۔ مثلاً یہ الفاظ کہ ''نیت کرتا ہوں دو رکعت نماز کی، پیچھے اس امام کے، واسطے اللہ تعالیٰ کے، منہ میرا کعبہ شریف کی طرف وغیرہ وغیرہ''۔ خوب سمجھ لیں کہ نیت ان الفاظ کا نام نہیں ہے بلکہ نیت تو دل کے ارادے کا نام ہے۔ جب آپ نے گھر سے نکلتے وقت دل میں یہ نیت کرلی کہ میں ظہر کی نماز پڑھنے جارہا ہوں، بس نیت ہوگئی۔ میں نمازِ جنازہ پڑھنے جارہا ہوں، بس نیت ہوگئی۔ میں نمازِ عید پڑھنے جارہا ہوں، بس نیت ہوگئی۔ میں نمازِ حاجت پڑھنے جارہا ہوں، بس نیت ہوگئی۔ اب یہ الفاظ زبان سے کہنا نہ تو واجب ہیں نہ ضروری ہیں، نہ سنت ہیں، نہ مستحب ہیں، زیادہ سے زیادہ جائز ہیں، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ لہٰذا صلوٰۃ الحاجۃ پڑھنے کا نہ کوئی مخصوص طریقہ ہے اور نہ ہی نیت کے لئے الفاظ مخصوص ہیں، بلکہ عام نمازوں کی طرح دو رکعتیں پڑھ لو۔

دعا سے پہلے اللہ کی حمد و ثناء

پھر جب دو رکعتیں پڑھ لیں تو اب دعا کرو۔ اور یہ دعا کس طرح کرو، اس کے آداب بھی خود حضور اقدس ﷺ نے بتا دیئے۔ یہ نہیں کہ بس سلام پھیرتے ہی دعا شروع کردو، بلکہ سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرو اور یہ کہو: یا اللہ! تمام تعریفیں آپ کے لئے ہیں، آپ کا شکر اور احسان ہے

حمد وثناء کی کیا ضرورت ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کیوں کی جائے؟ اور اس کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی ایک وجہ تو علماء کرامؒ نے یہ بتائی ہے کہ جب آدمی کسی دنیاوی حاکم کے پاس اپنی غرض لے کر جاتا ہے تو پہلے اس کی تعظیم اور تکریم کے لئے کچھ الفاظ زبان سے ادا کرتا ہے تاکہ یہ خوش ہو کر میری مراد پوری کر دے۔ لہٰذا جب دنیا کے ایک معمولی سے حاکم کے سامنے پیش ہوتے وقت اس کے لئے تعریفی کلمات استعمال کرتے ہو تو جب تم احکم الحاکمین کے دربار میں جا رہے ہو تو اس کے لئے بھی تعریف کے الفاظ زبان سے کہو کہ یا اللہ! تمام تعریفیں آپ کے لئے ہیں اور آپ کا شکر و احسان ہے، آپ میری یہ ضرورت پوری فرما دیجئے۔

دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنے کی دوسری وجہ بھی ہے اور مجھے ذوقی طور پر اس دوسری وجہ کی طرف زیادہ رجحان ہوتا ہے، وہ وجہ یہ ہے کہ جب آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی حاجت پیش کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو چونکہ انسان اپنی ضرورت کا غلام ہے اور غرض کا بندہ ہے، اور جب اس کو کسی چیز کی ضرورت اور غرض پیش آتی ہے تو وہ ضرورت اس کے دل و دماغ پر مسلط ہو جاتی ہے، اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! میری فلاں ضرورت پوری فرما دیجئے۔ اس دعا کے وقت اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں اس دعا میں ناشکری کا پہلو شامل نہ ہو جائے کہ یا اللہ! آپ میری ضرورت پوری نہیں فرما رہے ہیں، میری حاجتیں آپ پوری نہیں فرما رہے ہیں۔ حالانکہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں بارش کی طرح برس رہی ہیں، دعا کے وقت ان نعمتوں کی طرف انسان کا دھیان نہیں جاتا اور بس اپنی ضرورت اور غرض کو لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ بہر حال، حضور اقدس ﷺ نے یہ تلقین فرمائی کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے حضور کوئی حاجت اور ضرورت لے کر جاؤ تو اس حاجت اور ضرورت کو اللہ تعالیٰ سے ضرور مانگو، لیکن پہلے اس بات کا استحضار کر لو کہ اس حاجت اور ضرورت کے ابھی تک پورا نہ ہونے کے باوجود تمہارے اُوپر اللہ تعالیٰ کی کتنی بے شمار نعمتیں بارش کی طرح برس رہی ہیں۔ پہلے ان کا تو شکر ادا کر لو کہ یا اللہ! یہ نعمتیں جو آپ نے اپنی رحمت سے مجھے دے رکھی ہیں، اس پر آپ کا شکر ہے اور آپ کی حمد ہے، آپ کی ثناء ہے، البتہ ایک حاجت اور ضرورت اور ہے، یا اللہ! اس کو بھی اپنے فضل سے پورا فرما دیجئے ـــــ تاکہ انسان کی دعا میں ناشکری کا شائبہ بھی پیدا نہ ہو۔

غم اور تکالیف بھی نعمت ہیں

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اپنی مجلس میں یہ مضمون بیان فرمارہے تھے کہ انسان کو زندگی میں جو غم، صدمے اور تکلیفیں پیش آتی ہیں، اگر انسان غور کرے تو یہ تکلیفیں بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں۔ بیماری بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ فقر و فاقہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اگر انسان کو حقیقت شناس نگاہ مل جائے تو وہ یہ دیکھے کہ یہ سب چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ چیزیں کس طرح سے نعمت ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب آخرت میں اللہ تعالیٰ تکالیف اور مصیبتوں پر صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرمائیں گے تو جن لوگوں پر دنیا میں زیادہ تکالیف اور مصیبتیں نہیں گزری ہوں گی، وہ تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں اور پھر ہم اس پر صبر کرتے اور اس صبر پر وہ اجر ملتا جو آج ان صبر کرنے والوں کو مل رہا ہے۔ بہر حال، حقیقت میں یہ تکالیف بھی نعمت ہیں، مگر چونکہ ہم کمزور ہیں اس وجہ سے ہمیں ان کے نعمت ہونے کا استحضار نہیں ہوتا۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی عجیب دعا

جب حضرت حاجی صاحبؒ یہ مضمون بیان فرمارہے تھے کہ اسی دوران مجلس میں ایک شخص آگیا جو معذور تھا اور مختلف بیماریوں میں مبتلا تھا، وہ آکر حضرت حاجی صاحبؒ سے کہنے لگا کہ حضرت! میرے لئے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس تکلیف سے نجات دے دیں۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جو حاضرینِ مجلس تھے، حیران ہوگئے کہ ابھی تو حضرت حاجی صاحبؒ فرمارہے تھے کہ ساری تکلیفیں اور مصیبتیں نعمت ہوتی ہیں اور اب یہ شخص تکلیف کے ازالے کی دعا کرا رہا ہے۔ اب اگر حضرت حاجی صاحبؒ اس شخص کے لئے تکلیف کے ازالے کی دعا کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نعمت کے ازالے کی دعا کریں گے! حضرت حاجی صاحبؒ نے اسی وقت ہاتھ اُٹھا کر یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! حقیقت میں یہ ساری تکلیفیں اور مصیبتیں نعمت ہیں، لیکن اے اللہ! ہم کمزور ہیں، آپ ہماری کمزوری پر نظر فرماتے ہوئے اس تکلیف کی نعمت کو صحت کی نعمت سے بدل دیجئے۔

تکلیف کے وقت دوسری نعمتوں کا استحضار

اور پھر عین تکلیف کے وقت انسان کو جو بیشمار نعمتیں حاصل ہوتی ہیں، انسان ان کو بھول جاتا

ہے۔ مثلاً اگر کسی کے پیٹ میں درد ہو رہا ہے تو اب وہ اس پیٹ کے درد کو لے کر بیٹھ جاتا ہے، لیکن وہ یہ نہیں دیکھتا کہ آنکھ جو اتنی بڑی نعمت اس کو ملی ہوئی ہے، اس میں کوئی تکلیف نہیں، کان کتنی بڑی نعمت ملی ہوئی ہے، اس میں کوئی تکلیف نہیں، زبان میں کوئی تکلیف نہیں، دانتوں میں کوئی تکلیف نہیں، سارے جسم میں اور کسی جگہ تکلیف نہیں، بس صرف پیٹ میں معمولی تکلیف ہو رہی ہے۔ اب یہ دعا ضرور کرو کہ یا اللہ! پیٹ کی تکلیف دور کر دیجئے، لیکن دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اس پر حمد و ثناء کرو کہ یا اللہ! جو اور بے شمار نعمتیں آپ نے عطا کی ہوئی ہیں، اے اللہ! ہم اس پر آپ کا شکر ادا کرتے ہیں، البتہ اس وقت جو یہ تکلیف آگئی ہے اس کے لئے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس تکلیف کو دور کر دیجئے۔

حضرت میاں صاحبؒ اور شکرِ نعمت

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے استاد تھے حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ۔ یہ مادر زاد ولی اللہ تھے اور عجیب وغریب بزرگ تھے۔ حضرت والد صاحب ان کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے پتہ چلا کہ حضرت میاں صاحب بیمار ہیں اور ان کو بخار ہے۔ میں عیادت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ وہ شدید بخار میں تپ رہے ہیں اور بخار کی کرب اور بے چینی کی تکلیف میں ہیں۔ میں نے جا کر سلام کیا اور پوچھا کہ حضرت! کیسے مزاج ہیں؟ طبیعت کیسی ہے؟ جواب میں فرمایا ”الحمد للہ، میری آنکھیں صحیح کام کر رہی ہیں، الحمد للہ میرے کان صحیح کام کر رہے ہیں، الحمد للہ میری زبان صحیح کام کر رہی ہے۔ جتنی تکلیفیں نہیں تھیں اُن سب کا ایک ایک کر کے ذکر کیا کہ ان سب میں کوئی بیماری نہیں ہے، البتہ بخار ہے، دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی دور فرما دے۔ یہ ہے ایک شکر گزار بندے کا عمل جو عین تکلیف میں بھی ان راحتوں اور نعمتوں کا استحضار کر رہا ہے جو اس وقت حاصل ہیں، جس کی وجہ سے اس تکلیف کی شدت میں بھی کمی آتی ہے۔

حاصل شدہ نعمتوں پر شکر

بہر حال، حضور اقدس ﷺ یہ جو تلقین فرما رہے ہیں کہ دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس وقت جو حاجت اور ضرورت پیش کرنے جا رہے ہو، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں اس وقت تمہیں حاصل ہیں، پہلے ان کا استحضار کر کے اُن پر شکر ادا کرو اور اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو۔

حمد و ثناء کے بعد درود شریف کیوں؟

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد کیا کرے؟ اس کے لئے ارشاد فرمایا کہ ولیصل علی النبی ﷺ ۔ حمد و ثناء کے بعد اور اپنی حاجت پیش کرنے سے پہلے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجو۔ اب سوال یہ ہے کہ اس وقت درود بھیجنے کا کیا موقع ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنی اُمت پر بہت ہی زیادہ شفیق اور مہربان ہیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ جب میرا اُمتی اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگے تو اس کی وہ دعا ردّ نہ ہو۔ پوری کائنات میں دورد شریف کے علاوہ کسی دعا کے بارے میں یہ گارنٹی نہیں ہے کہ وہ ضرور قبول ہوگی، لیکن اگر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا جائے تو اس کے بارے میں یہ گارنٹی یقینی ہے کہ وہ ضرور قبول ہوگا۔ جب ہم دورد بھیجتے ہیں اللهم صلی علی محمد وعلی اٰل محمد النبی الامیّ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! محمد رسول اللہ ﷺ پر رحمتیں نازل فرمایئے۔ یہ ایسی دعا ہے کہ اس کے ردّ ہونے کا کوئی امکان نہیں، اس کی قبولیت کا وعدہ ہے، اس کی قبولیت کی گارنٹی ہے کہ یہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ پر تو پہلے سے رحمتیں نازل ہو رہی ہیں اور مزید نازل ہوتی رہیں گی، وہ ہمارے درود بھیجنے کے محتاج نہیں ہیں۔

درود شریف بھی قبول اور دعا بھی قبول

لیکن حضور اقدس ﷺ یہ چاہتے ہیں کہ میرے اُمتی اپنی مراد اور ضرورت مانگنے سے پہلے مجھ پر درود بھیج دیں تو اللہ تعالیٰ اس درود کو ضرور قبول فرمائیں گے، اور جب درود شریف کو قبول فرمائیں گے تو اس حاجت اور ضرورت کی دعا کو بھی ضرور قبول فرمائیں گے، اس لئے کہ ان کی رحمت سے یہ بات بعید ہے کہ ایک دعا کو تو قبول فرمالیں اور دوسری دعا کو ردّ فرمادیں۔ اس لئے درود شریف کے بعد کی جانے والی دعا کی قبولیت کی زیادہ اُمید ہے۔

حضور ﷺ اور ہدیہ کا بدلہ

ایک دوسری وجہ میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ کا عمر بھر کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی شخص آپ کی خدمت میں کوئی ہدیہ لے کر آتا تو آپ ﷺ اس ہدیہ کا کچھ نہ کچھ بدلہ ضرور دیا کرتے تھے اور ہدیہ کی مکافات فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ درود شریف بھی ایک ہدیہ ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد

فرمایا کہ اگر کوئی شخص دُور سے درود شریف بھیجتا ہے تو وہ درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے، اور جو شخص قبر پر آ کر مجھ کو سلام کرے اور درود بھیجے تو میں خود اس کو سنتا ہوں۔ یہ درود شریف ایک اُمتی کا تحفہ اور ہدیہ ہے جو آپ ﷺ تک پہنچایا جاتا ہے۔ لہٰذا جب دنیا میں اور زندگی میں آپ ﷺ کی سنت یہ تھی کہ جب آپ کے پاس کوئی شخص ہدیہ لے کر آتا تو آپ اس کی مکافات فرمایا کرتے تھے اور اس ہدیہ کے بدلے ہدیہ دیا کرتے تھے، تو اُمید یہ ہے کہ عالمِ برزخ میں جب ایک اُمتی کی طرف سے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں درود شریف کا یہ ہدیہ پہنچے گا تو آپ اس ہدیہ کا بھی بدلہ عطا فرمائیں گے۔ وہ بدلہ یہ ہوگا کہ آپ ﷺ اس اُمتی کے حق میں دعائیں کریں گے کہ یا اللہ! اس اُمتی نے میرے لئے یہ تحفہ بھیجا ہے اور میرے لئے دعا کی ہے، اے اللہ! میں اس کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اس کی مراد پوری فرما دیں۔ لہٰذا جو اُمتی درود بھیجنے کے بعد دعا کرے گا تو حضور اکرم ﷺ اس کے لئے وہاں دعا فرمائیں گے۔ اس لئے جب دعا کرنے بیٹھو تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو اور پھر حضور اقدس ﷺ پر درود بھیجو۔

دعاءِ حاجت کے الفاظ

اس کے بعد دعا کے یہ الفاظ کہو "لا الٰہ الا اللّٰہ الحلیم الکریم"۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے اندر کیا کیا انوارات اور کیا کیا خواص پوشیدہ ہیں یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں یا اللہ کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، ہم لوگ اس کی تہہ تک کہاں پہنچ سکتے ہیں۔ ان اسماء حسنیٰ میں اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود خاصیتیں رکھی ہیں اس لئے جب خود حضور اقدس ﷺ یہ تلقین فرمائیں کہ ان اسماء حسنیٰ کا ذکر کرو تو اس کے پیچھے ضرور کوئی راز ہوتا ہے۔ لہٰذا خاص طور پر وہی کلمات کہنے چاہئیں تا کہ وہ مقصد حاصل ہو۔ چنانچہ فرمایا، لا الٰہ الا اللّٰہ الحلیم الکریم، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اللہ جو حلیم ہیں اور کریم ہیں۔ "حلم" بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور "کرم" بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ ان دونوں صفتوں کو خاص طور پر بظاہر اس لئے ذکر فرمایا کہ بندہ پہلے مرحلے پر ہی یہ اعتراف کرے کہ یا اللہ! میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ آپ میری دعا قبول کریں، اپنی ذات کے لحاظ سے میں اس لائق نہیں ہوں کہ آپ کی بارگاہ میں کوئی درخواست پیش کر سکوں، اس وجہ سے کہ میرے گناہ بیشمار ہیں، میری خطائیں بیشمار ہیں، میری بداعمالیاں اتنی ہیں کہ آپ کے حضور درخواست پیش کرنے کی لیاقت مجھ میں نہیں ہے، لیکن چونکہ آپ حلیم ہیں، بردباری آپ کی صفت ہے، اور اس کی وجہ سے کوئی بندہ چاہے وہ کتنا ہی خطا کار ہو، اس خطا کار کی خطاؤں کی وجہ سے جذبات میں آ کر آپ کوئی فیصلہ نہیں فرماتے، بلکہ اپنی صفتِ "حلم" کے تحت فیصلہ فرماتے ہیں، اس لئے میں صفتِ "حلم" کا واسطہ دے کر

دعا کرتا ہوں، اور آپ کی صفتِ ''حلم'' کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ میرے گناہوں سے درگزر فرمائیں۔ اور پھر صفتِ ''کرم'' کا معاملہ فرمائیں یعنی صرف یہ نہ ہو کہ گناہوں سے درگزر فرمائیں بلکہ اُوپر سے مزید نوازشیں عطا فرمائیں، مزید اپنا کرم میرے اُوپر فرمائیں۔ صفتِ کرم اور صفتِ حلم کا واسطہ دے کر دعا کرو۔

اس کے بعد فرمایا، سبحان الله رب العرش العظیم، اللہ تعالیٰ پاک ہے جو عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ والحمد لله رب العٰلمین اور تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ پہلے یہ تعریفی کلمات کہے اور اس کے بعد ان الفاظ کے ساتھ دعا کرے، اللهم انی اسألك موجبات رحمتك، اے اللہ میں آپ سے ان چیزوں کا سوال کرتا ہوں جو آپ کی رحمت کا موجب ہوں۔ وعزائم مغفرتك اور آپ کی پختہ مغفرت کا سوال کرتا ہوں۔ والغنيمة من كل بر اور اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ مجھے ہر نیکی سے حصہ عطا فرمایئے۔ والسلامة من كل اثم اور مجھے ہر گناہ سے محفوظ رکھئے۔ لا تدع لنا ذنبًا الا غفرته، ہمارا کوئی گناہ ایسا نہ چھوڑیئے جس کو آپ نے معاف نہ فرمایا ہو، یعنی ہر گناہ کو معاف فرما دیجئے۔ ولا همًّا الا فرجته، اور کوئی تکلیف ایسی نہ چھوڑیئے جس کو آپ نے دور نہ فرما دیا ہو۔ ولا حاجة هي لك رضى الا قضيتها يا ارحم الراحمين اور کوئی حاجت جس میں آپ کی رضامندی ہو ایسی نہ چھوڑیئے کہ اس کو آپ نے پورا نہ فرمایا ہو۔ یہ دعا کے الفاظ اور اس کا ترجمہ ہے اور مسنون دعاؤں کی کتابوں میں بھی یہ دعا موجود ہے، یہ دعا ہر مسلمان کو یاد کر لینی چاہئے۔ اس کے بعد پھر اپنے الفاظ میں جو حاجت مانگنا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ اُمید ہے اللہ تعالیٰ اس دعا کو ضرور قبول فرمائیں گے۔

ہر ضرورت کے لئے صلوٰۃ الحاجۃ پڑھیں

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ کی یہ سنت بیان کی گئی ہے کہ:

"كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا حزبه امر صلى."[1]

یعنی جب کبھی حضور اقدس ﷺ کو کوئی تشویش کا معاملہ پیش آتا تو آپ سب سے پہلے نماز کی طرف دوڑتے اور یہی صلوٰۃ الحاجۃ پڑھتے اور دعا کرتے کہ یا اللہ! یہ مشکل پیش آ گئی ہے، آپ اس کو دور فرما دیجئے۔ اس لئے ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے مقاصد کے لئے صلوٰۃ الحاجۃ کی کثرت کرے۔

(۱) رواہ ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب وقت قیام النبیؐ من اللیل۔

اگر وقت تنگ ہو تو صرف دعا کرے

یہ تفصیل تو اس صورت میں ہے جب انسان کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے وقت ہے اور دو رکعت پڑھنے کی گنجائش ہے، لیکن اگر جلدی کا موقع ہے اور اتنی مہلت نہیں ہے کہ وہ دو رکعت پڑھ کر دعا کرے، تو اس صورت میں دو رکعت پڑھے بغیر ہی دعا کے یہ الفاظ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ لیکن اپنی ہر حاجت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ضرور پیش کر دے، چاہے وہ چھوٹی حاجت ہو یا بڑی حاجت ہو۔ حتیٰ کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ لہٰذا جب چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا حکم دیا جا رہا ہے تو بڑی چیز اور زیادہ اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہئے۔ اور در حقیقت یہ چھوٹی اور بڑی ہماری نسبت سے ہے۔ جوتے کے تسمہ کا درست ہو جانا یہ چھوٹی بات ہے اور سلطنت کا مل جانا بڑی بات ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں۔ اُن کے نزدیک سب کام چھوٹے ہیں۔ ہماری بڑی سے بڑی حاجت، بڑے سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھوٹا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُن کی قدرت ہر چیز پر یکساں ہے۔ اس کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔ اس کے لئے کوئی کام بڑا نہیں۔ اس لئے بڑی حاجت ہو یا چھوٹی حاجت ہو، بس اللہ ہی سے مانگو۔

یہ پریشانیاں اور ہمارا حال

آج کل ہمارے شہر میں ہر شخص پریشان ہے، ہمارے شہر کی کیا حالت بنی ہوئی ہے۔ العیاذ باللہ۔ کوئی گھرانہ ایسا نہیں ہے جو ان حالات کی وجہ سے بے چینی اور بے تابی کا شکار نہ ہو۔ کوئی براہِ راست مبتلا ہے اور کوئی بالواسطہ مبتلا ہے، کوئی اندیشوں کا شکار ہے، کسی کی جان مال عزت آبرو محفوظ نہیں، سب کا بُرا حال ہے۔ لیکن دوسری طرف ہمارا حال یہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک اس صورتِ حال پر تبصرے تو بہت کرتے ہیں، جہاں چار آدمی بیٹھے اور تبصرے شروع ہو گئے، فلاں جگہ یہ ہو گیا، فلاں جگہ یہ ہو گیا، فلاں نے یہ غلطی کی، فلاں نے یہ غلطی کی، حکومت نے یہ غلطی کی وغیرہ، لیکن ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جن کو تڑپ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کی توفیق ہوئی، کہ یا اللہ! یہ مصیبت ہم پر مسلط ہے، ہمارے گناہوں کا وبال ہم پر مسلط ہے، ہماری شامتِ اعمال ہم پر مسلط ہے، یا اللہ! اپنی رحمت سے اس کو دور فرما دیں۔ بتائیے کہ ہم میں سے کتنوں کو اس کی توفیق ہوئی؟

تبصرہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں

۱۹۷۱ء میں جب مشرقی پاکستان کے سقوط کا واقعہ پیش آیا اور مسلمانوں کی تاریخ میں ذلت کا ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا جو اس موقع پر پیش آیا کہ نوے ہزار مسلمانوں کی فوج ہندوؤں کے آگے ہتھیار ڈال کر ذلیل ہوگئی۔ تمام مسلمانوں پر اس کے صدمے کا اثر تھا، سب لوگ پریشان تھے۔ اسی دوران میری حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کے یہاں حاضری ہوئی۔ میرے ساتھ میرے بڑے بھائی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم بھی تھے۔ جب وہاں پہنچے تو کچھ خاص خاص لوگ وہاں موجود تھے۔ اب وہاں پر تبصرے شروع ہوگئے کہ اس کے اسباب کیا تھے؟ کون اس کا سبب بنا؟ کس کی غلطی ہے؟ کسی نے کہا کہ فلاں پارٹی کی غلطی ہے۔ کسی نے کہا کہ فلاں پارٹی کی غلطی ہے۔ کسی نے کہا کہ فوج کی غلطی ہے۔ حضرت والاؒ تھوڑی دیر تک سب کی باتیں سنتے رہے، اس کے بعد حضرت والاؒ فرمانے لگے کہ اچھا بھائی! آپ لوگوں نے کوئی فیصلہ کرلیا کہ کون مجرم ہے؟ اور کون بے گناہ ہے؟ اور اس فیصلے کے نتائج کیا نکلے؟ جو مجرم ہے کیا اس کو سزا دو گے؟ اور جو بے گناہ ہے اس کی برأت کا اظہار کردو گے؟ یہ بتاؤ کہ اتنی دیر تک تم جو تبصرے کرتے رہے اس کا کیا نتیجہ نکلا؟ کیا دنیا یا آخرت کا کوئی فائدہ تمہیں حاصل ہوا؟

تبصرہ کے بجائے دعا کریں

اگر اتنی دیر تم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیتے اور اللہ تعالیٰ سے کہتے کہ یا اللہ! ہماری شامتِ اعمال کے نتیجے میں ہم پر یہ مصیبت آگئی ہے، اے اللہ! ہمیں معاف فرما اور ہم سے اس مصیبت کو دور فرما اور ہماری شامتِ اعمال کو رفع فرما اور اس ذلت کو عزت سے بدل دیجئے۔ اگر یہ دعا کرلی ہوتی تو کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرما لیتے، اور اگر بالفرض وہ دعا قبول نہ ہوتی تب بھی اس دعا کے کرنے کا ثواب تو حاصل ہو جاتا اور آخرت کی نعمت تمہیں حاصل ہو جاتی۔ اب یہ تم نے بیٹھ کر جو فضول تبصرے کیے اس سے نہ کوئی دنیا کا فائدہ ہوا اور نہ ہی آخرت کا کوئی فائدہ ہوا۔

اس وقت ہماری آنکھیں کھلیں کہ واقعۃً ہم دن رات اس مرض میں مبتلا ہیں کہ دن رات بس ان باتوں پر تبصرے ہو رہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر مانگنے کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ ہم میں کتنے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے ان حالات سے بیتاب ہو کر اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کیں اور صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر دعا کی ہو، کہ یا اللہ! میں صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ رہا ہوں، اے اللہ! اپنی رحمت سے یہ

عذاب ہم سے دور فرما دیجئے۔ یہ کام شاذونادر ہی کسی اللہ کے بندے نے کیا ہوگا، لیکن صبح سے لے کر شام تک تبصرے ہو رہے ہیں، وقت ان تبصروں میں صرف ہو رہا ہے، اور پھر ان تبصروں میں معلوم نہیں کتنی غیبت ہو رہی ہے، کتنے بہتان باندھے جا رہے ہیں، اور ان کے ذریعہ اُلٹا اپنے سر گناہ لے رہے ہیں۔

اللہ کی طرف رجوع کریں

تمام حضرات سے درخواست ہے کہ وہ ان حالات میں دعا کی طرف توجہ کریں۔ اگر کسی کے بس میں کوئی تدبیر ہے تو وہ تدبیر اختیار کرے اور اگر تدبیر اختیار میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا تو ہر ایک کے اختیار میں ہے۔ ہمارے اندر سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا سلسلہ اب ختم ہوتا جا رہا ہے۔ ہمیں یاد ہے کہ جب پاکستان بن رہا تھا، اس وقت ملک میں فسادات ہو رہے تھے، اس وقت دیوبند اور دوسرے شہروں میں گھر گھر آیتِ کریمہ کا ختم ہو رہا تھا۔ کسی کی طرف سے اپیل نہیں تھی، بلکہ مسلمان اپنی تحریک سے اور اپنے شوق سے اور ضرورت محسوس کر کے گھر گھر اور محلہ محلہ آیتِ کریمہ کا ختم کر رہے تھے۔ عورتیں اپنے گھروں میں بیٹھی ہوئی آیتِ کریمہ کا ختم کر رہی تھیں اور دعائیں ہو رہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس مصیبت سے نکال دے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس مصیبت سے نجات دیدی۔

پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں

آج ہمارے شہر میں سب کچھ ہو رہا ہے، آنکھوں کے سامنے لاشیں تڑپ رہی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ کیا آپ نے کہیں سنا کہ محلّوں میں یا گھروں میں آیتِ کریمہ کا ختم کیا جا رہا ہو اور دعا کرنے کا اہتمام ہو رہا ہو۔ بلکہ یہ ہو رہا ہے کہ آنکھوں کے سامنے لاشیں تڑپ رہی ہیں، موت آنکھوں کے سامنے ناچ رہی ہے، اور لوگ گھروں میں بیٹھ کر وی سی آر دیکھ رہے ہیں۔ اب بتایئے ان حالات میں اللہ تعالیٰ کا قہر اور عذاب نازل نہ ہو تو کیا ہو۔ تمہارے سامنے اچھا خاصا آدمی ذرا سی دیر میں دنیا سے چل بسا، لیکن پھر بھی تمہاری آنکھیں نہیں کھلتیں، پھر بھی تم گناہوں کو نہیں چھوڑتے، پھر بھی اللہ کی نافرمانی پر کمر باندھے ہوئے ہو۔

اپنی جانوں پر رحم کرتے ہوئے یہ کام کرلو

خدا کے لئے اپنی جانوں پر رحم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا سلسلہ شروع کر دو۔ اور کون مسلمان ایسا ہے جو یہ نہیں کرسکتا کہ وہ اس مقصد کے لئے دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ کی نیت سے پڑھ لیا کرے۔ دو رکعتیں پڑھنے میں کتنی دیر لگتی ہے، اوسطاً دو رکعت پڑھنے میں دو منٹ لگتے ہیں، اور دو رکعت کے بعد دعا کرنے میں تین منٹ مزید لگ جائیں گے۔ اپنی اس قوم اور اس ملت کے لئے پانچ منٹ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر دعا مانگنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی تو پھر کس منہ سے کہتے ہو کہ ہمیں قوم میں ہونے والے ان فسادات کی وجہ سے صدمہ اور رنج اور تکلیف ہو رہی ہے۔ لہٰذا جب تک ان فسادات کا سلسلہ جاری ہے، اس وقت تک روزانہ دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ اور خدا کے لئے اپنی جانوں پر رحم کرتے ہوئے اپنے گھروں سے نافرمانی کے ذرائع اور آلے کو نکال دو اور نافرمانی اور گناہ کے سلسلے کو بند کر دو، اور اللہ تعالیٰ کے حضور رو رو کر اور گڑگڑا کر دعا کرو۔ آیتِ کریمہ لا الٰه الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین کا ختم کرو اور ''یا سلام'' کا وِرد کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ فضول تبصروں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اس کام میں لگو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

رزق کی طلب مقصودِ زندگی نہیں

”طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة.“

(کنز العمال، جلد ۴، رقم ۹۲۳۱)

رزق کی طلب مقصودِ زندگی نہیں

اس حدیث نے جہاں ایک طرف رزقِ حلال کی اہمیت بتائی کہ رزقِ حلال کی طلب دین سے خارج کوئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے، وہاں اس حدیث نے ہمیں رزقِ حلال کی طلب کا درجہ بھی بتا دیا کہ اس کا کتنا درجہ اور کتنی اہمیت ہے۔ آج کی دنیا نے معاش کو، معیشت کو اور روپے پیسے کمانے کو اپنی زندگی کا مقصدِ اصلی قرار دے رکھا ہے۔ آج ہماری ساری دوڑ دھوپ اسی کے گرد گھوم رہی ہے کہ پیسہ کس طرح حاصل ہو، کس طرح پیسوں میں اضافہ کیا جائے اور کس طرح اپنی معیشت کو ترقی دی جائے، اور اسی کو ہم نے اپنی زندگی کی آخری منزل قرار دے رکھا ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس حدیث میں بتا دیا کہ رزقِ حلال کی طلب فریضہ تو ہے لیکن دوسرے فرائضِ دینیہ کے بعد اس کا درجہ آتا ہے، یہ انسان کی زندگی کا مقصدِ اصلی نہیں ہے بلکہ یہ ایک ضرورت ہے اور اس ضرورت کے تحت انسان کو نہ صرف یہ کہ رزقِ حلال کے طلب کی اجازت دی گئی ہے بلکہ اس کی ترغیب اور تاکید کی گئی ہے کہ تم رزقِ حلال طلب کرو، لیکن یہ رزقِ حلال کی طلب تمہارا مقصدِ زندگی نہیں ہے بلکہ مقصدِ زندگی کچھ اور ہے، اور وہ اللہ جل جلالہ کے ساتھ تعلق قائم کرنا، اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کرنا ہے۔ یہ انسان کا اصل مقصدِ زندگی ہے اور معیشت کا درجہ اس کے بعد آتا ہے۔ (۱)

روزگار اور معیشت کا نظامِ خداوندی

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں روزگار اور معیشت کا ایک عجیب نظام بنایا ہے جس کو ہماری عقل نہیں پہنچ سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَعِيۡشَتَهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا" (۲)

یعنی ہم نے دنیاوی زندگی میں ان کی معیشت تقسیم کی ہے۔ وہ اس طرح کہ کسی انسان کے دل میں حاجت پیدا کی اور دوسرے انسان کے دل میں اس حاجت کو پورا کرنے کا طریقہ ڈال دیا۔ ذرا غور کریں کہ انسان کی حاجتیں اور ضرورتیں کتنی ہیں؟ روٹی کی اسے ضرورت ہے، کپڑے کی اسے

(۱) اصلاحی خطبات ۱۰/۲۰۱، ۲۰۲۔ (۲) الزخرف: ۳۲۔

ضرورت ہے، مکان کی اسے ضرورت ہے، گھر کا ساز وسامان اور برتنوں کی اسے ضرورت ہے، گویا کہ انسان کو زندگی گزارنے کے لئے بے شمار اشیاء کی ضرورت پڑتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا پوری دنیا کے انسانوں نے مل کر کوئی کانفرنس کی تھی اور اس کانفرنس میں انسان کو پیش آنے والی ضروریات کو شمار کیا تھا۔ اور پھر آپس میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ اتنے لوگ کپڑا بنائیں، اتنے انسان برتن بنائیں، اتنے انسان جوتے بنائیں، اتنے انسان گندم پیدا کریں اور اتنے انسان چاول پیدا کریں وغیرہ۔ اگر تمام انسان مل کر کانفرنس کر کے یہ طے کرنا چاہتے تب بھی یہ انسان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ انسانوں کی تمام ضروریات کا احاطہ کرلیں، اور پھر آپس میں تقسیم کار بھی کریں کہ تم یہ کام کرنا، تم فلاں چیز کی دکان کرنا اور تم فلاں چیز کی دکان کرنا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا قائم کیا ہوا نظام ہے کہ اس نے ایک انسان کے دل میں یہ ڈال دیا کہ تم گندم اُگاؤ، دوسرے انسان کے دل میں یہ ڈال دیا کہ تم آٹے کی چکی لگاؤ، ایک کے دل میں یہ ڈال دیا کہ چاول پیدا کرو، ایک انسان کے دل میں یہ ڈال دیا کہ تم گھی کی دکان لگاؤ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے دل میں ان حاجات کو ڈال دیا جو تمام انسانوں کی حاجتیں ہیں، چنانچہ جب آپ کسی ضرورت کو پورا کرنا چاہیں اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آپ کے پاس پیسے بھی ہوں تو بازار میں آپ کی وہ حاجت انشاء اللہ ضرور پوری ہو جائے گی۔

تقسیمِ رزق کا حیرت ناک واقعہ

میرے بڑے بھائی جناب زکی کیفی صاحب، اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے، آمین، حضرت تھانویؒ کے صحبت یافتہ تھے۔ ایک دن اُنہوں نے فرمایا کہ تجارت میں بعض اوقات اللہ تعالیٰ ایسے ایسے منظر دکھاتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رزاقیت کے آگے سجد ریز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لاہور میں اُن کی دینی کتابوں کی دکان ''ادارۂ اسلامیات'' کے نام سے ہے، وہاں بیٹھا کرتے تھے۔ فرمایا کہ ایک دن جب میں نے صبح کو گھر سے دکان جانے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ شدید بارش شروع ہوگئی۔ اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ ایسی شدید بارش ہو رہی ہے، اس وقت سارا نظامِ زندگی تلپٹ ہے، ایسے میں دکان جا کر کیا کروں گا؟ کتاب خریدنے کے لئے کون دکان پر آئے گا۔ اس لئے کہ ایسے وقت میں اوّل تو لوگ گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ اگر نکلتے بھی ہیں تو شدید ضرورت کے لئے نکلتے ہیں، کتاب اور خاص طور پر دینی کتاب تو ایسی چیز ہے کہ جس سے نہ تو بھوک مٹ سکتی ہے، نہ کوئی دوسری ضرورت پوری ہوسکتی ہے، اور جب انسان کی دنیاوی تمام ضروریات پوری ہو جائیں تو اس کے بعد کتاب کا خیال آتا ہے، لہٰذا ایسے میں کون گاہک کتاب خریدنے آئے گا؟ اور میں دکان پر جا کر کیا

کروں گا؟ لیکن ساتھ ہی دل میں یہ خیال آیا کہ میں نے تو اپنے روزگار کے لئے ایک طریقہ اختیار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس طریقے کو میرے لئے رزق کے حصول کا ایک ذریعہ بنایا ہے، اس لئے میرا کام یہ ہے کہ میں جا کر دکان کھول کر بیٹھ جاؤں، چاہے کوئی گاہک آئے یا نہ آئے۔ بس میں نے چھتری اُٹھائی اور دکان کی طرف روانہ ہوگیا، جا کر دکان کھولی اور قرآن شریف کی تلاوت شروع کر دی، اس خیال سے کہ گاہک تو کوئی آئے گا نہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ لوگ اپنے اُوپر برساتی ڈال کر آرہے ہیں اور کتابیں خرید رہے ہیں اور ایسی کتابیں خرید رہے ہیں کہ جن کی بظاہر وقتی ضرورت بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ چنانچہ جتنی بکری اور دنوں میں ہوتی تھی تقریباً اتنی ہی بکری اس بارش میں بھی ہوئی۔ میں سوچنے لگا کہ یا اللہ! اگر کوئی انسان عقل سے سوچے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس آندھی اور طوفان والی تیز بارش میں کون دینی کتاب خریدنے آئے گا؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ جا کر کتاب خریدیں۔ اور میرے دل میں یہ ڈالا کہ تم جا کر دکان کھولو۔ مجھے پیسوں کی ضرورت تھی اور اُن کو کتاب کی ضرورت تھی۔ اور دونوں کو دکان پر جمع کر دیا۔ اُن کو کتاب مل گئی مجھے پیسے مل گئے۔ یہ نظام صرف اللہ تعالیٰ بنا سکتے ہیں، کوئی شخص یہ چاہے کہ میں منصوبے کے ذریعہ اور کانفرنس کر کے یہ نظام بنالوں، باہمی منصوبہ بندی کر کے بنالوں تو کبھی ساری عمر نہیں بنا سکتا۔

رات کو سونے اور دن میں کام کرنے کا فطری نظام

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ذرا اس بات میں غور کرو کہ سارے انسان رات کے وقت سوتے ہیں اور دن کے وقت کام کرتے ہیں۔ اور رات کے وقت نیند آتی ہے اور دن کے وقت نیند بھی نہیں آتی۔ تو کیا ساری دنیا کے انسانوں نے مل کر کوئی انٹرنیشنل کانفرنس کی تھی جس میں سب انسانوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ دن کے وقت کام کریں گے اور رات کے وقت سویا کریں گے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ رات کے وقت سو جاؤ اور دن کے وقت کام کرو۔

"وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا"

اگر یہ چیز انسان کے اختیار میں دے دی جاتی کہ وہ جب چاہے کام کرے اور جس وقت چاہے سو جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کوئی شخص کہتا کہ میں دن کو سوؤں گا اور رات کو کام کروں گا، کوئی کہتا کہ میں شام کو سوؤں گا اور صبح کے وقت کام کروں گا، کوئی کہتا کہ میں صبح کے وقت سوؤں گا اور شام کے وقت کام کروں گا۔ پھر اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک وقت میں ایک شخص سونا چاہ رہا ہے اور

دوسرا شخص اسی وقت کھٹ پٹ کر رہا ہے اور اپنا کام کر رہا ہے، اور اس کی وجہ سے دوسرے کی نیند خراب ہوتی۔ اس طرح دنیا کا نظام خراب ہو جاتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اُس نے ہر انسان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ دن کے وقت کام کرو اور رات کے وقت آرام کرو۔ اور اس کو فطرت کا ایک تقاضہ بنا دیا۔

رزق کا دروازہ بند مت کرو

بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی معیشت کا نظام بھی خود بنایا ہے اور ہر ایک کے دل میں یہ ڈال دیا کہ تم یہ کام کرو اور تم یہ کام کرو، لہٰذا جب تم کو کسی کام پر لگا دیا گیا اور تمہارا رزق ایک ذریعہ سے وابستہ کر دیا گیا تو یہ کام خود سے نہیں ہو گیا بلکہ کسی کرنے والے نے کیا، اور کسی مصلحت سے کیا، لہٰذا اب بلاوجہ اس حلال ذریعہ رزق کو چھوڑ کر کوئی اور ذریعہ اختیار کرنے کی فکر مت کرو۔ کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اسی ذریعہ میں کوئی مصلحت رکھی ہو۔ اور تمہارے اس کام میں لگنے کی وجہ سے نہ جانے کتنے لوگوں کے کام نکل رہے ہوں، اور تم اس وقت پوری نظامِ معیشت کا ایک حصہ اور پرزہ بنے ہوئے ہو، اس لئے اپنی طرف سے اس ذریعہ کو مت چھوڑو، البتہ اگر کسی وجہ سے وہ ملازمت یا وہ تجارت خود ہی چھوٹ جائے یا اس کے اندر ناموافقت پیدا ہو جائے، مثلاً دکان پر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا ہے اور کوشش کے باوجود آمدنی بالکل نہیں ہو رہی ہے، تو اس صورت میں بیشک اس ذریعہ کو چھوڑ کر دوسرا ذریعہ اختیار کر لے۔ لیکن جب تک کوئی ایسی صورت پیدا نہ ہو، اس وقت تک خود سے رزق کا دروازہ بند نہ کرے۔

یہ عطاء خداوندی ہے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ ؎

چیزیکہ بے طلب رسد آں دادۂ خدا است
او را تو رد مکن کہ فرستادۂ خدا است

یعنی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز طلب کیے بغیر مل جائے تو اس کو منجانب اللہ سمجھ کر اس کو رد نہ کرو، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہے۔ بہر حال، اللہ تعالیٰ نے جس ذریعہ سے تمہارا رزق وابستہ کیا ہے اس سے لگے رہو، جب تک کہ خود ہی حالات نہ بدل جائیں۔

ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

اس حدیث کے تحت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ:

''اہلِ طریق نے اسی پر تمام معاملات کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے ساتھ واقع ہوتے ہیں، قیاس کیا ہے، جن کی معرفت، بصیرت اور فراست خصوصاً واقعات سے ہو جاتی ہے، اس معرفت کے بعد وہ ان میں تغیر اور تبدل از خود نہیں کرتے، اور یہ امر قوم کے نزدیک مثل بدیہیات کے بلکہ مثل محسوسات کے ہے، جس کی وہ اپنے احوال میں رعایت رکھتے ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں جو بات فرمائی گئی ہے وہ اگرچہ براہِ راست رزق سے متعلق ہے، لیکن صوفیاء کرام اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکالتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کے ساتھ جو بھی معاملہ کر رکھا ہے، مثلاً علم میں، خلقِ خدا کے ساتھ تعلقات میں، یا کسی اور چیز میں اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کوئی معاملہ کر رکھا ہے، تو وہ شخص اس کو اپنی طرف سے بدلنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اس پر قائم رہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خلافت کیوں نہیں چھوڑی؟

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا جو مشہور واقعہ ہے کہ اُن کی خلافت کے آخری دور میں اُن کے خلاف ایک طوفان کھڑا ہو گیا اور اس کی وجہ بھی خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائیں گے، اور تم اپنے اختیار سے اس قمیص کو مت اُتارنا، لہٰذا یہ خلافت جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے، یہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خلافت کی قمیص پہنائی ہے، میں اپنے اختیار سے اس کو نہیں اُتاروں گا۔ چنانچہ آپ نے نہ تو خلافت چھوڑی اور نہ ہی باغیوں کے خلاف تلوار اُٹھائی، اور نہ اُن کا قلع قمع کرنے کا حکم دیا۔ حالانکہ آپ امیر المؤمنین اور خلیفۂ وقت تھے، آپ کے پاس لشکر اور فوج تھی، آپ چاہتے تو باغیوں کے خلاف مقابلہ کر سکتے تھے، لیکن آپ نے فرمایا کہ چونکہ یہ باغی اور مجھ پر حملہ کرنے والے بھی مسلمان ہیں، اور میں نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کے خلاف تلوار اُٹھانے والا پہلا شخص میں ہو جاؤں۔ چنانچہ آپ نے نہ تو خلافت چھوڑی اور نہ ہی باغیوں کا مقابلہ کیا، بلکہ اپنے گھر کے اندر ہی محصور ہو کر بیٹھ گئے، حتیٰ کہ اپنی جان قربان کر دی اور جامِ شہادت نوش فرمایا۔ شہادت قبول کر لی لیکن خلافت نہیں چھوڑی۔ یہ وہی بات ہے جس کی طرف

حضرت تھانویؒ نے اشارہ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے ذمے ایک کام سپرد کر دیا تو اس میں لگے رہو، اپنی طرف سے اس کو مت چھوڑو۔ (۱)

رزق کی تقسیم من جانب اللہ

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی شخص کے لئے حصولِ رزق کا ایک ذریعہ مقرر فرما دیا، وہ شخص اس میں لگا ہوا ہے اور اس کے ذریعہ اُس کو رزق مل رہا ہے تو اب بلاوجہ اس روزگار کو چھوڑ کر الگ نہ ہو، بلکہ اس میں لگا رہے، تاوقتیکہ وہ خود اُس کے ہاتھ سے نکل جائے یا ایسی ناموافقت پیدا ہو جائے کہ اب آئندہ اس کو جاری رکھنا پریشانی کا سبب ہوگا۔ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی ذریعہ سے رزق وابستہ کر دیا ہے تو یہ اللہ جل شانہ کی عطا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو اس کام میں لگایا گیا ہے اور اس سے وابستہ کیا گیا ہے، کیونکہ ویسے تو رزق کے حصول کے ہزاروں راستے اور طریقے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے لئے کسی خاص طریقے کو رزق حاصل کرنے کا سبب بنا دیا تو یہ منجانب اللہ ہے، اب اس منجانب اللہ طریقے کو اپنی طرف سے بلاوجہ نہ چھوڑے۔

حلال روزگار نہ چھوڑیں

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من رزق فى شيئ فَلْيلزمه. من جُعِلَت معيشة فى شئ فلا ينتقل عنه حتى يتغير عليه. (۲)

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو جس کام کے ذریعہ رزق مل رہا ہو، اس کو چاہئے کہ وہ اس کام میں لگا رہے، اپنے اختیار اور مرضی سے بلاوجہ اس کو نہ چھوڑے اور جس شخص کا روزگار اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہو تو وہ شخص اس روزگار کو چھوڑ کر دوسری طرف منتقل نہ ہو، جب تک کہ وہ روزگار خود سے بدل جائے یا اس روزگار میں خود سے ناموافقت پیدا ہو جائے۔ (۳)

---

(۱) اصلاحی ۷/۱۳۱ تا ۱۳۹۔
(۲) کنز العمال، رقم الحدیث ۹۲۸۶، اتحاف السادۃ المتقین ۴/۲۸۷۔
(۳) اصلاحی خطبات ۷/۱۳۱۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ اپنی خاص طلب کے بغیر جو چیز ملے وہ منجانب اللہ ہے، اس کی ناقدری مت کرو۔

چیزیکہ بے طلب رسد آں دادۂ خدا ست
او را تو رد مکن کہ فرستادۂ خدا ست

وہ چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہے اس کو ردمت کرو۔ اللہ تعالیٰ بچائے! بعض اوقات اس رد کرنے اور بے نیازی کا اظہار کرنے سے انجام بہت خراب ہو جاتا ہے، العیاذ باللہ۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وبال آ جاتا ہے۔ لہٰذا جو چیز طلب کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آ جائے یا ایسے خداساز اسباب کے ذریعہ یعنی ایسے اسباب کے ذریعہ کوئی چیز مل گئی جس کا پہلے وہم و گمان بھی نہیں تھا، بشرطیکہ وہ حلال اور جائز ہو تو منجانب اللہ سمجھ کر اس کو قبول کر لینا چاہئے۔ اسی طرح جس خدمت پر اللہ تعالیٰ کسی کو لگا دے تو اس کو اس خدمت پر لگا رہنا چاہئے، اس خدمت سے اپنے طور پر دستبردار ہونے کی کوشش نہ کرے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس خدمت پر لگا دیا ہے اور تم سے وہ خدمت لے رہے ہیں۔ اسی طرح اگر تمہیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری طلب کے بغیر کوئی مقام اور منصب عطا فرما دیا، مثلاً اللہ تعالیٰ نے تمہیں سردار بنا دیا اور لوگ تمہیں اپنا قائد سمجھتے ہیں تو سمجھ لو کہ یہ اللہ تعالیٰ نے ایک خدمت تمہارے ذمے سپرد کی ہے، تمہیں اس خدمت کا حق ادا کرنا ہے، لیکن اپنے بارے میں یہ خیال کرو کہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے تو میں نہ تو قائد بننے کے لائق ہوں اور نہ سردار بننے کے لائق ہوں، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس خدمت پر لگا دیا ہے اس لئے اس خدمت پر لگا ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب کو دین کی صحیح فہم عطا فرمائے اور ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔ (۱)

رزق کی طلب میں فرائض کا ترک جائز نہیں

البتہ جس جگہ پر معیشت میں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے عائد کردہ فرائض کے درمیان ٹکراؤ ہو جائے، وہاں پر اللہ تعالیٰ کے عائد کیے ہوئے فرائض کو ترجیح ہوگی۔ بعض لوگ افراط کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں، جب اُنہوں نے یہ سنا کہ طلبِ حلال بھی دین کا ایک حصہ ہے تو اس کو اتنا آگے بڑھایا کہ

(۱) اصلاحی خطبات ۱۴۳/۷۔

اس طلبِ حلال کے نتیجے میں اگر نمازیں ضائع ہو رہی ہیں تو اُن کو اس کی پرواہ نہیں، روزے چھوٹ رہے ہیں تو اُن کو اس کی پرواہ نہیں، حلال وحرام ایک ہو رہا ہے تو اُن کو اس کی پرواہ نہیں۔ اگر ان سے کہا جائے کہ نماز پڑھو تو جواب دیتے ہیں کہ یہ کام جو ہم کر رہے ہیں یہ بھی تو دین کا ایک حصہ ہے، ہمارے دین میں دین ودنیا کی کوئی تفریق نہیں ہے، لہٰذا جو کام ہم کر رہے ہیں یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے۔

ایک ڈاکٹر صاحب کا استدلال

کچھ عرصہ پہلے ایک خاتون نے مجھے بتایا کہ ان کے شوہر ڈاکٹر ہیں، وہ مطب کے اوقات میں نماز نہیں پڑھتے اور جب مطلب بند کر کے گھر واپس آتے ہیں تو گھر آ کر تینوں نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے ہیں۔ میں ان سے کہتی ہوں کہ آپ نماز کو قضا کر دیتے ہیں یہ اچھا نہیں ہے، آپ وقت پر نماز پڑھ لیا کریں، تو جواب میں شوہر کہتے ہیں کہ اسلام نے خدمتِ خلق سکھائی ہے اور یہ ڈاکٹری اور مطب جو کر رہے ہیں یہ بھی خدمتِ خلق کر رہے ہیں اور یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے، اب اگر ہم نے خدمتِ خلق کی خاطر نماز کو چھوڑ دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اب دیکھئے! حلال کمانے کے لئے اُنہوں نے اوّلین دینی فریضے کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ حضور اقدس ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ طلب الحلال فریضة بعد الفريضة، یہ فریضہ تو ہے لیکن بعد الفرائض ہے، لہٰذا اگر کسبِ معاش کے فریضے میں اور اوّلین دینی فرائض کے درمیان ٹکراؤ ہو جائے تو اس وقت دینی فریضہ غالب رہے گا۔

ایک لوہار کا قصہ

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے یہ واقعہ سنا کہ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ بڑے اُونچے درجے کے ولی اللہ، فقیہ اور محدث اور صوفی تھے۔ اُن کو اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے درجات عطا فرمائے تھے۔ جب اُن کا انتقال ہو گیا تو کسی نے اُن کو خواب میں دیکھا تو اُن سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ جواب میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم فرمایا اور بہت کچھ نوازشیں فرمائیں، لیکن میرے گھر کے سامنے ایک لوہار رہتا تھا، اس لوہار کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام بخشا وہ ہمیں نصیب نہ ہو سکا۔ جب اس شخص کی آنکھ کھلی تو اُس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ پتہ کرنا چاہئے کہ وہ کون لوہار تھا اور وہ کیا عمل کرتا تھا کہ اُس کا درجہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے بھی آگے بڑھ گیا۔ چنانچہ وہ شخص حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے محلے

میں گیا اور معلومات کیں تو پتہ چلا کہ واقعۃً اُن کے گھر کے سامنے ایک لوہار رہتا تھا اور اُس کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ اس کے گھر جا کر اُس کی بیوی سے پوچھا کہ تمہارا شوہر کیا کام کرتا تھا؟ اُس نے بتایا کہ وہ تو لوہار تھا اور سارا دن لوہا کوٹتا رہتا تھا۔ اس شخص نے کہا کہ اُس کا کوئی خاص عمل اور خاص نیکی بتاؤ جو وہ کیا کرتا تھا، اس لئے کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرمار ہے ہیں کہ اس کا مقام ہم سے بھی آگے بڑھ گیا۔

تہجد نہ پڑھنے کی حسرت

اُس کی بیوی نے کہا کہ وہ سارا دن تو لوہا کوٹتا رہتا تھا، لیکن ایک بات اُس کے اندر یہ تھی کہ چونکہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ہمارے گھر کے سامنے رہتے تھے، رات کو جس وقت وہ تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے گھر کی چھت پر اس طرح کھڑے ہو جاتے جس طرح کوئی لکڑی کھڑی ہوتی ہے اور کوئی حرکت نہیں کرتے تھے۔ جب میرا شوہر اُن کو دیکھتا تو یہ کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فراغت عطا فرمائی ہوئی ہے، یہ ساری رات کیسی عبادت کرتے ہیں، ان کو دیکھ کر رشک آتا ہے، اگر ہمیں بھی اپنے مشغلے سے فراغت نصیب ہوتی تو ہمیں بھی اسی طرح تہجد پڑھنے کی توفیق ہو جاتی۔ چنانچہ وہ حسرت کیا کرتا تھا کہ میں چونکہ دن بھر لوہا کوٹتا ہوں، پھر رات کو تھک کر سو جاتا ہوں، اس لئے اس طرح تہجد پڑھنے کی نوبت نہیں آتی۔

نماز کے وقت کام بند

دوسری بات اُس کے اندر یہ تھی کہ جب وہ لوہا کوٹ رہا ہوتا تھا اور اس وقت اس کے کان میں آذان کی آواز ''اللہ اکبر'' آجاتی تو اگر اس وقت اس نے اپنا ہتھوڑا سر سے اُونچا ہاتھ میں اُٹھایا ہوا ہوتا تو اس وقت یہ گوارا نہ کرتا تھا کہ اس ہتھوڑے سے ایک مرتبہ اور لوہے پر مار دے، بلکہ اس ہتھوڑے کو پیچھے کی طرف پھینک دیتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ اب آذان کی آواز سننے کے بعد اس ہتھوڑے سے ضرب لگانا میرے لئے درست نہیں، پھر نماز کے لئے مسجد کی طرف چلا جاتا تھا۔ جس شخص نے یہ خواب دیکھا تھا اُس نے یہ باتیں سن کر کہا کہ بس یہی وجہ ہے جس نے ان کا مرتبہ اتنا بلند کر دیا کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو بھی ان پر رشک آرہا ہے۔

ٹکراؤ کے وقت یہ فریضہ چھوڑ دو

آپ نے دیکھا کہ وہ لوہار جو لوہا کوٹنے کا کام کر رہا تھا، یہ بھی کسبِ حلال کا فریضہ تھا اور جب آذان کی آواز آئی تو وہ اوّلین فریضے کی پکار تھی، جس وقت دونوں میں ٹکراؤ ہوا تو اُس نے اللہ والے اور اوّلین فریضے کو ترجیح دی اور دوسرے فریضے کو چھوڑ دیا، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بلند مقام عطا فرما دیا۔ لہٰذا جہاں ٹکراؤ ہو جائے وہاں اوّلین فریضے کو اختیار کر لو اور کسبِ حلال کے فریضے کو چھوڑ دو۔

ایک جامع دعا

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے یہ دوا فرمائی:

"اللهم لا تجعل الدنيا اكبر همنا ولا مبلغ علمنا ولا غاية رغبتنا." (۱)

اے اللہ! ہمارا سب سے بڑا غم دنیا کو نہ بنایئے کہ ہمارے دماغ پر سب سے بڑا غم دنیا کا مسلط ہو کہ پیسے کہاں سے آئیں، بنگلہ کیسے بن جائے اور کار کیسے حاصل ہو جائے۔ اور اے اللہ! ہمارے سارے علم کا مبلغ دنیا کو نہ بنایئے کہ جو کچھ علم ہے وہ بس دنیا کا علم ہے۔ اور اے اللہ! نہ ہماری رغبت کی انتہا دنیا کو بنایئے کہ جو کچھ دل میں رغبت پیدا ہو وہ دنیا ہی کی ہو اور آخرت کی رغبت پیدا نہ ہو۔

بہر حال، اس حدیث نے تیسرا سبق یہ دے دیا کہ کسبِ حلال کا درجہ دوسرے فرائضِ دینیہ کے بعد ہے۔ یہ دنیا ضرورت کی چیز تو ہے لیکن مقصد بنانے کی چیز نہیں ہے۔ یہ دنیا انہماک کی چیز نہیں ہے کہ دن رات آدمی اسی دنیا کی فکر میں منہمک رہے اور اس کے علاوہ کوئی اور فکر اور دھیان انسان کے دماغ پر نہ رہے۔ (۲)

اسلام کے معاشی احکام

اب میں اسلام کی معاشی تعلیمات کی طرف آتا ہوں، تاکہ مندرجہ بالا پسِ منظر میں اس کو اچھی طرح سمجھا جا سکے۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے یہ فلسفہ کہ معاشی مسائل کا تصفیہ پلاننگ کے بجائے مارکیٹ کی قوتوں کے تحت ہونا چاہئے، اس بنیادی فلسفہ کو اسلام تسلیم کرتا ہے، قرآن کریم کہتا ہے:

---

(۱) رواہ الترمذی، دعوات، حدیث نمبر ۳۵۶۹۔

(۲) اصلاحی خطبات ۱۰/۲۰۲ تا ۲۰۵۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ط(۱)

یعنی ہم نے ان کے درمیان ان کی معیشت تقسیم کر دی ہے، اور ایک کو دوسرے پر درجات کے اعتبار سے فوقیت عطا کی ہے۔ اور اس کے بعد کتنا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ " لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا" تا کہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لے سکے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا نظام بنایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی معیشت تقسیم کی ہے، یعنی وسائل کی تقسیم، اور قیمتوں کا تعین، اور تقسیم دولت کے اصول یہ سارے کے سارے کسی انسانی پلاننگ کی بنیاد پر وجود میں نہیں آتے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس بازار اور اسی دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ معیشت خود بخود تقسیم ہو جائے۔ یہ جو فرمایا کہ ہم نے تقسیم کیا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آ کر خود دولت تقسیم فرما دی کہ اتنا تم لے لو، اور اتنا تم لے لو، بلکہ اس کا مطلب ہے کہ ہم نے فطرت کے ایسے قوانین بنا دیئے ہیں، جن کی روشنی میں انسانوں کے درمیان معیشت کی تقسیم کا عمل خود بخود ہو جائے۔

اور ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اعلیٰ درجے کا معاشی اصول یہ بیان فرمایا کہ:

"دعو الناس یرزق اللہ بعضھم من بعض"(۲)

یعنی لوگوں کو آزاد چھوڑ دو، کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے رزق عطا فرماتے ہیں۔ یعنی ان پر بلاوجہ پابندیاں نہ لگاؤ، بلکہ آزاد چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بڑا عجیب و غریب نظام بنایا ہے، مثلاً میرے دل میں اس وقت یہ خیال آیا کہ بازار جا کر "لیچی" خریدوں، اور بازار میں جو شخص پھل بیچنے والا ہے اس کے دل میں یہ ڈال دیا کہ تم جا کر "لیچی" فروخت کرو، اور اب جب میں بازار گیا تو دیکھا کہ ایک شخص "لیچی" بیچ رہا ہے، اس کے پاس گیا اور اس سے بھاؤ تاؤ کر کے اس سے "لیچی" لے لی، اور اس کو پیسے دے دیئے، تو اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ لوگوں کو آزاد چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعہ رزق عطا فرماتے ہیں۔

بہر حال، یہ بنیادی اصول کہ مارکیٹ کی قوتیں ان بنیادی مسائل کا تعین کرتی ہیں، یہ اصول تو اسلام کو تسلیم ہے، لیکن سرمایہ دارانہ نظام کا یہ بنیادی امتیاز کہ معیشت کو مارکیٹ کی قوتوں پر بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے اس کو اسلام تسلیم نہیں کرتا، بلکہ اسلام یہ کہتا ہے کہ انسانوں کو منافع کمانے کے لئے اتنا آزاد نہ چھوڑو کہ ایک کی آزادی دوسرے کی آزادی کو سلب کر لے۔ یعنی ایک کو اتنا آزاد چھوڑا کہ وہ

---

(۱) الزخرف: ۳۲۔

(۲) رواہ مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الحاضر للبادی، حدیث نمبر ۱۵۲۲۔

اجارہ دار بن گیا اور بازار میں اس کی اجارہ درداری قائم ہوگئی، اور اس کے نتیجے میں دوسروں کی آزادی سلب ہوگئی، لہٰذا اسلام نے اس آزادی پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں، وہ پابندیاں کیا ہیں؟ ان کو میں تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ نمبر ایک شرعی اور الٰہی پابندی، یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ پابندی عائد کردی ہے کہ تم اپنا منافع تو کماؤ، لیکن تمہیں فلاں کام نہیں کرنا، اس کو دینی پابندی بھی کہتے ہیں، دوسری قسم ہے ''اخلاقی پابندی''، تیسری قسم ''قانونی پابندی'' ہے۔ یہ تین قسم کی پابندیاں ہیں جو انسان پر شریعت نے عائد کی ہیں۔

۱۔ دینی پابندی

پہلی قسم کی پابندی جو ''دینی پابندی'' ہے یہ بہت اہمیت کی حامل ہے، جو اسلام کو دوسرے معاشی نظریات سے ممتاز کرتی ہے۔ اگرچہ سرمایہ دارانہ نظام اب اپنے بنیادی اصولوں کو چھوڑ کر اتنا نیچے آگیا ہے کہ اب اس میں حکومت کی کچھ نہ کچھ مداخلت ہوتی ہے، لیکن حکومت کی یہ مداخلت ذاتی عقل اور سیکولر تصورات کی بنیاد پر ہوتی ہے، اور اسلام جو پابندی عائد کرتا ہے، وہ ''دینی پابندی'' ہوتی ہے، وہ دینی پابندیاں کیا ہیں؟ وہ یہ ہیں کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ تم بازار میں منافع کماؤ، لیکن تمہارے لئے سود کے ذریعے آمدنی حاصل کرنا جائز نہیں، اگر ایسا کرو گے تو پھر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے، اسی طرح ''قمار'' کو ممنوع قرار دے دیا، ''قمار'' کے ذریعہ آمدنی حاصل کرنا جائز نہیں، اور ''احتکار'' ذخیرہ اندوزی کو ممنوع قرار دے دیا، ''سٹہ'' کو ممنوع قرار دے دیا۔ ویسے تو شریعت نے یہ کہہ دیا ہے کہ جب دو آدمی اگر کوئی معاملہ کرنے پر راضی ہو جائیں، تو پھر وہ قانونی معاملہ ہو جاتا ہے، لیکن وہ دونوں اگر کسی ایسے معاملہ پر راضی ہو جائیں جو معاشرے کی تباہی کا سبب ہو، اس معاملے کی اجازت نہیں، مثلاً ''سود'' کے معاملے پر دو آدمی رضامندی سے معاملہ کرلیں، تو چونکہ ''سود'' کے ذریعہ معاشی طور پر نقصانات پیدا ہوتے ہیں، تباہ کاریاں پیدا ہوتی ہیں، اس لئے شرعاً اس کی اجازت نہیں۔

قمار کیوں حرام ہے

اسلام نے ''قمار'' کو کیوں حرام قرار دیا ہے؟ ''قمار'' کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص نے تو اپنا پیسہ لگا دیا، اب دو صورتیں ہوں گی، یا تو جو پیسہ اس نے لگایا، وہ بھی ڈوب گیا، یا اپنے ساتھ بہت بڑی دولت لے آیا، اس کو ''قمار'' کہتے ہیں۔ اس کی بے شمار شکلیں ہیں، عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے اس

مغربی نظامِ زندگی میں ''جوا'' (Gambling) کو بہت سی جگہوں پر قانون کے اندر ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ لیکن جب "Gambling" مہذب شکل اختیار کر لیتی ہے تو پھر وہ جائز ہو جاتی ہے اور خلافِ قانون نہیں رہتی۔ مثلاً ایک غریب آدمی سڑک کے کنارے ''جوا'' کھیل رہا ہے تو پولیس اس کو پکڑ کر لے جائے گی لیکن اگر ''جوا'' کو مہذب شکل دے دی جائے اور اس کے لئے کوئی ادارہ قائم کر لیا جائے اور اس کا کوئی دوسرا نام رکھ دیا جائے تو اس کو جائز سمجھا جاتا ہے۔ اس قسم کا ''قمار'' ہمارے سرمایہ دارانہ معاشرے میں پھیلا ہوا ہے جس کے نتیجہ میں بے شمار انسانوں سے پیسے جوڑ جوڑ کر ایک انسان پر اس کی بارش برسا دی جاتی ہے، اس لئے یہ ''جوا'' شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

ذخیرہ اندوزی

اسی طرح ''احتکار'' (Hoarding) یعنی ذخیرہ اندوزی شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے۔ چونکہ ہر انسان اس کو جانتا ہے اس لئے اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔

اکتناز جائز نہیں

اسی طرح ''اکتناز'' یعنی انسان اپنا پیسہ اس طرح جوڑ جوڑ کر رکھے کہ اس پر جو شرعی فرائض ہیں ان کو ادا نہ کرے، مثلاً زکوۃ اور دیگر مالی حقوق ادا نہیں کرتا۔ اس کو شریعت کی اصطلاح میں اکتناز کہتے ہیں اور شرعاً یہ بھی حرام اور ناجائز ہے۔

ایک اور مثال

حدیث مبارک میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

"لا يبع حاضر لباد"(۱)

کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ یعنی دیہاتی اپنا مال دیہات سے شہر میں بیچنے کے لئے لا رہا ہے، اس وقت میں کسی شہری کے لئے جائز نہیں کہ وہ جا کر اس سے کہے کہ میں تمہارا مال فروخت کر دوں گا۔ بظاہر تو اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی، اس لئے کہ اس معاملے میں شہری بھی راضی اور دیہاتی بھی راضی، لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔ اس لئے کہ شہری جب دیہاتی کا مال اپنے قبضہ میں کر لے گا تو وہ اس مال کو اس وقت تک روکے رکھے گا جب تک کہ بازار

(۱) رواہ مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم الحاضر للبادی، حدیث نمبر ۱۵۲۲۔

میں اس کی قیمت زیادہ نہ ہو جائے، اس لئے عام گرانی پیدا کرنے کا سبب بنے گا، اس کے برخلاف اگر دیہاتی خود اپنا مال شہر میں لا کر فروخت کرے گا تو ظاہر ہے کہ وہ بھی اپنا مال نقصان پر تو فروخت نہیں کرے گا لیکن اس کی خواہش یہ ہوگی کہ جلدی سے اپنا مال فروخت کر کے واپس اپنے گھر چلا جاؤں تو اس طرح حقیقی طلب اور حقیقی رسد کے ذریعہ قیمتوں کا تعین ہو جائے گا اور اگر درمیان میں "Middleman" آ گیا تو اس کی وجہ سے رسد اور طلب کی قوتوں کو آزادانہ کام کرنے کا موقع نہیں ملے گا اور اس "Middleman" کی وجہ سے قیمت بڑھ جائے گی۔

اس لئے وہ تمام ذرائع اور تمام راستے جن کے ذریعہ معاشرے کو گرانی کا شکار ہونا پڑے اور جن کے ذریعہ معاشرے کو ناانصافی کا شکار ہونا پڑے ان پر شرعی اعتبار سے پابندی عائد کی گئی ہے۔ بہر حال، یہ پابندیوں کی پہلی قسم ہے جو اس آزاد معیشت پر شرعاً عائد کی گئی ہیں۔

۲۔ اخلاقی پابندی

آزاد معیشت پر شرعاً دوسری پابندی جو عائد کی گئی ہے اس کو ''اخلاقی پابندی'' کہتے ہیں، اس لئے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو شرعاً حرام تو نہیں اور نہ ان کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے البتہ ان کی ترغیب ضرور دی ہے اور جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اسلام ایک معاشی نظام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک دین ہے اور ایک نظامِ زندگی ہے جس میں سب سے پہلے یہ بات سکھائی جاتی ہے کہ انسان کا بنیادی مقصد آخرت کی بہبود ہے لہٰذا اسلام یہ ترغیب دیتا ہے کہ اگر تم فلاں کام کرو گے تو آخرت میں تمہیں بہت بڑا اجر ملے گا، اسلام ذاتی منافع کا محرک تو ہے لیکن وہ صرف دنیاوی منافع کی حد تک محدود نہیں، بلکہ ذاتی منافع میں آخرت کے منافع کو بھی لازماً شامل سمجھتا ہے، لہٰذا اسلام نے بہت سے احکام ہمیں اس بات کے دیئے ہیں کہ تمہیں دنیا میں اگرچہ نفع کچھ کم ملے لیکن آخرت میں اس کا نفع بہت ملے گا۔ مثلاً شرعاً یہ کہا گیا ہے کہ ہر وہ انسان جو اپنی معیشت کو کمانے کے لئے بازار میں نکلا ہے اگر یہ نیت کرے کہ وہ اس لئے بازار میں نکلا ہے کہ معاشرے کی فلاں ضرورت کو پورا کروں گا تو اس کی اس نیت کی وجہ سے اس کا یہ سارا عمل عبادت بن جائے گا اور باعثِ اجر ہو جائے گا اور پھر اس نقطۂ نظر سے انسان اس چیز کا انتخاب کرے گا جس کی معاشرے کو ضرورت ہوگی۔ اور حقیقت میں معاشرے کو دینی اعتبار سے ضرورت ہونی چاہئے۔ مثلاً فرض کریں کہ لوگ اگر رقص و سرور کے زیادہ شائق ہیں تو اس صورت میں کیپٹل ازم کا تصور تو یہ ہے کہ لوگ زیادہ منافع کمانے کے لئے ناچ گھر قائم کریں چونکہ طلب اس کی زیادہ ہے، لیکن اسلام کی اس دینی پابندی کے تحت اس کے لئے ناچ گھر قائم کرنا جائز

نہیں، یا مثلاً ایک شخص یہ دیکھتا ہے کہ اگر میں فلاں کارخانہ لگاؤں گا تو اس میں مجھے منافع تو بہت ہوگا لیکن اس وقت چونکہ رہائشی ضرورت کے لئے لوگوں کو مکانات کی ضرورت ہے اور اس میں منافع تو زیادہ نہیں ہوگا لیکن لوگوں کی ضرورت پوری ہوگی تو اس وقت شریعت کی اس اخلاقی پابندی پر عمل کرنے کی وجہ سے آخرت کے منافع کا حقدار ہوگا۔

قانونی پابندی

تیسری پابندی ''قانونی پابندی'' ہے، یعنی اسلام نے اسلامی حکومت کو یہ اختیار دیا ہے کہ جس مرحلے پر حکومت یہ محسوس کرے کہ معاشرے کو کسی خاص سمت پر ڈالنے کے لئے کوئی خاص پابندی عائد کرنے کی ضرورت ہے تو ایسے وقت میں حکومت کوئی حکم جاری کر سکتی ہے، اور پھر وہ حکم تمام انسانوں کے لئے قابلِ احترام ہے چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا:

''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ''(۱)

یعنی اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی بھی اطاعت کرو اور اولی الامر یعنی اہلِ ریاست کی بھی اطاعت کرو۔ اسی لئے فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگر حاکم وقت جو صحیح معنی میں اسلامی حکومت کا سربراہ ہو اگر کسی مصلحت کی بنیاد پر یہ حکم دیدے کہ فلاں دن تمام لوگ روزہ رکھیں تو اس دن روزہ رکھنا پوری رعایا پر عملاً واجب ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص روزہ نہیں رکھے گا تو عملی طور پر اس کو ایسا ہی گناہ ہوگا جیسے رمضان کا روزہ چھوڑنے کا گناہ ہوتا ہے، اس لئے کہ اولی الامر کی اطاعت فرض ہے۔ (۲)

اسی طرح فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر اولی الامر یہ حکم جاری کر دے کہ لوگوں کے لئے خربوزہ کھانا منع ہے تو اب رعایا کے لئے خربوزہ کھانا حرام ہو جائے گا۔ بہرحال اولی الامر کو ان چیزوں کا اختیار دیا گیا ہے، بشرطیکہ وہ یہ احکام عام لوگوں کی مصلحت کے تحت جاری کرے۔ اب اس میں جزوی منصوبہ بندی بھی داخل ہے، مثلاً حکومت یہ کہہ دے کہ فلاں چیز میں لوگ سرمایہ کاری کریں اور فلاں چیز میں سرمایہ کاری نہ کریں۔ تو حکومت حدودِ شرعیہ میں قانونی طور پر اس قسم کی پابندی عائد کر سکتی ہے۔

بہرحال، کیپٹل ازم کے مقابلے میں اسلام کے معاشی نظام میں یہ بنیادی امتیاز اور فرق ہے اور یاد رکھئے کہ جہاں تک قانونی پابندی کا تعلق ہے یہ پابندی کیپٹل ازم میں بھی پائی جاتی ہے لیکن یہ پابندیاں انسانی ذہن کی پیداوار ہیں اور اسلام میں اصل امتیاز دینی پابندیوں کا ہے جو ''وحی'' کے

(۱) سورۃ النساء: ۵۹۔ (۲) دیکھیں شامی، ج۴، ص۲۶۴، روح المعانی، ج۵، ص۶۶۔

ذریعے مستفاد ہوتی ہیں، اور جس میں اللہ تعالیٰ جو پوری کائنات کا خالق اور مالک ہے وہ یہ ہدایت کرتا ہے کہ فلاں چیز تمہارے لئے مضر اور منع ہے۔ درحقیقت یہ چیز ایسی ہے کہ جب تک انسانیت اس راستے پر نہیں آئے گی اس وقت تک انسانیت افراط وتفریط کا شکار رہے گی۔

بیشک اشتراکیت میدان میں شکست کھا گئی، لیکن سرمایہ دارانہ نظام کی جو خرابیاں تھیں یا اس کی جو ناانصافیاں اور ناہمواریاں تھیں، کیا وہ ختم ہو گئیں؟ وہ یقیناً آج بھی اسی طرح برقرار ہیں اور ان کا حل اگر ہے تو وہ ان الٰہی پابندیوں میں ہے، اور ان الٰہی پابندیوں کی طرف آئے بغیر انسان کو سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔ (۱)

محنت کی ہر کمائی حلال نہیں ہوتی

بعض لوگوں نے وہ ذریعۂ معاش اختیار کر رکھا ہے جو حرام ہے اور شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی۔ مثلاً سود کا ذریعۂ معاش اختیار کیا ہوا ہے، اب اگر ان سے کہا جائے کہ یہ تو ناجائز اور حرام ہے، اس طریقے سے پیسے نہیں کمانے چاہئیں، تو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہم تو اپنی محنت کا کھا رہے ہیں، اپنی محنت لگا رہے ہیں، اپنا وقت صرف کر رہے ہیں، اب اگر وہ کام حرام اور ناجائز ہے تو ہمارا اس سے کیا تعلق؟

خوب سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر محنت جائز نہیں ہوتی، بلکہ وہ محنت جائز ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔ اگر اس طریقے کے خلاف انسان ہزار محنت کر لے لیکن اس کے ذریعہ جو پیسے کمائے گا وہ پیسے حلال کے نہیں ہوں گے بلکہ حرام ہوں گے۔ اب کہنے کو تو ایک ''طوائف'' بھی محنت کرتی ہے، وہ بھی کہہ سکتی ہے کہ میں اپنی محنت کے ذریعہ پیسے کما رہی ہوں، لہٰذا میری آمدنی حلال ہونی چاہئے۔ اسی طرح آمدنی کے جو ذرائع حرام ہیں ان کو یہ کہہ کر حلال کرنے کی کوشش کرنا کہ یہ ہماری محنت کی آمدنی ہے، شرعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (۲)

سودے کے صحیح ہونے کے لئے تنہا رضامندی کافی نہیں

الغرض اسلام نے تجارت کے سلسلے میں کئی قسم کے اصول وضوابط مقرر فرمائے ہیں جن میں سے ایک اصول یہ آیت کریمہ بیان فرما رہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ''(۳)

---

(۱) اصلاحی ۳/۳۹ تا ۴۷۔ (۲) اصلاحی خطبات ۱۰/۱۹۱۔ (۳) النساء: ۲۹۔

ترجمہ: ''نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے۔''

یعنی باطل طریقہ سے اموال کمانا حرام ہے اور صرف اس طرح حلال ہے کہ جس میں دو شرطیں پائی جارہی ہوں، ایک یہ ہے کہ تجارت ہو دوسرا یہ کہ باہمی رضامندی سے ہو۔

معلوم ہوا کہ تنہا رضامندی کسی سودے کی حلت کے لئے کافی نہیں، باہمی رضامندی سے ایک سودا ہو گیا تو تنہا باہمی رضامندی کافی نہیں، ''اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ'' (مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے) جب تک تجارت نہ ہو، اور تجارت سے مراد وہ معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تجارت ہے۔ لہٰذا سود کا جو لین دین ہوتا ہے اس میں باہمی رضامندی سے وعدہ ہوتا ہے، باہمی رضامندی سے جوے کا معاملہ بھی ہوتا ہے اور سٹہ کا معاملہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب ممنوع ہیں۔ اس واسطے کہ یہ اگرچہ باہمی رضامندی تو ہے لیکن تجارت نہیں ہے اور اگر تجارت ہو لیکن باہمی رضامندی نہ ہو تو یہ بھی حرام ہے تو بیک وقت دو شرطیں ہیں:

تجارت بھی ہو اور باہمی رضامندی بھی ہو۔(۱)

تجارت میں جھوٹ کی قباحت

عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الکبائر قال: الشرك باللہ وعقوق الوالدین وقتل النفس وقول الزور.''(۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبائر کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کبائر یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا، اور جھوٹ بولنا۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ کبائر ان میں منحصر ہیں، بلکہ یہ بھی کبائر میں داخل ہیں۔ امام بخاریؒ کا اس حدیث کو کتاب البیوع میں لانے کا منشا یہ ہے کہ ویسے تو لوگ جھوٹ کو برا سمجھتے ہیں کہ جھوٹ بولنا گناہ ہے، لیکن لوگوں کا ایک خیال یہ بھی ہے کہ تجارت میں جھوٹ کے بغیر کام نہیں چلتا، لہٰذا تجارت میں جھوٹ بولنا حلال ہے۔ ان لوگوں کے اس خیال کی تردید کے لئے یہ حدیث یہاں لائے ہیں کہ تجارت کے اندر بھی جھوٹ سے پرہیز کرنا چاہئے اور سچائی کا اہتمام کرنا چاہئے۔

---

(۱) انعام الباری ۶/۵۷۔

(۲) الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التغلیظ فی الکذب والزور ونحوہ۔

جھوٹ سے تجارت کی برکت فنا ہو جاتی ہے

حدیث مبارک ہے:

"البیعان بالخیار مالم یتفرقا، او قال: حتی یتفرقا. فإن صدقا وبینا بورك لهما فی بیعهما، ان کتما وکذبا محقت برکة بیعهما."(۱)

یہاں دوسرا جملہ مقصود ہے کہ "فان صدقا وبینا" اگر وہ سچ بولیں (یعنی خرید وفروخت کرنے والے ۔۔۔ ازمرتب) اور ساتھ ساتھ حقیقت بتا دیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بیع میں برکت ہوتی ہے اور اگر جھوٹ بولیں اور عیب چھپائیں گے تو ان کی بیع کی برکت فنا کر دی جاتی ہے، مٹا دی جاتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچ بولنے پر برکت ہوتی ہے اور جھوٹ بولنے سے برکت مٹا دی جاتی ہے۔(۲)

(۱) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب ما یمحق الکذب والکتمان فی البیع۔

(۲) انعام الباری ۶/۱۳۴۔

جھوٹ
اور
اس کی مروجہ صورتیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جھوٹ اور اس کی مروجہ صورتیں

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمدًا عبده ورسولهٗ صلى الله تعالى عليه وعلٰى اٰله واصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا.

اما بعد!

عن ابی هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: آية المنافق ثلاث: اذا حدث كذب، واذا وعد اخلف، واذا اؤتمن خان. فی رواية وان صام وصلى وزعم انه مسلم. (۱)

منافق کی تین علامتیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین خصلتیں ایسی ہیں جو منافق ہونے کی نشانی ہیں۔ یعنی کسی مسلمان کا کام نہیں ہے کہ وہ یہ کام کرے، اگر کسی انسان میں یہ باتیں پائی جائیں تو سمجھ لو کہ وہ منافق ہے۔ وہ تین باتیں یہ ہیں کہ جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے، اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے تو وہ خیانت کرے۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ چاہے وہ نماز بھی پڑھتا ہو اور روزے بھی رکھتا ہو اور چاہے وہ دعویٰ کرتا ہو کہ وہ مسلمان ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں، اس لئے کہ مسلمان ہونے کی جو بنیادی صفات ہیں، وہ ان کو چھوڑے ہوئے ہے۔

(۱) رواہ البخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق، حدیث نمبر ۳۳۔

اسلام ایک وسیع مذہب ہے

خدا جانے یہ بات ہمارے ذہنوں میں کہاں سے بیٹھ گئی ہے، اور ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ دین بس نماز روزے کا نام ہے، نماز پڑھ لی، روزہ رکھ لیا، اور نماز روزے کا اہتمام کر لیا، بس مسلمان ہو گئے، اب مزید ہم سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں ہے، چنانچہ جب بازار گئے تو اب وہاں جھوٹ فریب اور دھوکے سے مال حاصل ہو رہا ہے، حرام اور حلال ایک ہو رہے ہیں، اس کی کوئی فکر نہیں، زبان کا بھروسہ نہیں، امانت میں خیانت ہے، وعدہ کا پاس نہیں۔ لہٰذا اسلام کے بارے میں یہ تصور کہ یہ بس نماز روزہ کا نام ہے، یہ بڑا خطرناک اور غلط تصور ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے بتا دیا کہ ایسا شخص چاہے نماز بھی پڑھ رہا ہو، اور روزے بھی رکھ رہا ہو، لیکن وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں، چاہے اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگاؤ، اس لئے کہ کفر کا فتویٰ لگانا بڑی سنگین چیز ہے، اور فتویٰ کے اعتبار سے اس کو کافر نہ قرار دو، دائرۂ اسلام سے اس کو خارج نہ کرو لیکن ایسا شخص سارے کام کافروں جیسے اور منافقوں جیسے کر رہا ہے۔

فرمایا کہ تین چیزیں منافق کی علامت ہیں، نمبر ایک جھوٹ بولنا، دوسرے وعدہ خلافی کرنا، تیسرے امانت میں خیانت کرنا، ان تینوں کی تھوڑی سی تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں، اس لئے کہ عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں ان تینوں کا تصور بہت محدود ہے، حالانکہ ان تینوں کا مفہوم بہت وسیع اور عام ہے۔ اس لئے ان کی تھوڑی سی تفصیل کرنے کی ضرورت ہے۔

زمانۂ جاہلیت اور جھوٹ

چنانچہ فرمایا کہ سب سے پہلی چیز جھوٹ بولنا۔ یہ جھوٹ بولنا حرام ہے، ایسا حرام ہے کہ کوئی ملت، کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں جھوٹ بولنا حرام نہ ہو، یہاں تک کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ بھی جھوٹ بولنے کو بُرا سمجھتے تھے۔ واقعہ یاد آیا کہ جب حضور اقدس ﷺ نے روم کے بادشاہ کی طرف اسلام کی دعوت کے لئے خط بھیجا تو خط پڑھنے کے بعد اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ ہمارے ملک میں اگر ایسے لوگ موجود ہوں، جو ان (حضور اقدس ﷺ) سے واقف ہوں تو ان کو میرے پاس بھیج دو، تاکہ میں ان سے حالات معلوم کروں کہ وہ کیسے ہیں۔ اتفاق سے اسی وقت حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، ایک تجارتی قافلہ لے کر وہاں گئے ہوئے تھے، چنانچہ لوگ ان کو بادشاہ کے پاس لے آئے۔ یہ بادشاہ کے پاس پہنچے تو بادشاہ نے ان سے سوالات کرنا شروع کیے۔ پہلا سوال یہ کیا کہ یہ بتاؤ کہ یہ (محمد ﷺ) کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں؟ وہ کیسا خاندان

ہے؟ اس کی شہرت کیسی ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ خاندان تو بڑے اعلیٰ درجے کا ہے، اعلیٰ درجے کے خاندان میں وہ پیدا ہوئے، اور سارا عرب اس خاندان کی شرافت کا قائل ہے۔ اس بادشاہ نے تصدیق کرتے ہوئے کہا: بالکل ٹھیک ہے، جو اللہ کے نبی ہوتے ہیں، وہ اعلیٰ خاندان سے ہوتے ہیں۔ پھر دوسرا سوال بادشاہ نے یہ کیا کہ ان کی پیروی کرنے والے معمولی درجے کے لوگ ہیں یا بڑے بڑے رؤساء ہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ ان کے متبعین کی اکثریت کم درجے کے معمولی قسم کے لوگ ہیں۔ بادشاہ نے تصدیق کی کہ نبی کے متبعین ابتداءً ضعیف اور کمزور قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ پھر سوال کیا کہ تمہاری اُن کے ساتھ جب جنگ ہوتی ہے تو تم جیت جاتے ہو یا وہ جیت جاتے ہیں؟ اس وقت تک چونکہ صرف دو جنگیں ہوئی تھیں، ایک جنگِ بدر، اور ایک اُحد، اور غزوۂ اُحد میں چونکہ مسلمانوں کو تھوڑی سی شکست ہوئی تھی، اس لئے اُنہوں نے اس موقع پر جواب دیا کہ کبھی ہم غالب آجاتے ہیں اور کبھی وہ غالب آجاتے ہیں۔

جھوٹ نہیں بول سکتا تھا......!

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے کے بعد فرماتے تھے کہ اس وقت تو میں کافر تھا، اس لئے اس فکر میں تھا کہ میں کوئی ایسا جملہ کہہ دوں جس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تاثر قائم ہو، لیکن اس بادشاہ نے جتنے سوالات کیے، اُن کے جواب میں اس قسم کی کوئی بات کہنے کا موقع نہیں ملا، اس لئے کہ جو سوال وہ کر رہا تھا، اس کا جواب تو مجھے دینا تھا، اور جھوٹ بول نہیں سکتا تھا، اس لئے میں جتنے جوابات دے رہا تھا، وہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جا رہے تھے۔ بہر حال! جاہلیت کے لوگ جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے وہ بھی جھوٹ بولنے کو گوارا نہیں کرتے تھے، چہ جائیکہ مسلمان اسلام لانے کے بعد جھوٹ بولے؟ (۱)

جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ

افسوس کہ اب اس جھوٹ میں عام ابتلاء ہے یہاں تک کہ جو لوگ حرام و حلال اور جائز و ناجائز کا اور شریعت پر چلنے کا اہتمام کرتے ہیں، اُن میں بھی یہ بات نظر آتی ہے کہ اُنہوں نے بھی جھوٹ کی بہت سی قسموں کو جھوٹ سے خارج سمجھ رکھا ہے، اور یہ سمجھتے ہیں کہ گویا یہ جھوٹ ہی نہیں ہے، حالانکہ جھوٹا کام کر رہے ہیں، غلط بیانی کر رہے ہیں، اور اس میں دوہرا جرم ہے۔ ایک جھوٹ بولنے کا

(۱)　رواہ البخاری، کتاب بدء الوحی، حدیث نمبر ۷۔

جرم، اور دوسرے اس گناہ کو گناہ نہ سمجھنے کا جرم، چنانچہ ایک صاحب جو بڑے نیک تھے، نماز روز کے پابند، اذکار واشغال کے پابند، بزرگوں سے تعلق رکھنے والے، پاکستان سے باہر قیام تھا۔ ایک مرتبہ جب پاکستان آئے تو میرے پاس بھی ملاقات کے لئے آگئے۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ واپس کب تشریف لے جارہے ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ میں ابھی آٹھ، دس روز اور ٹھہروں گا، میری چھٹیاں تو ختم ہوگئیں، البتہ کل ہی میں نے مزید چھٹی لینے کے لئے ایک میڈیکل سرٹیفکیٹ بھجوا دیا ہے۔

کیا دین نماز روزے کا نام ہے؟

اُنہوں نے میڈیکل سرٹیفکیٹ بھجوانے کا ذکر اس انداز سے کیا کہ جس طرح یہ ایک معمول کی بات ہے، اس میں کوئی پریشانی کی بات ہی نہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ میڈیکل سرٹیفکیٹ کیسا؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ مزید چھٹی لینے کے لئے بھیج دیا ہے، ویسے اگر چھٹی لیتا تو چھٹی نہ ملتی، اس کے ذریعہ چھٹی مل جائے گی۔ میں نے پھر سوال کیا کہ آپ نے اس میڈیکل سرٹیفکیٹ میں کیا لکھا تھا؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ اس میں یہ لکھا تھا کہ یہ اتنے بیمار ہیں کہ سفر کے لائق نہیں۔ میں نے کہا کہ کیا دین صرف نماز روزے کا نام ہے؟ ذکر شغل کا نام ہے؟ آپ کا بزرگوں سے تعلق ہے، پھر یہ میڈیکل سرٹیفکیٹ کیسا جارہا ہے؟ چونکہ نیک آدمی تھے، اس لئے اُنہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں نے آج پہلی مرتبہ آپ کے منہ سے یہ بات سنی کہ یہ بھی کوئی غلط کام ہے۔ میں نے کہا کہ جھوٹ بولنا اور کس کو کہتے ہیں؟ اُنہوں نے پوچھا کہ مزید چھٹی کس طرح لیں؟ میں نے کہا کہ جتنی چھٹیوں کا استحقاق ہے، اتنی چھٹی لو، مزید چھٹی لینی ضروری ہو تو بغیر تنخواہ کے لے لو، لیکن یہ جھوٹا سرٹیفکیٹ بھیجنے کا جواز تو پیدا نہیں ہوتا۔

آج کل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ بنوانا جھوٹ میں داخل ہی نہیں ہے، اور دین صرف ذکر و شغل کا نام رکھ دیا۔ باقی زندگی کے میدان میں جا کر جھوٹ بول رہا ہو تو اس کا کوئی خیال نہیں۔

جھوٹی سفارش

ایک اچھے خاصے پڑھے لکھے نیک اور سمجھدار بزرگ کا میرے پاس سفارشی خط آیا، اس وقت میں جدہ میں تھا، اس خط میں یہ لکھا تھا کہ یہ صاحب جو آپ کے پاس آرہے ہیں یہ انڈیا کے باشندے ہیں، اب یہ پاکستان جانا چاہتے ہیں، لہٰذا آپ پاکستانی سفارت خانے سے ان کے لئے سفارش کر

دیں کہ ان کو ایک پاکستانی پاسپورٹ جاری کر دیا جائے اس بنیاد پر کہ یہ پاکستانی باشندے ہیں اور ان کا پاسپورٹ یہاں سعودی عرب میں گم ہو گیا ہے، اور خود اُنہوں نے پاکستانی سفارت خانے میں درخواست دے رکھی ہے کہ ان کا پاسپورٹ گم ہو گیا ہے، لہٰذا آپ ان کی سفارش کر دیں۔

اب آپ بتایئے! وہاں عمرے ہو رہے ہیں، حج بھی ہو رہا ہے، طواف اور سعی بھی ہو رہی ہے، اور ساتھ میں یہ جھوٹ اور فریب بھی ہو رہا ہے، گویا کہ یہ دین کا حصہ ہی نہیں ہے، اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ شاید لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جب قصد اور ارادہ کر کے با قاعدہ جھوٹ کو جھوٹ سمجھ کر بولا جائے تب جھوٹ ہوتا ہے، لیکن ڈاکٹر سے جھوٹا سرٹیفکیٹ بنوا لینا، جھوٹی سفارش لکھوا لینا، یا جھوٹے مقدمات دائر کر دینا، یہ کوئی جھوٹ نہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ." (۱)

یعنی زبان سے جو لفظ نکل رہا ہے، وہ تمہارے نامۂ اعمال میں ریکارڈ ہو رہا ہے۔

بچوں کے ساتھ جھوٹ نہ بولو

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے ایک خاتون ایک بچے کو بلا کر گود میں لینا چاہتی تھی، لیکن وہ بچہ قریب نہیں آ رہا تھا، ان خاتون نے بچے کو بہلانے کے لئے کہا کہ بیٹا یہاں آؤ، ہم تمہیں چیز دیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی بات وہ سن لی، اور آپ نے خاتون سے پوچھا کہ تمہارا کوئی چیز دینے کا ارادہ ہے یا ویسے ہی اس کو بلانے اور بہلانے کے لئے کہہ رہی ہو؟ اُس خاتون نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا کھجور دینے کا ارادہ ہے کہ جب وہ میرے پاس آئے گا تو میں اس کو کھجور دوں گی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارا کھجور دینے کا ارادہ نہ ہوتا، بلکہ محض بہلانے کے لئے کہتی کہ میں تمہیں کھجور دوں گی تو تمہارے نامہ اعمال میں ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا۔ (۲)

اس حدیث سے یہ سبق دے دیا کہ بچے کے ساتھ بھی جھوٹ نہ بولو، اور اس کے ساتھ بھی وعدہ خلافی نہ کرو، ورنہ شروع ہی سے جھوٹ کی بُرائی اس کے دل سے نکل جائے گی۔

مذاق میں جھوٹ نہ بولو

ہم لوگ محض مذاق اور تفریح کے لئے زبان سے جھوٹی باتیں نکال دیتے ہیں، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے مذاق میں بھی جھوٹی باتیں زبان سے نکالنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد

(۱) سورۃ ق:۱۸۔ (۲) رواہ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی التشدید فی الکذب، حدیث نمبر ۴۹۹۱۔

فرمایا کہ افسوس ہے اس شخص پر یا سخت الفاظ میں اس کا صحیح ترجمہ یہ کر سکتے ہیں کہ اُس شخص کے لئے دردناک عذاب ہے، جو محض لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے۔ (۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق

خوش طبعی کی باتیں اور مذاق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا، لیکن کبھی کوئی ایسا مذاق نہیں کیا جس میں بات غلط ہو، یا واقعہ کے خلاف ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسا مذاق کیا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک بڑھیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے لئے دعا کر دیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں پہنچا دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی، اور وہ بڑھیا رونے لگی کہ یہ تو بڑی خطرناک بات ہوگئی کہ بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت کر کے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عورت اس حالت میں جنت میں نہیں جائے گی کہ وہ بوڑھی ہو، بلکہ وہ جوان ہو کر جائے گی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا لطیف مذاق فرمایا کہ اس میں کوئی بات نفس الامر کے خلاف اور جھوٹی نہیں تھی۔ (۲)

مذاق کا ایک انوکھا انداز

ایک دیہاتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایک اُونٹنی دے دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تم کو ایک اُونٹنی کا بچہ دیں گے۔ اُس نے کہا: یا رسول اللہ! میں بچے کو لے کر کیا کروں گا، مجھے تو سواری کے لئے ضرورت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں جو بھی اُونٹ دیا جائے گا وہ کسی اُونٹنی کا بچہ ہی تو ہوگا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مذاق فرمایا، اور ایسا مذاق جس میں خلافِ حقیقت اور غلط بات نہیں کہی۔ تو مذاق کے اندر بھی اس بات کا لحاظ ہے کہ زبان کو سنبھال کر استعمال کریں، اور زبان سے کوئی لفظ غلط نہ نکل جائے۔ اور آج کل ہمارے اندر سچے جھوٹے قصے پھیل گئے ہیں، اور خوش گپیوں کے اندر ہم ان کو بطور مذاق بیان کر دیتے ہیں۔ یہ سب جھوٹ کے اندر داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین (۳)

---

(۱) رواہ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی التشدید فی الکذب، حدیث نمبر ۴۹۹۰۔
(۲) الشمائل للترمذی، باب ماجاء فی صفۃ مزاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
(۳) الشمائل للترمذی، باب ماجاء فی مزاح النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

جھوٹا کیریکٹر سرٹیفکیٹ

آج کل اس کا عام رواج ہو گیا ہے، اچھے خاصے دیندار اور پڑھ لکھے لوگ بھی اس میں مبتلا ہیں کہ جھوٹے سرٹیفکیٹ حاصل کرتے ہیں، یا دوسروں کے لئے جھوٹے سرٹیفکیٹ جاری کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کو کیریکٹر سرٹیفکیٹ کی ضرورت پیش آ گئی، اب وہ کسی کے پاس گیا، اور اس سے کیریکٹر سرٹیفکیٹ حاصل کر لیا، اور جاری کرنے والے نے اس کے اندر یہ لکھ دیا کہ میں ان کو پانچ سال سے جانتا ہوں، یہ بڑے اچھے آدمی ہیں، ان کا اخلاق و کردار بہت اچھا ہے۔ کسی کے حاشیۂ خیال میں یہ بات نہیں آتی کہ ہم یہ ناجائز کام کر رہے ہیں، بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نیک کام کر رہے ہیں، اس لئے کہ یہ ضرورت مند تھا، ہم نے اس کی ضرورت پوری کر دی، اس کا کام کر دیا، یہ تو باعثِ ثواب کام ہے، حالانکہ اگر آپ اس کے کیریکٹر سے واقف نہیں ہیں تو آپ کے لئے ایسا سرٹیفکیٹ جاری کرنا ناجائز ہے، چہ جائیکہ وہ سمجھے کہ میں ایک ثواب کا کام کر رہا ہوں۔ اور کسی ایسے شخص سے کیریکٹر سرٹیفکیٹ حاصل کرنا جو آپ کو نہیں جانتا، یہ بھی ناجائز ہے، گویا کہ سرٹیفکیٹ لینے والا بھی گناہ گار ہو گا اور دینے والا بھی گناہ گار ہو گا۔

کیریکٹر معلوم کرنے کے دو طریقے

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص نے کسی تیسرے شخص کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ حضرت! وہ تو بڑا اچھا آدمی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ فلاں شخص بڑے اچھے اخلاق اور کردار کا آدمی ہے، اچھا یہ بتاؤ کہ کیا کبھی تمہارا اس کے ساتھ لین دین کا معاملہ پیش آیا؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں، لین دین کا معاملہ تو کبھی پیش نہیں آیا۔ پھر آپ نے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ کیا تم نے کبھی اس کے ساتھ سفر کیا؟ اُس نے کہا: نہیں، میں نے کبھی اس کے ساتھ سفر تو نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تمہیں کیا معلوم کہ وہ اخلاق و کردار کے اعتبار سے کیسا آدمی ہے، اس لئے کہ اخلاق و کردار کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے، جب انسان اس کے ساتھ لین دین کرے، اور اس میں وہ کھرا ثابت ہو، تب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کردار اچھا ہے، اور اس کے اخلاق معلوم کرنے کا دوسرا راستہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ سفر کرے۔ اس لئے کہ سفر کے اندر انسان اچھی طرح کھل کر سامنے آ جاتا ہے، اس کے اخلاق، اس کا کردار، اس کے حالات، اس کے جذبات، اس کے خیالات، یہ ساری چیزیں سفر میں ظاہر ہو جاتی ہیں، لہٰذا اگر تم نے اس کے ساتھ کوئی لین دین کا معاملہ کیا ہوتا، یا

اس کے ساتھ سفر کیا ہوتا، تب تو بیشک یہ کہنا درست ہوتا کہ وہ اچھا آدمی ہے، لیکن جب تم نے اس کے ساتھ نہ تو معاملہ کیا، نہ اس کے ساتھ سفر کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس کو جانتے نہیں ہو، اور جب تم جانتے نہیں تو پھر خاموش رہو، نہ بُرا کہو، اور نہ اچھا کہو، اور اگر کوئی شخص اس کے بارے پوچھے تو تم اس حد تک بتادو جتنا تمہیں معلوم ہے، مثلاً یہ کہہ دو کہ بھائی! مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے تو میں نے دیکھا ہے، باقی آگے کے حالات مجھے معلوم نہیں۔

سرٹیفکیٹ ایک گواہی ہے

قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:

"اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ." (۱)

یاد رکھئے! یہ سرٹیفکیٹ اور یہ تصدیق نامہ شرعاً ایک گواہی ہے، اور جو شخص اس سرٹیفکیٹ پر دستخط کر رہا ہے، وہ حقیقت میں گواہی دے رہا ہے اور اس آیت کی رُو سے گواہی دینا اُس وقت جائز ہے جب آدمی کو اس بات کا علم ہو اور یقین سے جانتا ہو کہ یہ واقع میں ایسا ہے، تب انسان گواہی دے سکتا ہے، اس کے بغیر انسان گواہی نہیں دے سکتا۔ آجکل ہوتا یہ ہے کہ آپ کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، لیکن آپ نے کیریکٹر سرٹیفکیٹ جاری کر دیا، تو یہ جھوٹی گواہی کا گناہ ہوا، اور جھوٹی گواہی اتنی بُری چیز ہے کہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس کو شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا۔

جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کیا میں تم کو بتاؤں کہ بڑے بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ضرور بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بڑے گناہ یہ ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، اس وقت تک آپ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، اور پھر فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینا، اور اس جملے کو تین مرتبہ دہرایا۔ (۲)

اب آپ اس سے اس کی شناعت کا اندازہ لگائیں کہ ایک طرف تو آپ ﷺ نے اس کو

(۱) سورۃ الزخرف: ۸۶۔

(۲) رواہ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الکبائر، حدیث نمبر ۱۴۳۔

شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا، دوسرے یہ کہ اس کو تین مرتبہ ان الفاظ کو اس طرح دہرایا کہ پہلے آپ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر اس کے بیان کے وقت سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، اور خود قرآن کریم نے بھی اس کو شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ:

"فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ"(۱)

یعنی تم بت پرستی کی گندگی سے بھی بچو، اور جھوٹی بات سے بچو، اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی کتنی خطرناک چیز ہے۔

سرٹیفکیٹ جاری کرنے والا گناہ گار ہوگا

جھوٹی گواہی دینا جھوٹ بولنے سے بھی زیادہ شنیع اور خطرناک ہے۔ اس لئے کہ اس میں کئی گناہ مل جاتے ہیں، مثلاً ایک جھوٹ بولنے کا گناہ، اور دوسرا دوسرے شخص کو گمراہ کرنے کا گناہ، اس لئے کہ جب آپ نے غلط سرٹیفکیٹ جاری کر کے جھوٹی گواہی دی، اور وہ جھوٹا سرٹیفکیٹ جب دوسرے شخص کے پاس پہنچا تو وہ یہ سمجھے گا کہ یہ آدمی بڑا اچھا ہے، اور اچھا سمجھ کر اس سے کوئی معاملہ کرے گا، اور اگر اس معاملہ کرنے کے نتیجے میں اس کو کوئی نقصان پہنچے گا تو اس نقصان کی ذمہ داری بھی آپ پر ہوگی، یا آپ نے عدالت میں جھوٹی گواہی دی، اور اس گواہی کی بنیاد پر فیصلہ ہو گیا، تو اس فیصلے کے نتیجے میں جو کچھ کسی کا نقصان ہوا، وہ سب آپ کی گردن پر ہوگا۔ اس لئے یہ جھوٹی گواہی کا گناہ معمولی گناہ نہیں ہے، بڑا سخت گناہ ہے۔

عدالت میں جھوٹ

آج کل تو جھوٹ کا ایسا بازار گرم ہوا کہ کوئی شخص دوسری جگہ جھوٹ بولے یا نہ بولے، لیکن عدالت میں ضرور جھوٹ بولے گا۔ بعض لوگوں کو یہاں تک کہتے ہوئے سنا کہ:

''میاں سچی سچی بات کہہ دو کوئی عدالت میں تھوڑی کھڑے ہو۔''

مطلب یہ ہے کہ جھوٹ بولنے کی جگہ تو عدالت ہے، وہاں پر جا کر جھوٹ بولنا، یہاں آپس میں جب بات چیت ہو رہی ہے تو سچی سچی بات بتا دو، حالانکہ عدالت میں جا کر جھوٹی گواہی دینے کو حضور اقدس ﷺ نے شرک کے برابر قرار دیا ہے، اور یہ کئی گناہوں کا مجموعہ ہے۔

---

(۱) سورۃ الحج: ۳۰۔

مدرسہ کی تصدیق گواہی ہے

لہٰذا جتنے سرٹیفکیٹ معلومات کے بغیر جاری کیے جا رہے ہیں، اور جاری کرنے والا یہ جانتے ہوئے جاری کر رہا ہے کہ میں یہ غلط سرٹیفکیٹ جاری کر رہا ہوں، مثلاً کسی کے بیمار ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا، یا کسی کے پاس ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا، یا کسی کو کیریکٹر سرٹیفکیٹ دے دیا، یہ سب جھوٹی گواہی کے اندر داخل ہیں۔

میرے پاس بہت سے لوگ مدرسوں کی تصدیق کرانے کے لئے آتے ہیں، جس میں اس بات کی تصدیق کرنی ہوتی ہے کہ یہ مدرسہ قائم ہے، اس میں اتنی تعلیم ہوتی ہے، اور اس تصدیق کا مقصد لوگوں کو اطمینان دلانا ہوتا ہے کہ واقعۃً یہ مدرسہ قائم ہے، اور امداد کا مستحق ہے، اور اب ان مدرسوں کی تصدیق لکھنے کو دل بھی چاہتا ہے، لیکن میں نے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کو دیکھا کہ جب کبھی ان کے پاس کوئی شخص مدرسہ کی تصدیق لکھوانے کے لئے آتا تھا تو آپ یہ عذر فرماتے ہوئے کہتے کہ بھائی! یہ ایک گواہی ہے، اور جب تک مجھے مدرسہ کے حالات کا علم نہ ہو، اس وقت تک میں یہ تصدیق نامہ جاری نہیں کر سکتا، اس لئے کہ یہ جھوٹی گواہی ہو جائے گی، البتہ اگر کسی مدرسے کے بارے میں علم ہوتا تو جتنا علم ہوتا اتنا لکھ دیتے۔

کتاب کی تقریظ لکھنا گواہی ہے

بہت سے لوگ کتابوں پر تقریظ لکھوانے آجاتے ہیں کہ ہم نے یہ کتاب لکھی ہے، آپ اس پر تقریظ لکھ دیجئے کہ یہ اچھی کتاب ہے، اور صحیح کتاب ہے ـــ حالانکہ جب تک انسان اس کتاب کو پورا نہ پڑھے، اس کا پورا مطالعہ نہ کرے، اس وقت تک یہ کیسے گواہی دیدے کہ یہ کتاب صحیح ہے، یا غلط ہے ـــ بہت سے لوگ اس خیال سے تقریظ لکھ دیتے ہیں کہ اس تقریظ سے اس کا فائدہ اور بھلا ہو جائے گا، حالانکہ تقریظ لکھنا ایک گواہی ہے، اور اس گواہی میں غلط بیانی کو لوگوں نے غلط بیانی سے خارج کر دیا ہے ـــ چنانچہ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب، ہم تو ایک ذرا سا کام لے کر ان کے پاس گئے تھے، اگر ذرا سا قلم ہلا دیتے اور ایک سرٹیفکیٹ لکھ دیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا، یہ تو بڑے بد اخلاق آدمی ہیں کہ کسی کو سرٹیفکیٹ بھی جاری نہیں کرتے۔ بھائی بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک ایک لفظ کے بارے میں سوال ہوگا، جو لفظ زبان سے نکل رہا ہے، جو لفظ قلم سے لکھا جا رہا ہے، سب اللہ تعالیٰ کے یہاں ریکارڈ ہو رہا ہے، اور اس کے بارے میں سوال ہوگا کہ فلاں لفظ تم نے جو زبان سے

نکالا تھا، وہ کس بنیاد پر نکالا تھا، جان بوجھ کر بولا تھا، یا بھول کر بولا تھا۔

جھوٹ سے بچیئے

بھائی! ہمارے معاشرے میں جو جھوٹ کی وبا پھیل گئی ہے، اس میں اچھے خاصے دیندار، پڑھے لکھے، نمازی، بزرگوں سے تعلق رکھنے والے، وظائف اور تسبیح پڑھنے والے بھی مبتلا ہیں، وہ بھی اس کو ناجائز اور بُرا نہیں سمجھتے کہ یہ جھوٹا سرٹیفکیٹ جاری ہو جائے گا تو یہ کوئی گناہ ہوگا، حالانکہ حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ "اذا حدث کذب" اس میں یہ سب باتیں بھی داخل ہیں، اور یہ سب دین کا حصہ ہیں، اور ان کو دین سے خارج سمجھنا بدترین گمراہی ہے، اس لئے ان سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

جھوٹ کی اجازت کے مواقع

البتہ بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کی بھی اجازت دے دی ہے، لیکن وہ مواقع ایسے ہیں کہ جہاں انسان اپنی جان بچانے کے لئے جھوٹ بولنے پر مجبور ہو جائے، اور جان بچانے کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو، یا کوئی ناقابلِ برداشت ظلم اور تکلیف کا اندیشہ ہو، کہ اگر وہ جھوٹ نہیں بولے گا تو وہ ایسے ظلم کا شکار ہو جائے گا جو قابلِ برداشت نہیں ہے، اس صورت میں شریعت نے جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے۔ البتہ اس میں بھی حکم یہ ہے کہ پہلے اس بات کی کوشش کرو کہ صریح جھوٹ نہ بولنا پڑے، بلکہ کوئی ایسا گول مول لفظ بول دو، جس سے وقتی مصیبت ٹل جائے، جس کو شریعت کی اصطلاح میں "تعریض اور توریہ" کہا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا لفظ بول دیا جائے، جس کے ظاہری طور پر کچھ اور معنی سمجھ میں آ رہے ہیں، اور حقیقت میں دل کے اندر آپ نے کچھ اور مراد لیا ہے، ایسا گول مول لفظ بول دو تاکہ صریح جھوٹ نہ بولنا پڑے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا جھوٹ سے اجتناب

ہجرت کے موقع پر جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرما رہے تھے تو اس وقت مکہ والوں نے آپ کو پکڑنے کے لئے چاروں طرف اپنے ہرکارے دوڑا رکھے تھے اور یہ اعلان کر رکھا تھا کہ جو شخص حضور اقدس ﷺ کو پکڑ کر لائے گا، اس کو سو اُونٹ انعام کے طور پر دیئے جائیں گے۔ اب اس وقت سارے مکہ کے لوگ آپ ﷺ کی تلاش میں

سرگرداں تھے۔ راستے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جاننے والا ایک شخص مل گیا۔ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جانتا تھا، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں جانتا تھا۔ اس شخص نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون صاحب ہیں؟ اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ چاہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کسی کو پتہ نہ چلے، اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمنوں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اطلاع پہنچ جائے۔ اب اگر اس شخص کے جواب میں صحیح بات بتاتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کو خطرہ ہے، اور اگر نہیں بتاتے تو جھوٹ بولنا لازم آتا ہے۔ اب ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ:

"هذا الرجل يهديني السبيل."

''یہ میرے رہنما ہیں جو مجھے راستہ دکھاتے ہیں۔''

اب آپ نے ایسا لفظ ادا کیا جس کو سن کر اس شخص کے دل میں خیال آیا کہ جس طرح عام طور پر سفر کے دوران راستہ بتانے کے لئے کوئی رہنما ساتھ رکھ لیتے ہیں، اس قسم کے رہنما ساتھ جا رہے ہیں، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دل میں یہ مراد لیا کہ یہ دین کا راستہ دکھانے والے ہیں، جنت کا راستہ دکھانے والے ہیں، اللہ کا راستہ دکھانے والے ہیں ___ اب دیکھئے کہ اس موقع پر اُنہوں نے صریح جھوٹ بولنے سے پرہیز فرمایا، بلکہ ایسا لفظ بول دیا جس سے وقتی کام بھی نکل گیا، اور جھوٹ بھی نہیں بولنا پڑا۔ (۱)

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ یہ فکر عطا فرما دیتے ہیں کہ زبان سے کوئی کلمہ خلافِ واقعہ اور جھوٹ نہ نکلے، پھر اللہ تعالیٰ اُن کی اس طرح مدد بھی فرماتے ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ اور جھوٹ سے پرہیز

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ، جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں انگریزوں کے خلاف جہاد میں بڑا حصہ لیا تھا، آپ کے علاوہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ وغیرہ ان سب حضرات نے اس جہاد میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اب جو لوگ اس جہاد میں شریک تھے، آخرکار انگریزوں نے اُن کو پکڑنا شروع کیا۔ چوراہوں پر پھانسی کے تختے لٹکا دیئے۔

جسے دیکھا حاکمِ وقت نے کہا یہ بھی صاحبِ دار ہے

(۱) رواہ البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر ۳۹۱۱۔

اور ہر ہر محلے میں مجسٹریٹوں کی مصنوعی عدالتیں قائم کر دی تھیں، جہاں کہیں کسی پر شبہ ہوا، اُس کو مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا گیا، اور اُس نے حکم جاری کر دیا کہ اس کو پھانسی پر چڑھا دو، پھانسی پر اس کو لٹکا دیا گیا۔ اسی دوران ایک مقدمہ میرٹھ میں حضرت گنگوہیؒ کے خلاف بھی قائم ہو گیا۔ اور مجسٹریٹ کے یہاں پیشی ہوگئی۔ جب مجسٹریٹ کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا کہ تمہارے پاس ہتھیار ہیں؟ اس لئے کہ اطلاع یہ ملی تھی کہ ان کے پاس بندوقیں ہیں، اور حقیقت میں حضرت کے پاس بندوقیں تھیں، چنانچہ جس وقت مجسٹریٹ نے یہ سوال کیا، اس وقت حضرت کے ہاتھ میں تسبیح تھی، آپ نے وہ تسبیح اس کو دکھاتے ہوئے فرمایا: ہمارا ہتھیار یہ ہے، یہ نہیں فرمایا کہ میرے پاس ہتھیار نہیں ہے، اس لئے کہ یہ جھوٹ ہو جاتا ــــ آپ کا حلیہ بھی ایسا تھا کہ بالکل درویش صفت معلوم ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد بھی فرماتے ہیں، ابھی سوال جواب ہو رہا تھا کہ اتنے میں کوئی دیہاتی وہاں آ گیا۔ اُس نے جب دیکھا کہ حضرت سے اس طرح سوال جواب ہو رہے ہیں تو اس نے کہا کہ ارے! اس کو کہاں سے پکڑ لائے، یہ تو ہمارے محلے کا موجن (موذن) ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلاصی عطا فرمائی۔

حضرت نانوتویؒ اور جھوٹ سے پرہیز

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے خلاف گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو چکے ہیں۔ چاروں طرف پولیس تلاش کرتی پھر رہی ہے اور آپ چھتہ کی مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ وہاں پولیس پہنچ گئی۔ مسجد کے اندر آپ اکیلے تھے ــــ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا نام سن کر ذہنوں میں تصور آتا تھا کہ آپ بہت بڑے عالم ہیں تو آپ شاندار قسم کے لباس اور جبہ قبہ پہنے ہوں گے، وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ تو ہر وقت ایک معمولی لنگی اور ایک معمولی کرتہ پہنے ہوئے ہوتے تھے ــــ جب پولیس اندر داخل ہوئی تو یہ سمجھا کہ یہ مسجد کا کوئی خادم ہے، چنانچہ پولیس نے پوچھا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کہاں ہیں؟ آپ فوراً اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور ایک قدم پیچھے ہٹ کر کہا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہاں تھے، اور اس کے ذریعہ اس کو یہ تاثر دیا کہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں، لیکن زبان سے یہ جھوٹا کلمہ نہیں نکالا کہ یہاں نہیں ہیں، چنانچہ وہ پولیس واپس چلی گئی۔

اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے وقت میں بھی، جبکہ جان پر بنی ہوئی ہو، اس وقت بھی یہ خیال رہتا ہے کہ زبان سے کوئی غلط لفظ نہ نکلے، زبان سے صریح جھوٹ نہ نکلے، اور اگر کبھی مشکل وقت آ جائے تو اس وقت بھی توریہ کر کے اور گول مول بات کر کے کام چل جائے، یہ بہتر ہے۔ البتہ اگر جان پر بن

جائے، جان جانے کا خطرہ ہو، یا شدید نا قابلِ برداشت ظلم کا اندیشہ ہو، اور توریہ سے اور گول مول بات کرنے سے بھی بات نہ بنے تو اس وقت شریعت نے جھوٹ بولنے کی بھی اجازت دے دی ہے، لیکن اس اجازت کو اتنی کثرت کے ساتھ استعمال کرنا، جس طرح آج اس کا استعمال ہو رہا ہے، یہ سب حرام ہے، اور اس میں جھوٹی گواہی کا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

بچوں کے دِلوں میں جھوٹ کی نفرت

بچوں کے دل میں جھوٹ کی نفرت پیدا کریں، خود بھی شروع سے جھوٹ سے بچنے کی عادت ڈالیں اور بچوں سے اس طرح بات کریں کہ ان کے دِلوں میں بھی جھوٹ کی نفرت پیدا ہو جائے، اور سچائی کی محبت پیدا ہو، اس لئے بچوں کے سامنے کبھی غلط بات کوئی جھوٹ نہ بولیں، اس لئے کہ جب بچہ یہ دیکھتا ہے کہ باپ جھوٹ بول رہا ہے، ماں جھوٹ بول رہی ہے تو پھر بچے کے دل سے جھوٹ بولنے کی نفرت ختم ہو جاتی ہے، اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ جھوٹ بولنا تو روزانہ کا معمول ہے، اس لئے بچپن ہی سے بچوں میں اس بات کی عادت ڈالی جائے کہ زبان سے جو بات نکلے، وہ پتھر کی لکیر ہو، اس میں کوئی غلطی نہ ہو، اور نفس الامر کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ دیکھئے، نبوت کے بعد سب سے اُونچا مقام ''صدیق'' کا مقام ہے، اور ''صدیق'' کے معنی ہیں ''بہت سچا'' جس کے قول میں خلافِ واقعہ بات کا شبہ بھی نہ ہو۔

جھوٹ عمل سے بھی ہوتا ہے

جھوٹ جس طرح زبان سے ہوتا ہے، بعض اوقات عمل سے بھی ہوتا ہے، اس لئے کہ بعض اوقات انسان ایسا عمل کرتا ہے، جو درحقیقت جھوٹا عمل ہوتا ہے، حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"المتشبع بما لم یعط کلابس ثوبی زور."(۱)

یعنی جو شخص اپنے عمل سے اپنے آپ کو ایسی چیز کا حامل قرار دے جو اس کے اندر نہیں ہے تو وہ جھوٹ کا لباس پہننے والا ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل سے اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرے جیسا کہ حقیقت میں نہیں ہے، یہ بھی گناہ ہے۔ مثلاً ایک شخص جو حقیقت میں بہت دولت مند نہیں ہے، لیکن وہ اپنے آپ کو اپنی اداؤں سے، اپنی نشست و برخواست سے، اپنے طریقِ زندگی سے

---

(۱) رواہ ابوداوٗد، کتاب الادب، باب فی المتشبع بما لم یعط، حدیث نمبر ۴۹۹۷۔

اپنے آپ کو دولت مند ظاہر کرتا ہے، یہ بھی عملی جھوٹ ہے، یا اس کے برعکس ایک اچھا خاصا کھاتا پیتا انسان ہے، لیکن اپنے عمل سے تکلف کر کے اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرتا ہے، تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے، یہ بہت مفلس ہے، نادار ہے، غریب ہے، حالانکہ حقیقت میں وہ غریب نہیں ہے۔ اس کو بھی نبی کریم ﷺ نے عملی جھوٹ قرار دیا ــــ لہٰذا عملی طور پر کوئی ایسا کام کرنا جس سے دوسرے شخص پر غلط تاثر قائم ہو، یہ بھی جھوٹ کے اندر داخل ہے۔

اپنے نام کے ساتھ ''سیّد'' لکھنا

بہت سے لوگ اپنے ناموں کے ساتھ ایسے الفاظ اور القاب لکھتے ہیں جو واقعہ کے مطابق نہیں ہوتے۔ چونکہ رواج چل پڑا ہے، اس لئے بلاتحقیق لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص نے اپنے نام کے ساتھ ''سیّد'' لکھنا شروع کر دیا، جبکہ حقیقت میں ''سیّد'' نہیں ہے، اس لئے کہ حقیقت میں ''سیّد'' وہ ہے جو باپ کی طرف سے نسب کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ کی اولاد میں ہو۔ بعض لوگ ماں کی طرف سے نبی کریم ﷺ کی اولاد میں سے ہوتے ہیں، اور اپنے آپ کو ''سیّد'' لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ لہٰذا جب تک ''سیّد'' ہونے کی تحقیق نہ ہو اس وقت تک ''سیّد'' لکھنا جائز نہیں، البتہ تحقیق کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ اگر خاندان میں یہ بات مشہور چلی آتی ہے کہ یہ سادات کے خاندان میں ہیں تو پھر ''سیّد'' لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر ''سیّد'' ہونا معلوم نہیں ہے اور نہ اس کی دلیل موجود ہے تو اس میں بھی جھوٹ بولنے کا گناہ ہے۔

لفظ ''پروفیسر'' اور ''مولانا'' لکھنا

بعض لوگ حقیقت میں ''پروفیسر'' نہیں ہیں، لیکن اپنے نام کے ساتھ ''پروفیسر'' لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ''پروفیسر'' تو ایک خاص اصطلاح ہے جو خاص لوگوں کے لئے بولی جاتی ہے۔ یا جیسے ''عالم'' یا ''مولانا'' کا لفظ اس شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو درسِ نظامی کا فارغ التحصیل ہو، اور باقاعدہ اس نے کسی سے علم حاصل کیا ہو، اس کے لئے ''مولانا'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اب بہت سے لوگ جنہوں نے باقاعدہ علم حاصل نہیں کیا، لیکن اپنے نام کے ساتھ ''مولانا'' لکھنا شروع کر دیتے ہیں، یہ بھی خلافِ واقعہ ہے، اور جھوٹ ہے ــــ ان باتوں کو ہم لوگ جھوٹ نہیں سمجھتے، اور ہم یہ نہیں سمجھتے کہ یہ بھی گناہ کے کام ہیں، اس لئے ان سے پرہیز کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

صاف گوئی

لیکن ہمارے بازاروں میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو اصلی اور خالص ملتی ہی نہیں ہیں، بلکہ جہاں سے بھی لو گے، وہ ملاوٹ شدہ ہی ملے گی، اور سب لوگوں کو یہ بات معلوم بھی ہے کہ یہ چیز اصلی نہیں ہے، بلکہ اس میں ملاوٹ ہے۔ ایسی صورت میں وہ تاجر جو اس چیز کو دوسرے سے خرید کر لایا ہے، اس کے ذمے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر ہر شخص کو اس چیز کے بارے میں بتائے۔ اس لئے کہ ہر شخص کو اس کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ خالص نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ خیال ہو کہ خریدنے والا اس چیز کی حقیقت سے بے خبر ہے تو اس صورت میں اس کو بتانا چاہئے کہ یہ چیز خالص نہیں ہے، بلکہ اس میں ملاوٹ ہے۔

عیب کی وضاحت

اسی طرح اگر بیچے جانے والے سامان میں کوئی عیب ہو، وہ عیب خریدار کو بتا دینا چاہئے، تاکہ اگر وہ شخص اس عیب کے ساتھ اس کو خریدنا چاہتا ہے تو خرید لے، ورنہ چھوڑ دے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> "من باع عيبا لم يبينه لم يزل فى مقت الله، ولم تزل الملائكة تلعنه." (۱)
>
> "یعنی جو شخص عیب دار چیز فروخت کرے، اور اس عیب کے بارے میں وہ خریدار کو نہ بتائے کہ اس کے اندر یہ خرابی ہے تو ایسا شخص مسلسل اللہ کے غضب میں رہے گا، اور ملائکہ ایسے آدمی پر مسلسل لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔"

امام ابوحنیفہؒ کی دیانتداری

حضرت امام ابوحنیفہؒ جن کے ہم اور آپ سب مقلد ہیں، بہت بڑے تاجر تھے، کپڑے کی تجارت کرتے تھے، لیکن بڑے سے بڑے نفع کو اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے قربان کر دیا کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ان کے پاس کپڑے کا ایک تھان آیا، جس میں کوئی عیب تھا، چنانچہ آپ نے اپنے ملازموں کو جو دکان پر کام کرتے تھے، کہہ دیا کہ یہ تھان فروخت کرتے وقت گاہک کو بتا دیا جائے کہ اس

---

(۱) ابن ماجہ، ابواب التجارات، باب من باع عيبا فليبينه۔

کے اندر یہ عیب ہے۔ چند روز کے بعد ایک ملازم نے وہ تھان فروخت کر دیا اور عیب بتانا بھول گیا۔ جب امام صاحبؒ نے پوچھا کہ اس عیب دار تھان کا کیا ہوا؟ اُس ملازم نے بتایا کہ حضرت میں نے اس کو فروخت کر دیا۔ اب اگر کوئی اور مالک ہوتا تو وہ ملازم کو شاباش دیتا کہ تم نے عیب دار تھان فروخت کر دیا۔ مگر امام صاحبؒ نے پوچھا کہ کیا تم نے اس کو اس کا عیب بتا دیا تھا؟ ملازم نے جواب دیا کہ میں عیب بتانا تو بھول گیا۔ آپ نے پورے شہر کے اندر اس گاہک کی تلاش شروع کر دی جو وہ عیب دار تھان خرید کر لے گیا تھا۔ کافی تلاش کے بعد وہ گاہک مل گیا تو آپ نے اس کو بتایا کہ جو تھان آپ میری دکان سے خرید کر لائے ہیں، اس میں فلاں عیب ہے، اس لئے آپ وہ تھان مجھے واپس کر دیں اور اگر اسی عیب کے ساتھ رکھنا چاہیں تو آپ کی خوشی۔

ہمارا حال

آج ہم لوگوں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ عیب نہیں بتاتے، بلکہ جانتے ہیں کہ یہ عیب دار سامان ہے، اس میں فلاں خرابی ہے، اس کے باوجود قسمیں کھا کھا کر یہ باور کراتے ہیں کہ یہ بہت اچھی چیز ہے، اعلیٰ درجے کی ہے، اس کو خرید لیں۔

ہمارے اُوپر یہ جو اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو رہا ہے کہ پورا معاشرہ عذاب میں مبتلا ہے، ہر شخص بدامنی اور بے چینی اور پریشانی میں ہے، کسی شخص کی بھی جان، مال، آبرو محفوظ نہیں ہے، یہ عذاب ہمارے انہیں گناہوں کا نتیجہ اور وبال ہے کہ ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں کو چھوڑ دیا۔ سامان فروخت کرتے وقت اس کی حقیقت لوگوں کے سامنے واضح نہیں کرتے، ملاوٹ، دھوکہ، فریب عام ہو چکا ہے۔ (۱)

تجارتی معاملات میں قسمیں کھانا

حدثنا عمرو بن محمد: حدثنا هشيم: اخبرنا العوام، عن ابراهيم بن عبدالرحمٰن، عن عبدالله بن ابى اوفى رضى الله عنه: ان رجلا اقام سلعة وهو فى السوق فحلف بالله لقد اعطى بها مالم يعط ليوقع فيها رجلا من المسلمين، فنزلت "اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا" (۲)

---

(۱) اصلاحی خطبات ۶/۱۲۶ تا ۱۲۹۔ (۲) البخاری کتاب البیوع، باب ما یکرہ من الحلف فی البیع۔

عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے بازار کے اندر اپنے سودے کو رواج دیا۔ اقام کے معنی رواج دینے کے ہیں یعنی بازار کے اندر بیچا اور بیچنے کے لئے اس نے اللہ کی قسم کھائی کہ لقد اعطی بھا مالم یعط الخ، قسم یہ کھائی کہ اللہ کی قسم مجھے پیشکش کی گئی ہے اس سودے کی اتنی قیمت پر۔

یعنی میرے پاس گاہک ایک ایک ہزار روپے میں خریدنے کے لئے آئے تھے، میں نے ایک ہزار روپے میں نہیں دی، حالانکہ اُس کو ایک ہزار کی پیشکش نہیں کی گئی تھی، لقد اعطی الخ، اُس نے قسم کھائی کہ مجھے اس سلعۃ کے عوض میں وہ مقدار دی گئی جو حقیقت میں اُس کو نہیں دی گئی تھی۔ مقصد اس قسم کھانے کا یہ تھا کہ:

لیوقع فیھا رجلا من المسلمین

تاکہ مسلمانوں میں سے ایک شخص کو اس میں واقع کردے یعنی غلط تاثر دے کر پیسہ وصول کر لے۔(۱)

قسم کھا کر سودے کو رواج دینا

حدثنا یحیی بن بکیر: حدثنا اللیث، عن یونس، عن شهاب، قال ابن المسیب ان اباهریرة رضی اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: "الحلف للسلعة ممحقة للبرکة."(۲)

قسمیں کھانا یہ اپنے سودے کو رواج دیتا ہے (منفقۃ ۔ رواج دینا) جس کو بہت سے لوگ خریدیں کہ تم قسمیں کھا کھا کر زیادہ سے زیادہ چیزیں تو بیچ سکتے ہو لیکن اس سے برکت فنا ہو جاتی ہے۔ قسمیں کھا کھا کر سودا تو تم نے بہت بیچ دیا اور اس کے نتیجے میں آمدنی گنتی میں بڑھ گئی لیکن اس کی برکت فنا ہو جاتی ہے۔

اس حدیث کا بظاہر رِبا سے تعلق نہیں ہے لیکن یمحق اللّٰه الربا۔ یمحق کے مناسبت سے امام بخاریؒ لے آئے ہیں کہ جہاں اللہ نے فرمایا کہ رِبا کو مٹاتا ہے۔ رِبا کو مٹانے سے اللہ تعالیٰ کی مراد گنتی میں کم کرنا نہیں ہے کیونکہ گنتی میں تو اضافہ ہوتا ہے، اس کی مراد ہے برکت مٹا دینا۔(۳)

---

(۱) انعام الباری ۶/ ۱۷۲۔
(۲) البخاری، کتاب البیوع، باب یمحق اللہ الربا ویربی الصدقات، رقم الحدیث ۲۰۸۷۔
(۳) انعام الباری ۶/ ۱۷۱۔

عن ابی ذر رضی اللّٰہ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: ثلثة لا ینظر اللّٰہ الیهم یوم القیامة ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم، قلت: من هم یا رسول اللّٰہ، فقد خابوا وخسروا، قال: المنان والمسبل ازاره والمنفق سلعته بالحلف الکاذب.(۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رحمت کی نظر سے دیکھے گا بھی نہیں، اور نہ اُنہیں پاک صاف کرے گا، اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ میں نے پوچھا: یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ یہ تو بڑے ناکام اور نامراد لوگ ہیں۔ جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک وہ شخص جو احسان جتلانے والا ہو، مثلاً ایک شخص نے دوسرے شخص کے ساتھ کوئی ہمدردی کی یا اُس کی امداد کی یا اس کو صدقہ دیا یا زکوٰۃ دی اور پھر بعد میں اس پر احسان جتلا رہا ہے کہ میں نے تم پر فلاں وقت پر یہ احسان کیا تھا۔ یہ احسان جتلانا اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِكُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰى."(۲)

یعنی احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر اپنے صدقات کو باطل مت کرو۔ دوسرا وہ شخص جو زیر جامہ کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا ہو، چاہے وہ شلوار ہو یا پاجامہ ہو یا تہبند ہو۔ ایسا شخص بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے۔ اس لئے کہ ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانا تکبر کی علامت ہے اور تکبر اللہ تعالیٰ کو بہت مبغوض ہے۔ تیسرے وہ شخص جو جھوٹی قسم کے ذریعہ اپنے سامانِ تجارت کو فروخت کرنے والا ہو، تاکہ خریدار اس کو خرید لے۔ ان تینوں اشخاص کی طرف اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت نہیں فرمائیں گے۔ (۳)

جب حلال وحرام کی تمیز اُٹھ جائے گی

حدثنا آدم: حدثنا ابن ابی ذئب حدثنا سعید المقبری، عن ابی هریرة رضی اللّٰہ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: "یأتی علی الناس زمان لا یبالی المرء ما اخذ منه، أ من الحلال ام من الحرام؟"(۴)

---

(۱) سلعته کاذبا۔ (۲) البقرہ:۲۶۴۔ (۳) تقریر ترمذی ۱/۱۶۰، ۱۶۱۔

(۴) البخاری، کتاب البیوع، باب من لم یبال من حیث کسب المال، رقم الحدیث ۲۰۵۹، وفی سنن النسائی کتاب البیوع، رقم ۴۳۷۸، ومسند احمد باقی مسند المکثرین، رقم ۹۲۴۷، وسنن الدارمی، کتاب البیوع، رقم ۲۴۲۴۔

حدیث کا مفہوم

یعنی زمانے کی خبر دی گئی ہے کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ انسان اس بات کی پرواہ نہیں کرے گا کہ جو چیز اس نے حاصل کی ہے وہ حلال ہے یا حرام۔

حضور اقدس ﷺ ایسے زمانے میں یہ بات فرمارہے ہیں جب ہر شخص کو حلال وحرام کی فکر تھی۔ گویا کہ ایک وعید بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ زمانہ خراب زمانہ ہوگا (اللہ بچائے) ہمارے زمانے میں یہ حالت ہوتی جارہی ہے کہ لوگوں کو حلال وحرام کی پرواہ نہیں رہی۔ (۱)

حلال وحرام کی فکر پیدا کریں

ہر کام کرتے وقت یہ دیکھو کہ جو کام میں کر رہا ہوں یہ حق ہے یا ناحق ہے۔ اگر انسان اس فکر کے ساتھ زندگی گزارے کہ ناحق کوئی پیسہ اس کے مال کے اندر شامل نہ ہو تو یقین رکھئے پھر اگر ساری عمر نوافل نہ پڑھیں اور ذکر وتسبیح نہیں کی لیکن اپنے آپ کو حرام سے بچا کر قبر تک لے گیا تو انشاء اللہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ اور اگر حلال وحرام کی فکر تو نہیں کی مگر تہجد کی نماز بھی پڑھ رہا ہے، اشراق کی نماز بھی پڑھ رہا ہے، ذکر وتسبیح بھی کر رہا ہے تو یہ نوافل اور یہ ذکر انسان کو حرام مال کے عذاب سے نہیں بچاسکیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہر مسلمان کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔ (۲)

حرام مال حلال مال کو بھی تباہ کر دیتا ہے

لہٰذا ہم میں سے ہر شخص اپنا جائزہ لے کہ جو پیسے اس کے پاس آرہے ہیں اور جو کام وہ کر رہا ہے، ان میں کہیں حرام مال کی آمیزش تو نہیں ہے۔ حرام مال کی آمیزش کی چند مثالیں میں نے آپ کے سامنے سمجھانے کے لئے پیش کر دیں۔ ورنہ نہ جانے کتنے کام ایسے ہیں جن کے ذریعہ نادانستہ طور پر اور غیر شعوری طور پر ہمارے حلال مال میں حرام مال کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ اور بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جب کبھی کسی حلال مال کے ساتھ حرام مال لگ جاتا ہے تو وہ حرام حلال کو بھی تباہ کر کے چھوڑتا ہے، یعنی اس حرام مال کے شامل ہونے کے نتیجے میں حلال مال کی برکت، اس کا سکون اور راحت تباہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہر شخص اس کی فکر کرے اور ہر شخص اپنے ایک ایک عمل کا جائزہ لے اور اپنی آمدنی کا

---

(۱) انعام الباری ۶/۱۰۰۔

(۲) اصلاحی ۱۰/۱۹۸۔

جائزہ لے کہ ہمارے حلال مال میں کہیں کوئی حرام مال تو شامل نہیں ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس فکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (۱)

طلب ''حلال'' کی ہو

رزق طلب کرنا فریضہ اس وقت ہے جب طلب حلال کی ہو، روٹی، کپڑا اور پیسہ بذاتِ خود مقصود نہیں ہے، یہ نیت نہ ہو کہ بس پیسہ حاصل کرنا ہے، چاہے جس طرح بھی حاصل ہو، چاہے جائز طریقے سے حاصل ہو یا ناجائز طریقے سے حاصل ہو، حلال طریقے سے حاصل ہو یا حرام طریقے سے حاصل ہو۔ اس صورت میں یہ طلب، طلبِ حلال نہ ہوئی جس کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور جس کو فریضہ قرار دیا گیا ہے، کیونکہ مؤمن کا یہ عمل اس وقت دین بنتا ہے جب وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق اس کو حاصل کرے۔ اب اگر اس نے حلال وحرام کی تمیز ہٹا دی اور جائز و ناجائز کا سوال ذہن سے مٹا دیا تو پھر ایک مسلمان میں اور کافر میں رزق حاصل کرنے کے اعتبار سے کوئی فرق نہ رہا۔ بات تو جبھی بنے گی جب وہ رزق تو ضرور طلب کرے لیکن اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود کے اندر کرے۔ اس کو ایک ایک پیسے کے بارے میں فکر لاحق ہو کہ یہ پیسہ حلال طریقے سے آرہا ہے یا حرام طریقے سے آرہا ہے، یہ پیسہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق آرہا ہے یا اس کے خلاف آرہا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف آرہا ہے تو اس کو جہنم کا انگارہ سمجھ کر چھوڑ دے۔ کتنی بڑی سے بڑی دولت ہو، لیکن اگر وہ حرام طریقے سے آرہی ہے تو اس کو لات مار دے اور کسی قیمت پر بھی اس حرام کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے پر راضی نہ ہو۔ (۲)

---

(۱) اصلاحی خطبات ۱۰/۲۰۰، ۲۰۱۔ (۲) اصلاحی خطبات ۱۰/۱۹۰، ۱۹۱۔

مشتبہات سے بچنے کا حکم

مشتبہات سے بچنے کا حکم

عن النعمان بن بشیر رضی اللّٰہ عنھما قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: الحلال بین والحرام بین، وبین ذلك امور مشتبھات لا یدری کثیر من الناس امن الحلال ھی ام من الحرام، فمن ترکھا استبرا لدینه وعرضه فقد سلم، ومن واقع شیئا منھا یوشك ان یواقع الحرام. کما نه من یرعی حول الحمی یوشك ان یواقعه، الا وان لکل ملك حمی، الا وان حمی اللّٰہ محارمه.(۱)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حلال چیزیں بھی واضح ہیں اور حرام چیزیں بھی واضح ہیں۔ اور حلال وحرام کے درمیان کچھ چیزیں اور امور ایسے ہیں جو مشتبہ ہیں۔ جن کے بارے میں بہت سے لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ حلال ہیں یا حرام ہیں، لہٰذا جو شخص اپنے دین کی برأت حاصل کرنے کے لئے اور اپنی آبرو کی برأت کے لئے ان چیزوں کو ترک کردے گا تو وہ سلامت رہے گا۔ اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا مرتکب ہو جائے گا تو قریب ہے کہ وہ حرامِ صریح کے اندر بھی مبتلا ہو جائے گا۔ جیسے وہ شخص جو کسی بادشاہ یا سردار کی مملوک چراگاہ کے اردگرد اپنے جانور چرائے گا تو قریب ہے کہ وہ چراگاہ کے اندر داخل ہو جائے گا۔ خبردار! ہر بادشاہ کی ایک "حمیٰ" ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی "حمیٰ" وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لئے جس طرح اللہ تعالیٰ کی "حمیٰ" کے اندر داخل ہونا جائز نہیں، اسی طرح اس کے اردگرد بھی نہیں جانا چاہئے، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ غلطی سے اس "حمیٰ" کے اندر داخل ہو جائے اور حرام کا ارتکاب کرلے۔

"حمیٰ" کسے کہتے ہیں؟

پہلے زمانے میں "حمیٰ" اس چراگاہ کو کہا جاتا تھا جسے قبیلے کا سردار یا کسی ملک کا بادشاہ یا حاکم اپنے لئے مخصوص کر لیتا تھا، اور یہ اعلان کر دیتا تھا کہ اس چراگاہ میں کسی اور کو اپنے جانور چرانے کی

(۱) رواہ الترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی ترک الشبہات، ج۱، ص ۲۲۹۔

اجازت نہیں۔ اور ''حمیٰ'' بنانے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جس علاقے میں وہ سردار یا بادشاہ اپنے لئے ''حمیٰ'' بنانا چاہتا، وہاں کسی اُونچے ٹیلے پر جاتا، اور اپنے ساتھ ایک ''جہیر الصوت'' (بلند آواز والا) کتا ساتھ لے جاتا۔ وہاں اس کتے کو بھونکنے پر آمادہ کرتا، پھر جس جگہ تک کتے کے بھونکنے کی آواز پہنچتی، اس جگہ تک اس سردار کی ''حمیٰ'' بن جاتی تھی۔ پھر عام لوگوں کو اس میں داخل ہونے اور اس میں اپنے جانور چرانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔

لیکن جب حضور اقدس ﷺ تشریف لائے تو آپ نے اس رسم کو ختم فرماتے ہوئے یہ اعلان فرمادیا:

"لا حمی الا للّٰہ ولرسولہ."

یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ کوئی شخص آئندہ اس طرح اپنے لئے ''حمیٰ'' نہیں بنا سکتا۔ یعنی بیت المال کے لئے تو حمیٰ بنائی جاسکتی ہے، غیر بیت المال کے لئے یا اپنی ذات کے لئے کوئی شخص ''حمیٰ'' نہیں بنا سکتا۔

اس حدیث میں مثال دے کر آپ ﷺ سمجھا رہے ہیں کہ جس طرح زمانہ جاہلیت میں سرداروں کی حمیٰ ہوتی تھیں، اور عام آدمی کو اس حمیٰ میں اپنے جانور چرانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی، چنانچہ عام آدمی اس خوف سے اپنے جانور اس ''حمیٰ'' کے اردگرد بھی نہیں چراتے تھے کہ اگر کوئی جانور بھٹک کر اس ''حمیٰ'' کے اندر چلا جاۓ گا تو وہ سردار یا بادشاہ کی سزا کا مستوجب ہو جائے گا، اسی طرح مشتبہ امور کا ارتکاب کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ''حمیٰ'' کے اردگرد رہنا، جس میں اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں ''محرمات'' کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کی سزا کا مستحق نہ ہو جائے۔ امام ابوداؤدؒ نے اس حدیث کو ثلث دین قرار دیا ہے۔

یہی حدیث مبارک بخاری شریف میں بھی الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ آئی ہے:

"حدثنا محمد بن کثیر: اخبرنا سفیان، عن ابی فروۃ، عن الشعبی، عن النعمان ابن بشیر رضی اللّٰہ عنہ قال: قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "الحلال بین، والحرام بین، وبینھما امور مشتبھۃ. فمن ترك ما شبه علیه من الاثم کان لما استبان اترك، ومن اجترأ علی ما یشكّ فیه من الاثم او شك ان یواقع ما استبان. المعاصی حمی اللّٰہ، من یرتع حول الحمی یوشك ان یواقعه."(۱)

(۱) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب الحلال بین والحرام بین وبینھما مشتبھات۔

یہ بہت قوی حدیث ہے اور مختلف طرق صحیحہ سے مروی ہے اور یہ وہ حدیث ہے جس کو امام ابوداؤدؒ نے فرمایا ہے کہ کئی حدیثیں ایسی ہیں جو پورے دین کا احاطہ کرتی ہیں، ان میں ایک "انما الاعمال بالنیات" ہے اور ایک یہ ہے جو کو ثلث دین قرار دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "الحلال بین، والحرام بین، وبینهما مشتبهات" یعنی حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور حلال و حرام کے درمیان کچھ امور ایسے ہیں جو مشتبہ ہیں۔

مشتبہ ہونے کے معنی

مشتبہ ہونے کے معنی یہ ہے کہ جس کے بارے میں شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ حلال میں داخل ہے یا حرام میں داخل ہے۔

ایسے مواقع پر حضور اکرم ﷺ کا یہ طرز عمل بیان فرمایا کہ "فمن ترك ما شبه عليه من الاثم الخ" کہ جس شخص نے وہ کام بھی چھوڑ دیا جس کے بارے میں اس کو اشتباہ پیدا کیا گیا "كان لما استبان اترك الخ" تو وہ شخص زیادہ چھوڑنے والا ہوگا اس گناہ کو جو اس کو واضح ہو گیا۔ یعنی جب وہ مشتبہ امر کو چھوڑ رہا ہے تو جو بالکل واضح طور پر گناہ ہے تو اس کو بطریق اولیٰ چھوڑے گا۔

(اترک صیغہ اسم تفضیل ہے)

"ومن اجترأ على ما يشكّ فيه من الاثم اوشك ان يواقع ما استبان.

المعاصى حمى الله، من يرتع حول الحمى يوشك ان يواقعه."

اور جو شخص جری ہو گیا اس گناہ پر جس کے بارے میں شک ہے تو قریب ہے کہ مبتلا ہو جائے اور جا پڑے اس گناہ کے اندر جو واضح ہے، یعنی آج تو اس کے اندر جرأت پیدا ہوتی ہے ایک مشتبہ امر کا ارتکاب کرنے کی، لیکن بالآخر اندیشہ ہے کہ واضح گناہ کے اندر مبتلا کرنے کی جرأت اس کے اندر پیدا کردے گی۔ "المعاصى حمى الله"، معصیتیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمی ہیں۔

حمی کے معنی

حمی اس چراگاہ کو کہتے تھے جس کو قبیلہ کا سردار اپنے لئے مخصوص کر لیتا تھا کہ یہ علاقہ میری حمی ہے۔ تو اس میں دوسرے لوگوں کو داخل ہونے سے منع کیا جاتا تھا کہ دوسرے لوگ اپنے جانوروں کو لے کر وہاں نہ آئیں۔

فرمایا کہ جو معصیتیں ہیں وہ اللہ کی حمی ہے کہ جس طرح حمی میں داخلہ ممنوع ہے اسی طرح

معاصی میں بھی داخلہ ممنوع ہے۔

آگے اس تشبیہ کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ "من یرتع حول الحمی یوشك ان یواقعه" یعنی جو شخص حمی کے اردگرد اپنے جانور چرائے تو اس میں اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ خود حمی میں داخل ہو جائے گا۔ یہی حال معصیتوں کا ہے کہ معصیتیں ہیں ہی ممنوع، لیکن اس کے قریب جانا اس میں بھی انسان کو معاصی (گناہ) میں مبتلا کرنے کا احتمال ہوتا ہے اور اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ آدمی اس میں مبتلا ہو جائے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بعض معصیتوں کو منع فرمایا ہے تو وہاں لفظ یہ استعمال فرمایا "ولا تقربوا الزنا" کہ زنا کے قریب بھی مت جاؤ یعنی ایسے مواقع کے قریب بھی نہ جاؤ کہ مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ تو اس لئے فرمایا کہ دین کی سلامتی کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی مشتبہ امور سے بھی پرہیز کریں۔

اشتباہ کی تفصیل

مشتبہ امور سے پرہیز کرنا کبھی واجب ہوتا ہے اور کبھی مستحب

جہاں واجب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک آدمی مجتہد ہے، اس کے سامنے کسی معاملہ کے مختلف دلائل آئے اور تمام دلائل یکساں نوعیت کے حامل ہیں اور اپنی قوت کے اعتبار سے بھی برابر ہیں، یعنی جو دلیل کسی شئ کی حلت پر دلالت کر رہی ہے وہ بھی قوی ہے اور جو دلیل کسی شئ کی حرمت پر دلالت کر رہی ہے وہ بھی قوی ہے اور دونوں کی قوت یکساں ہے، اس صورت میں مجتہد کے لئے واجب ہے کہ وہ دلیلِ حرمت کو ترجیح دے کر اس پر عمل کرے۔ اس صورت میں مشتبہ عمل سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں ادلہ حرمت وحلت میں تعارض ہو جائے تو دلیلِ حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے اور اس کی بناء پر اس عمل کو ناجائز قرار دیا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک آدمی جو مجتہد نہیں ہے اس کے حق میں کسی مجتہد یا مفتی کا قول حجت ہے۔ اب ایک ہی عمل کو ایک مفتی حلال ہونے کا فتوی دیتا ہے اور دوسرا مفتی حرام ہونے کا فتوی دیتا ہے، تو اس مفتی کے قول پر عمل کرے جس کو زیادہ اعلم اور زیادہ اورع سمجھتا ہے، چاہے وہ حلت کا فتویٰ دے رہا ہو یا حرمت کا، لیکن اگر دونوں برابر ہیں، علم اور تقویٰ کے اعتبار سے وہ دونوں میں سے کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا تو اس صورت میں اس کے لئے بھی واجب ہے کہ وہ اس شخص کے فتویٰ پر عمل کرے جو ناجائز قرار دے رہا ہے، کیونکہ ادلہ حرمت وحلت اس کے حق میں برابر ہو گئے، اس صورت میں جس طرح

مجتہد کے حق میں قرآن وسنت دلیل ہے اسی طرح مقلد کے حق میں مجتہد کا قول دلیل ہے، جس طرح وہاں تعارض ادلہ مع القوہ کی صورت میں حرمت کی جانب کو ترجیح ہوتی ہے اسی طرح یہاں پر بھی حرمت کی دلیل کو ترجیح ہوگی۔ یہ دو موقعے ایسے ہیں جہاں پر مشتبہ چیز سے بچنا واجب ہے۔

بعض مواقع ایسے ہیں جہاں مشتبہ چیز سے بچنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، مثلاً فتویٰ کی رُو سے مشتبہ چیز پر عمل کرنا جائز ہوگا لیکن تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اس سے بچے، یہ وہ موقع ہے جہاں ادلہ حرمت وحلت میں تعارض تو ہے لیکن حلت کے دلائل قوت کے اعتبار سے راجح ہیں تو اس صورت میں حلت کی جانب کو اختیار کرنا جائز ہے لیکن تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ حرمت کی جانب عمل کرے اور اس عمل سے بچ جائے۔

یہ وہ موقع ہے جہاں اس اشتباہ سے بچنا مستحب ہے۔ اور یہ مستحب بھی اس وقت ہے جب کہ اس مشتبہ چیز پر عمل کرنے کے نتیجے میں صریح حرام میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ نہ ہو، لیکن اگر یہ اندیشہ ہے کہ یہ چیز فی نفسہٖ جائز ہے لیکن جب میں اس جائز چیز کو اختیار کروں گا تو بالآخر میں اس پر بس نہیں کرسکوں گا، بلکہ اس سے آگے بڑھ جاؤں گا اور گناہ میں مبتلا ہو جاؤں گا، تو اس صورت میں اس سے بچنا واجب ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ روزے کی حالت میں اگرچہ جماع حرام ہے لیکن مس المرأۃ اور تقبیل المرأۃ جائز ہے اور حضور اکرم ﷺ سے ثابت بھی ہے لیکن یہ جائز اس وقت ہے جبکہ اس کو اس بات کا اطمینان ہو کہ میں اس حد سے آگے نہیں بڑھوں گا۔ لیکن اگر یہ اندیشہ ہو کہ اگر میں نے ایک مرتبہ دواعی جماع کا ارتکاب کرلیا تو پھر میں حقیقتاً جماع کے اندر مبتلا ہو جاؤں گا تو پھر اس سے بچنا واجب ہو جائے گا، یہی مشتبہات کی تفصیل ہے۔

اصول کون منطبق کرے؟

اب مسئلہ یہ ہے کہ اصول تو بتلا دیئے گئے لیکن ان اصول پر عمل کرنے اور اس کے اطلاق کرنے میں تفقہ کی ضرورت ہوتی ہے، یعنی کب یہ کہا جائے کہ دلیلیں مساوی ہیں اور کب یہ کہا جائے کہ ایک دلیل زیادہ قوی ہے اور دوسری اس کے مقابلہ میں مرجوح ہے، اور کب کہا جائے کہ دو مفتی اتقی اور اعلم ہیں، برابر ہیں؟ اور کب کہا جائے کہ ایک کو دوسرے پر فوقیت حاصل ہے؟ کب کہا جائے کہ یہ عمل گناہ کی طرف لے جائے گا؟ اور کب کہا جائے کہ گناہ کی طرف نہیں لے جائے گا؟ تو یہ ساری باتیں ہر ایک آدمی کے بس کی نہیں ہیں کہ اس کے بارے میں وہ فیصلہ کرے۔ اس کے لئے رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے، اس شخص کی جس کو اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین عطاء فرمایا ہو، اور کہاں یسر کا پہلو اور

کہاں سد ذریعہ کا پہلو اختیار کیا جائے؟ تو یہ چیز تفقہ فی الدین چاہتی ہے۔

اور تفقہ فی الدین صرف کتاب پڑھنے سے حاصل نہیں ہوگا۔ یہ حاصل ہوتا ہے کسی متفقہ فی الدین کی صحبت میں رہنے سے۔ اس کی صحبت میں آدمی رہتا ہے تو رفتہ رفتہ ایک ملکہ اللہ تعالیٰ عطاء فرما دیتے ہیں، ایک مزاج و مذاق بنا دیتے ہیں کہ اس ملکہ کی روشنی میں انسان صحیح فیصلہ کرتا ہے۔

حصولِ ورع کا آسان راستہ

وقال حسان بن ابی سنان: ما رأيت شيئا اهون من الورع، دع ما يريبك الى ما لا يريبك. (۱)

حضرت حسان بن ابو سنان فرماتے ہیں کہ:

میں نے کوئی چیز ورع سے زیادہ آسان نہیں دیکھی یعنی مشتبہ چیز کو ترک کر دینا ورع ہے، یعنی اس میں آدمی کا دل مطمئن رہتا ہے۔ اگر ورع اختیار نہ کریں اور مشتبہ کام کر لیں تو اس میں ایک کھٹکا رہے گا کہ میں نے یہ صحیح کیا یا صحیح نہیں کیا، لیکن اگر مشتبہ چیز سے بچا رہا تو طبیعت میں وہ کھٹکا نہیں رہے گا، اطمینان رہے گا۔ بعض اوقات اپنے نفس کے خلاف کرنا پڑتا ہے لیکن نتیجہ کے اعتبار سے، قلب کے اطمینان اور ضمیر کے سکون کے لحاظ سے وہ اکبر ہے۔ اور فرمایا:

"دع ما يريبك الى ما لا يريبك."

جو چیز تمہیں شک میں ڈال رہی ہو اس کو چھوڑ دو اس چیز کی طرف جو تمہیں شک میں نہیں ڈال رہی یعنی ایک عمل ایسا ہے جس میں شک ہے اور ایک عمل ایسا ہے جس میں شک نہیں ہے، تو شک والی چیز کو چھوڑ دو اور بغیر شک والی چیز کو اختیار کرو۔ (۲)

انگریزی روشنائی کا حکم

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فتویٰ کے اندر تو اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ عام لوگوں کو جتنی زیادہ سے زیادہ سہولت دی جا سکتی ہو، وہ ان کو دے دی جائے، لیکن خود اپنے عمل میں سختی کا پہلو اختیار فرماتے تھے۔ چنانچہ اس زمانے میں جب انگریزی روشنائی کا رواج شروع ہوا، جس کو ہم لوگ آج کل سیاہی والے قلم میں استعمال کرتے ہیں، تو اس

---

(۱) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب تفسیر المشتبہات۔

(۲) انعام الباری ۶ / ۸۰ تا ۸۴۔

روشنائی کے استعمال کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ اس لئے کہ اس روشنائی میں اسپرٹ ہوتی ہے اور اسپرٹ میں "الکحل" شامل ہوتی ہے جو شراب ہی کی ایک قسم ہے۔ اور شراب نجس ہے تو اسپرٹ بھی نجس ہوگی، اور اس اسپرٹ سے بننے والی روشنائی بھی نجس ہونی چاہئے، لہٰذا اس روشنائی کا استعمال ناجائز ہونا چاہئے۔

حضرت تھانویؒ نے اس مسئلے کی تحقیق کے بعد ایک مفصل فتویٰ تحریر فرمایا، جس میں آپ نے لکھا کہ جو "الکحل" اسپرٹ میں شامل ہوتی ہے، وہ اشربہ اربعہ میں سے کسی سے بنی ہوئی نہیں ہوتی، نہ وہ کھجور کی ہوتی ہے اور نہ انگور کی ہوتی ہے۔ اس لئے امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق یہ روشنائی ناپاک نہیں، لہٰذا اس کا استعمال بھی جائز ہے۔ اور اگر کسی کپڑے پر لگ جائے تو اس سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا۔ لیکن حضرت تھانویؒ جنہوں نے تقریباً ایک ہزار تصانیف چھوڑیں، زندگی بھر اس روشنائی کو استعمال نہیں فرمایا، بلکہ سیاہی والا قلم بھی استعمال نہیں کیا، ہمیشہ لکڑی کا قلم اور دیسی روشنائی استعمال فرمائی، اور اسی سے تمام تصانیف تحریر فرمائیں۔ اسی کی طرف حضور اقدس ﷺ نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا۔

"دع ما یریبك الی ما لا یریبك."(۱)

یعنی شک والی چیزوں کو چھوڑ کر ان چیزوں کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو۔ (۲)

حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صاحب کا چند مشکوک لقمے کھانا

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ جو حضرت تھانویؒ کے جلیل القدر استاذ تھے، اور دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے، وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں ایک دعوت میں چلا گیا اور وہاں جا کر کھانا کھالیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس شخص کی آمدنی مشکوک ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں مہینوں تک ان چند لقموں کی ظلمت اپنے دل میں محسوس کرتا رہا، اور مہینوں تک میرے دل میں گناہ کرنے کے جذبات پیدا ہوتے رہے، اور طبیعت میں یہ داعیہ بار بار پیدا ہوتا تھا کہ فلاں گناہ کرلوں، فلاں گناہ کرلوں۔ حرام مال سے یہ ظلمت پیدا ہو جاتی ہے۔ (۳)

---

(۱) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب تفسیر المشتبہات۔
(۲) تقریر ترمذی ۱/۳۵ تا ۳۸۔
(۳) اصلاحی خطبات ۹/۸۱۔

حضور ﷺ کا مشتبہ چیز سے بچنے کا مشورہ دینا

حدثنا محمد بن كثير: اخبرنا سفيان: اخبرنا عبدالله بن عبدالرحمٰن بن ابی حسين: حدثنا عبدالله بن ابی مليكة، عن عقبة بن الحارث رضی الله عنه: ان امرأة سوداء جاءت فزعمت انها ارضعتهما، فذكر للنبی صلی الله عليه وسلم فاعرض عنه وتبسّم النبی صلی الله عليه وسلم قال: "كيف وقد قيل؟ وقد كانت تحته ابنة ابی اهاب التميمی."(۱)

حدیث کا مفہوم

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے نکاح کیا تھا تو ایک سیاہ فام عورت آئی اور اس نے یہ دعویٰ کیا کہ انها ارضعتهما الخ کہ اس نے ان دونوں کو دودھ پلا دیا۔ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو اور جس سے اس نے نکاح کیا ہے دونوں کو اس نے دودھ پلایا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ رضاعی بہن بھائی ہو گئے اور نکاح درست نہ ہوا۔

ذكر النبی صلی الله عليه وسلم الخ تو نبی کریم ﷺ سے حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ ذکر کیا، فاعرض عنهم الخ تو آپ ﷺ نے ان سے اعراض فرمایا اور آپ نے تبسم فرمایا اور پھر فرمایا کہ:

"كيف وقد قيل"، جب ایک بات کہہ دی گئی تو اب تم اس عورت کو اپنے پاس کیسے رکھو گے۔ یعنی جو خوشگوار تعلق میاں بیوی کے درمیان ہونا چاہئے وہ برقرار رہنا مشکل ہے، کیونکہ جب بھی بیوی کے پاس جاؤ گے تو اس قسم کا خیال دماغ میں آئے گا کہ اس عورت نے جو بات کہی تھی وہ کہیں ٹھیک ہی نہ ہو، میرا اس کے پاس جانا حرام نہ ہو، اور ساری زندگی کھٹکا لگا رہے گا کہ کہیں گناہ تو نہیں کر رہا؟

جیسے کسی شخص کے سامنے کھانا بہت عمدہ رکھا ہوا ہے اور کوئی آدمی آ کر یہ کہہ دے کہ اس میں کتے نے منہ ڈالا تھا تو تنہا اس ایک آدمی کا کہنا صحیح نہ ہوگا، لیکن آدمی کے دل میں کراہیت تو پیدا ہو جائے گی۔

وہی بات فرما رہے ہیں کہ تمہارے دل میں کراہیت پیدا ہو جائے گی اور پھر میاں بیوی کے تعلقات کی خوشگواری باقی نہ رہے گی۔(۲)

---

(۱) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب تفسیر المشبہات، رقم ۲۰۵۲۔ (۲) انعام الباری ۶/۸۵۔

دورِ جاہلیت میں کنیز کے ساتھ برتاؤ اور حاملہ کا دستور

عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: کان عتبة بن ابی وقاص عهد الی اخیه سعد بن ابی وقاص ان ابن ولیدة زمعة منی فاقبضه، قامت: فلما کان عام الفتح آخذه سعد بن ابی وقاص و قال: ابن اَخی قد عهد الی فیه، فقال عبد بن زمعة نقال: اخی و ابن ولیدة ابی ولد علی فراشه، فتساوقا الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال سعد: یا رسول اللّٰه، ابن اخی کان قد عهد الی فیه، فقال عبد بن زمعة: اخی و ابن ولیدة ابی ولد علی فراشه، فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم "هو لك یا عبد بن زمعة" ثم قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: "الولد للفراش فللعاهر الحجر." ثم قال لسودة بنت زمعة زوج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: (احتجبی منه) یا سودة، لما رأی من شبهه بعتبة، فما رآها حتی لقی اللّٰه.(۱)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا یہ بہت مشہور واقعہ ہے کہ ایک جاریہ یعنی کنیز تھی، جاہلیت کے زمانے میں آقا بعض اوقات اپنی کنیز کو عصمت فروشی کے لئے استعمال کرتے تھے، اور جب مولیٰ عصمت فروشی کے لئے کنیز کو استعمال کرتا تھا تو وہ لڑکی بھی خراب ہو جاتی تھی، اور بعض اوقات عصمت فروشی کے علاوہ بھی اپنی ذاتی خواہش کی تسکین کے لئے کسی سے ناجائز تعلقات قائم کر لیتی تھی۔ زمعہ کی ایک جاریہ یعنی کنیز تھی، اس کو بھی اس مقصد کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، تو اسی قسم کا تعلق اس لڑکی نے عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے جو (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے) قائم کر لیا تھا۔ اور اسی کے نتیجہ میں وہ حاملہ ہو گئی اور جاہلیت میں یہ دستور بھی تھا کہ اگر کسی کنیز کے پاس بہت سے لوگ آتے جاتے ہوں تو اسے جب حمل ہوتا تھا تو ان میں سے کوئی شخص اس کا دعویٰ کر دیتا تھا کہ حمل میرا ہے۔ اس کی تفصیل کتاب النکاح میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

بعض صورتوں میں اس کے دعویٰ کو قبول کر لیا جاتا تھا۔ اور باوجود یہ کہ نکاح باقاعدہ طریقہ سے نہیں ہوتا تھا لیکن بچے کا نسب اس سے ثابت کر دیتے تھے، تو ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ جب عتبہ بن ابی وقاص نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ زمعہ کی جو جاریہ ہے اس کے پاس میں جاتا

---

(۱) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب تفسیر المشبہات، ۲۰۵۳۔

تھا اور اس سے جو بچہ ہوا ہے وہ میرا ہے، جو تم جا کے لے آنا۔ عہد کے معنی وصیت تھی، زمعہ کی کنیز کا بیٹا مجھ سے ہے یعنی میرے نطفہ سے ہے، "فاقبض" لہٰذا اس پر قبضہ کر لینا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "فلما کان عام الفتح" جب فتح مکہ کا سال آیا تو سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے اس بچہ کو لے لیا اور کہا کہ "ابن اخی" کہ یہ میرے بھائی عتبہ ابن ابی وقاص کا بیٹا ہے، اور میرے بھائی نے اس کے بارے میں مجھے وصیت کی ہے۔

"فقال عبد بن زمعة" اس لڑکی کا جو مولیٰ تھا، اس کا بیٹا کھڑا ہو گیا۔ اُس نے کہا کہ فقال اخی یہ بیٹا تو میرا بھائی ہے یعنی یہ زمعہ کی جاریہ کا ہے اور میرا باپ تھا یہ میرے باپ کا بیٹا ہے یعنی میرا بھائی فقال اخی یعنی هذا اخی وابن ولیدة ابی اور میرے باپ کے جاریہ کا بیٹا ہے۔ ولد علی فراشه اور میرے باپ کے فراش پر پیدا ہوا۔

گویا اب دعویدار دو ہو گئے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے تھے میرے بھائی کا بیٹا ہے اور عبد ابن زمعہ کہتے تھے میرا بھائی ہے، میرے والد کا بیٹا ہے، فتساوقا الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔

فقال سعد: یا رسول اللّٰه ابن اخی کان قد عهد الی فیه، فقال عبد بن زمعة: اخی وابن ولیدة ابی ولد علی فراشه۔ دونوں نے اپنے دعوے دہرائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هو لك یا عبد بن زمعه۔ اے ابن زمعہ یہ تمہارا ہے۔ سعد بن ابی وقاص کو لینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الولد للفراش، بچہ "صاحبِ فراش" کا ہے (یعنی جس مرد کو اس عورت سے ہمبستری کرنے کا حق حاصل تھا) اور فراش یا تو ازدواج کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے، مِلک یمین سے پیدا ہوتا ہے یعنی زمعہ کو مِلک یمین حاصل تھی۔ لہٰذا اس سے جو بھی اولاد ہو گی جب تک زمعہ انکار نہ کر دے اس وقت تک اس سے جو بھی اولاد ہو گی زمعہ ہی کی سمجھی جائے گی۔ لہٰذا اے عبد ابن زمعہ یہ تمہارا ہے، وللعاهر الحجر، اور زانی کے لئے پتھر ہے یعنی زانی کو کچھ نہ ملے گا، نسب اس کے ساتھ ثابت نہ ہو گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کر دیا کہ بیٹا زمعہ کا ہے اور عتبہ بن ابی وقاص سے اس کی نسبت ثابت نہیں، لیکن ساتھ ہی آپ نے اپنی زوجہ مطہرہ اُم المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم ان سے پردہ کرو۔ تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کا نسب زمعہ سے ثابت کر دیا جس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ زمعہ کا بیٹا قرار پایا، چونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اُن ہی کی بیٹی تھیں تو وہ لڑکا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا بھائی بن گیا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ اُن کے درمیان محرمیت کا رشتہ پیدا ہو جائے اور محرمیت کا رشتہ پیدا ہونے

کے معنی یہ ہے کہ ان کے درمیان پردہ نہیں ہوگا تو آپ ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے پردہ کرنے کا کیوں فرمایا؟

شبہ کی بنیاد پر پردہ کا حکم

لما رأی من شبھة بعتبة، کیونکہ اس بچہ کے اندر آپ ﷺ نے عتبہ بن ابی وقاص (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی) کی شباہت دیکھی یعنی اس کے خدوخال عتبہ بن ابی وقاص جیسے تھے۔ تو اگرچہ فیصلہ آپ ﷺ نے فراش کی بنیاد پر کر دیا کہ یہ زمعہ کا بیٹا ہے لیکن چونکہ اس کے خدوخال میں عتبہ بن ابی وقاص کی شباہت تھی لہٰذا شبہ پیدا ہوگیا کہ شاید یہ حقیقت میں عتبہ بن ابی وقاص ہی کا بیٹا ہو۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اس شبہ کی بنیاد پر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا کہ ان سے پردہ کرو۔ فما رآھا حتی لقی اللہ، تو اس شخص نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو نہ دیکھا یہاں تک کہ اس کا انتقال ہوگیا۔(۱)

اس حدیث میں بڑے پیچیدہ اور متعدد مباحث ہیں اور یہ حدیث مبارک اپنے فقہی مضامین کے لحاظ سے مشکل ترین احادیث میں سے ہے، اور اس کی جو مختلف روایتیں اور مختلف طرق ہیں ان کے لحاظ سے بھی یہ مشکل ترین احادیث میں سے ہے۔

ان مسائل کی جس قدر تحقیق و تفصیل اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے "تکملة فتح الملھم" میں بیان ہوئی ہے وہ آپ کو شاید اور کہیں نہیں ملے گی۔ اس لئے کہ اس حدیث کی تحقیق و تفصیل اور تشریح میں مَیں نے بڑی محنت اُٹھائی ہے اور اس کی تمام روایات کو سامنے رکھ کر جو متعلقہ مباحث ہیں، میں نے ان کو تفصیل کے ساتھ "تکملة فتح الملھم" کی "کتاب الرضاع" میں بیان کیا ہے، بڑے پیچیدہ مسائل ہیں لیکن یہاں ان تمام مسائل کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔(۲)

نامعلوم شکاری کتے کا شکار

حدثنا ابوالولید: حدثنا شعبة قال: اخبرنی عبداللہ بن ابی السفر، عن الشعبی، عن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، قال: سألت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن المعراض، فقال: "اذا اصاب بحدہ فکل، واذا اصاب بعرضه فقتل فلا تأکل فانه وقیذ." قلت: یا رسول اللہ، ارسل کلبی واسمی فاجد معه علی الصید کلبا آخر لم اسم علیه، ولا ادری

(۱) عمدۃ القاری ۳۰۶/۸۔ (۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: تکملہ فتح الملھم ۶۸/۱۔

ایھما اخذ؟ قال: "لا تاکل، انما سمیت علی کلبك ولم تسم علی الآخر."(۱)

مسئلۂ ذیل میں مشتبہ سے بچنا واجب ہے

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معراض کے بارے میں سوال کیا، (معراض بغیر پر والے تیر کو کہتے ہیں)۔

اذا اصاب بحدہ فکل، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ اپنے پھل کی طرف سے جا کر شکار کو لگے تو کھالو۔

واذا اصاب بعرضہ فقتل فلا تأکل، اور اگر اپنی چوڑائی کی طرف سے جا کر لگے تو مت کھاؤ۔ فانہ وقیذ، اس واسطے کہ جب وہ چوٹ سے مرا تو موقوذ ہو گیا۔

ایک تو یہاں پر حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا جو کہ مقصود بالذکر نہیں ہے۔

اور دوسرا مسئلہ یہ پوچھا، قلت: یا رسول اللّٰہ، ارسل کلبی، کہ میں اپنا کتا بسم اللہ پڑھ کر شکار کے اُوپر چھوڑتا ہوں۔

فأجد معہ علی الصید کلبا آخر لم اسم علیہ، اور جب جا کر دیکھتا ہوں تو شکار پر دوسرا کتا کھڑا ہے جس پر میں نے بسم اللہ نہیں پڑھی۔

ولا ادری ایھما اخذ؟ اور مجھے پتہ نہیں کہ ان دونوں کتوں میں سے کس نے اس شکار کو پکڑا ہے، یعنی آیا شکار اس کتے نے پکڑا جس پر میں نے بسم اللہ کہی تھی یا اس دوسرے کتے نے جو برابر میں کھڑا ہے۔

قال: لا تأکل، انما سمیت علی کلبك ولم تسم علی الآخر، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو مت کھاؤ۔ تم نے بسم اللہ اپنے کتے پر پڑھی تھی دوسرے کتے پر نہیں پڑھی تھی۔ یعنی شبہ پیدا ہو گیا کہ قتل میرے کتے نے کیا ہے یا دوسرے کتے نے، اس واسطے اس شبہ کی بنیاد پر تمہارے واسطے اس کا کھانا جائز نہیں ہے اور یہ وہ موقع ہے کہ جہاں مشتبہ سے بچنا واجب ہے۔(۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شبہ کی بنیاد پر کھجور نہ کھانا

ایک حرام چیز سے بچنے کو تنزہ نہیں کہتے بلکہ اس کو عام طور سے تقویٰ کہتے ہیں۔ لیکن جہاں

(۱) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب تفسیر المشبھات، رقم ۲۰۵۴۔ (۲) انعام الباری ۶/۹۰

ایسی چیز ہو جو کہ فی نفسہ حلال ہے، لیکن محض طبیعت کی احتیاط کی بنیاد پر اسے چھوڑا جائے تو وہ تنزہ ہوگا۔

حدثنا قبیصة: حدثنا سفیان، عن منصور، عن طلحة، عن انس رضی اللّٰہ عنه قال: مر النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم بتمرة مسقوطة، فقال: "لو لا ان تکون صدقة لأکلتھا."

وقال ھمام، عن ابی ھریرة رضی اللّٰہ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: "اجد تمرة ساقطة علی فراشی."(۱)

حدیث کی تشریح

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، مر النبی صلی اللّٰہ علیه سلم بتمرة مسقوطة، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گری ہوئی کھجور کے پاس سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو لا ان تکون صدقة لأکلتھا۔ اگر اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی ہوگی تو میں کھا لیتا۔ ایک تمرہ جو گری پڑی ہے وہ ایسی چیز ہے جس میں حکم بھی یہ ہے کہ اگر آدمی اُٹھا کر کھا لے تو جائز ہے، کیونکہ یہ ایسی چیز ہے کہ کسی باغ سے اگر پھل نیچے گر جائے تو اس کو عام آدمی کے لئے مباح قرار دیتے ہیں کہ جو چاہے کھالے اور اگر کسی کے ہاتھ سے گر گئی ہے تو وہ بھی مباح کر دیا ہے کہ ایک معمولی کھجور ہے۔ لہٰذا اس کو لقطہ قرار دے کر اس کی تعریف بھی واجب نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فارق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص بڑے زور زور سے اعلان کر رہا ہے کہ مجھے ایک کھجور ملی ہے، اگر کسی کی ہے تو لے لو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو اس کو دھول لگایا کہ تم تو اپنے تقویٰ کا اعلان کر رہے ہو، کہ میں اتنا متقی ہوں کہ ایک کھجور بھی بغیر تعریف کے نہیں رکھتا ہوں، تو یہ ایسی چیز ہے جس میں تعریف بھی واجب نہیں ہے، کوئی اگر کھائے تو جائز ہے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ یہ تھا کہ آپ کے لئے صدقہ منع تھا تو شبہ یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ صدقہ ہو تو اس واسطے آپ نے اس کے کھانے سے پرہیز فرمایا۔(۲)

---

(۱) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب ما یتنزہ من الشبہات، رقم ۲۰۵۵، وفی صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، رقم ۱۷۸۱، وسنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، رقم ۱۴۰۸، ومسند احمد باقی مسند المکثرین، رقم ۱۱۷۴۵۔

(۲) انعام الباری۔

محض وسوسہ شبہات میں شامل نہیں

حدثنا ابونعیم: حدثنا ابن عینیة، عن الزهری، عن عباد بن تمیم عن عمه قال: شکی الی النبی صلی الله علیه وسلم الرجل یجد فی الصلاة شیئا، ایقطع الصلاة؟ قال: "لا حتی یسمع صوتا او یجد ریحا."(۱)

وقال ابن ابی حفصة، عن الزهری: لا وضوء الا فیما وجدت الریح او سمعت الصوت.

حضرت عباد بن تمیم اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں، شکی الی النبی صلی الله علیه وسلم الرجل، کہ آپ ﷺ کے سامنے ایک شخص کی شکایت کی گئی یعنی ایک شخص کا معاملہ پیش کیا گیا. یجد فی الصلاة شیئا۔ جس کو نماز کے دوران کچھ وسوسہ پیدا ہوتا ہے۔ یعنی خروجِ ریح کا وسوسہ تھا۔ ایقطع الصلاة؟ کہ وہ نماز کو توڑ دے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا، لا حتی یسمع صوتا او یجد ریحا۔ نہیں، یعنی محض خروجِ ریح کا وسوسہ ہو تو نماز نہ توڑے یہاں تک کہ وہ آواز سنے یا بو محسوس کرے ایک آواز کا سننا یا بو کا محسوس کرنا، یہ کنایہ ہے تیقنِ حدث سے تو جب تیقن نہ ہو تو محض وسوسہ کی بنیاد پر نماز کو قطع کرنا جائز نہیں ہے۔

یہی بات آگے دوسری روایت میں بیان کردی۔ وقال ابن ابی حفصة، عن الزهری: لا وضوء الا فیما وجدت الریح او سمعت الصوت.

پھر ایک حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نقل کی ہے:

حدثنا احمد بن المقدام العجلی: حدثنا محمد بن عبدالرحمن الطفاوی: حدثنا هشام بن عروة، عن ابیه، عن عائشة رضی الله عنها: ان قوما قالوا: یا رسول الله، ان قوما یأتوننا باللحم لا ندری اذکروا اسم الله علیه، ام لا؟ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "سموا الله علیه وکلوه."(۲)

---

(۱) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب من لم یر الوساوس ونحوها من الشبہات، رقم ۲۰۵۶۔

(۲) رواہ البخاری، رقم ۲۰۵۷، وفی سنن النسائی، کتاب الضمایا، رقم ۴۳۶۰، وسنن ابی داؤد کتاب الضمایا، رقم ۲۴۴۶، وسنن ابن ماجۃ، کتاب الذبائح، رقم ۳۱۶۵، وموطا مالک، کتاب الذبائح، رقم ۹۲۵، وسنن الدارمی، کتاب الاضاحی، رقم ۱۸۹۴

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ان قوما یأتوننا باللحم، یعنی ایک قوم ہے جو ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں۔

لا ندری اذکروا اسم اللہ علیہ ام لا، ہمیں پتہ نہیں کہ ذبح کرتے وقت اس جانور پر اللہ کا نام لیا یا نہیں لیا، یعنی چونکہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس جانور کو شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا ہے یا نہیں، اس لئے ہم اس کے گوشت کو کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بسم اللہ پڑھو اور کھالو۔ یہاں بھی دل میں شبہ پیدا ہو گیا تھا، لیکن اس کا اعتبار نہیں کیا۔ یہ دونوں حدیثیں ایسی ہیں کہ ان میں شبہ کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

شبہات کی قسمیں

ان مختلف احادیث سے امام بخاریؒ کا مقصود یہ ہے کہ دل میں جو شبہ پیدا ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم شبہ کی وہ ہے جو ناشی عن دلیل ہو یعنی کوئی دلیل ہو جس سے وہ شبہ پیدا ہوتا ہے چاہے وہ دلیل دوسری دلیل کے مقابلہ میں مرجوح ہو لیکن فی نفسہ دلیل ہے جس کی بنیاد پر شبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس شبہ کا اعتبار ہے اور اس شبہ کی وجہ سے تنزہ اور احتیاط تقویٰ کا تقاضا ہے۔

دوسری قسم شبہ کی وہ ہے کہ جو ناشی عن غیر دلیل ہو یعنی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس کو وسوسہ کہتے ہیں۔ یہ شبہ نہیں ہوتا، لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس صورت میں وسوسہ کی وجہ سے کسی جائز کام کو ترک کرنا تقویٰ کا تقاضا نہیں بلکہ ایسے وسوسہ کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس پر عمل نہ کرے بلکہ اس کی طرف دھیان ہی نہ دے۔

امام بخاریؒ پہلے ان دو باتوں میں تفریق بیان کرنا چاہتے ہیں کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبہ سے بچنے کا حکم دیا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ شبہات سے بچنے کا حکم تو دیا ہے لیکن وساوس سے بچنے کا حکم نہیں دیا۔ اس لئے وسوسہ کو شبہ سمجھ کر اس سے بچنا شروع نہ کر دینا۔

وسوسہ اور شبہ میں فرق

شبہ اور وسوسہ میں فرق یہ ہے کہ شبہ ناشی عن دلیل ہوتا ہے اور وسوسہ غیر ناشی عن دلیل ہوتا ہے۔

اليقين لا يزول بالشك

وسوسہ کے باب میں جو دو حدیثیں ذکر کی ہیں کہ آدمی نماز پڑھ رہا ہے اور نماز میں اس کو خروجِ ریح کا وسوسہ آ گیا یا شک پیدا ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے یعنی نماز کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ اس لئے کہ طہارت کا پہلے سے یقین تھا اور قاعدہ ہے کہ اليقين لا يزول بالشك۔ کسی شک کی وجہ سے اس یقین کو زائل نہیں کیا جاتا۔ اب دل میں جو وسوسہ آ رہا ہے اور وہم پیدا ہو رہا ہے یہ وہم غیر ناشی عن دلیل ہے، لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں، نماز ترک نہ کرے کیونکہ نماز شروع کر چکا ہے تو جب تک نماز کو قطع کرنے والی قطعی چیز نہ آئے اس وقت تک نماز میں استمرار واجب ہے، لہٰذا قطع کرنا جائز نہیں، البتہ خارج صلوۃ کی حالت دوسری ہے یعنی اگر خارج میں آدمی کو کوئی شک پیدا ہوا اور اس کی بنیاد محض وہم نہ ہو بلکہ کوئی حرکت محسوس ہوئی اور ایسا لگا کہ کوئی قطرہ خارج ہوا ہے تو یہ ایک شبہ ناشی عن دلیل ہے اور خارج صلوٰۃ میں ہے۔ اس میں بے شک احتیاط یہ ہے کہ آدمی وضو کا اعادہ کرے اور یہ مستحب ہے۔ لیکن اگر نماز کے دوران اس احتیاط پر عمل کرے گا تو دوسرا عمل خلافِ احتیاط ہو جائے گا اور وہ یہ ہے کہ تحریمہ شروع کرنے کے بعد بغیر عذرِ شدید کے اس کو قطع کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے دوسرا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔ (۱)

وہم کا علاج

ایک پوری قوم ہے جو وہم کا شکار ہو جاتی ہے۔ ان کو ہر وقت وضو ٹوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اس کی طرف دھیان ہی نہ دے جیسا کہ میں نے آپ کو حضرت گنگوہیؒ کا واقعہ سنایا تھا کہ چاہے ہم بغیر وضو ہی کے نماز پڑھیں اس کا یہی علاج ہے۔

اسی طرح حدیث میں دوسرا مسئلہ جو بیان کیا ہے کہ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں اور ہمیں پتہ نہیں ہوتا کہ انہوں نے بسم اللہ پڑھی ہے کہ نہیں، لہٰذا یہ شبہ پیدا ہو رہا ہے کہ شاید انہوں نے بسم اللہ نہ پڑھی ہو۔ یہ شبہ ناشی عن غیر دلیل ہے، کیونکہ ایک مؤمن کا ظاہری حال یہ ہے کہ وہ جو کام کرے گا شریعت کے مطابق کرے گا، ظنوا بالمسلمين خيرا، لہٰذا ایک مسلمان کی حالت کو شریعت کے مطابق ہی محمول کیا جائے گا۔ اب تمہارے دل میں جو شبہ پیدا ہو رہا ہے کہ بغیر بسم اللہ پڑھے ذبح کر دیا ہو یہ شبہ ناشی عن غیر دلیل ہے اور وسوسہ محضہ ہے، لہٰذا بسم اللہ پڑھو اور کھالو۔

(۱) القاعدة الثالثة: اليقين لا يزول بالشك (شرح الاشباہ والنظائر ۱/۱۸۳، ۱۸۷)

تقویٰ اور غلو میں فرق

ایک تقویٰ ہوتا ہے وہ محمود ہے اور تقویٰ عن الشبہات بھی محمود ہے اور ایک غلو ہوتا ہے اور غلو مذموم ہے۔ "لا تغلوا فی دینکم" اور غلو یہ ہے کہ اگر شبہ ناشی عن غیر دلیل ہے تو اس کی بنا پر ہی حلال اشیاء کو ترک کیا جائے، لہٰذا شبہات غیر ناشی عن دلیل سے پرہیز کرنا یہ غلو فی الدین ہے، اس لئے کہ جب شریعت نے اس بات کی اجازت دے دی اور اس کے خلاف کوئی شبہ ناشی عن دلیل موجود نہیں تو اب سیدھا کام یہ ہے کہ اس پر عمل کرو۔ زیادہ متقی بننے کی کوشش اور اس کا دکھاوا یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ حدود میں رہو اور حدود کے اندر رہ کر کام کرو۔ اس سے آگے بڑھو گے تو غلو فی الدین ہوگا۔ مثلاً بعض لوگ کسی جگہ جا کر کھانا نہیں کھاتے کہ شاید یہ کھانا حرام ذریعے سے آیا ہوگا۔ کہتے ہیں کہ خود پکا کر کھائیں گے۔ یہ بات اصل میں غلو فی الدین ہے اور دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ بدگمانی پر مبنی ہے جو فی نفسہٖ مذموم ہے، اس واسطے اس قسم کے غلو کا اعتبار نہیں۔

شبہات ناشی عن دلیل سے بچنے کا اصول

جہاں شبہات ناشی عن دلیل ہوں وہاں شبہات سے بچنا مستحب ہے یا واجب؟

ان کا اصول یہ ہے کہ اگر اصل اشیاء میں اباحت ہو اور حرمت کا شبہ پیدا ہو جائے اور وہ شبہ ناشی عن دلیل ہے تو اس شبہ کے نتیجے میں اس مباح چیز کا ترک کرنا واجب نہیں ہوتا بلکہ مستحب ہوتا ہے اور تقویٰ کا تقاضا بھی یہی ہے۔

اگر اصل اشیاء میں حرمت ہو اور پھر شبہ پیدا ہو جائے اور شبہ ناشی عن دلیل ہو تو اس صورت میں اس شبہ سے بچنا واجب ہے محض مستحب نہیں۔ اب ان واقعات کو دیکھیں جو امام بخاریؒ نے روایت میں بیان کیے ہیں۔

پہلا واقعہ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا ہے کہ اُنہوں نے نکاح کر لیا تھا، لہٰذا نکاح کرنے کے نتیجے میں ظاہر اور اصل یہ تھا کہ وہ خاتون ان کے لئے حلال ہوں، لیکن ایک عورت نے آکر کہہ دیا کہ یہ حرام ہے کیونکہ میں نے دودھ پلایا ہے لیکن یہ حجتِ شرعیہ نہیں تھی، لہٰذا اس کے کہنے سے جو اباحتِ اصلیہ تھی وہ ختم نہیں ہوئی، لہٰذا ان کے لئے جائز تھا کہ اسے اپنے پاس رکھتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چونکہ شبہ پیدا ہو گیا اور شبہ بھی ناشی عن دلیل ہے کہ خود مرضعہ کہہ رہی ہے کہ میں نے دودھ پلایا ہے، وہ دلیل اگرچہ حجتِ شرعیہ کے مقام تک نہیں پہنچی لیکن شبہ پیدا کرنے کے لئے کافی ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ "و کیف وقد قیل" چھوڑ دو۔

قاعدہ الولد للفراش اور قیافہ پر عمل

عبد بن زمعہ کے واقعہ میں اصل یہ تھا کہ بچہ زمعہ کا ہو۔ الولد للفراش کے قاعدہ کے مطابق اصل یہ ہے کہ جب کسی مولیٰ کی کنیز کے ہاں بچہ پیدا ہو تو اس مولیٰ کا ہوگا۔ اصل کا تقاضا یہ ہے، لیکن اور چیزوں کے اشتراک سے شبہ پیدا ہوا۔ ایک تو عتبہ بن ابی وقاص کا دعویٰ اور دوسرا قیافے کی رُو سے بچہ کا اس کا ہم شکل ہونا، تو قیافہ اگر چہ حجتِ شرعیہ نہیں جس کے بنا پر نسب ثابت کیا جائے لیکن ایک شبہ پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔

اور وہ شبہ ناشی عن دلیل ہے کیونکہ قیافہ شبہ معتبرہ پیدا کرتا ہے، لہٰذا اصل کا اعتبار کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لڑکا زمعہ کا ہے اور شبہ کا اعتبار کرتے ہوئے آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ پردہ کرو۔ لہٰذا اعتبار اصل کا ہے لیکن بچنے کا جو حکم ہو رہا ہے وہ استحبابی ہے۔

جانور میں اصل یہ ہے کہ وہ حرام ہو۔ جانور میں اصل اباحت نہیں ہے بلکہ جانور میں اصل حرام ہونا ہے۔ تو جب تک یہ ثبوت نہ ہو جائے دلیل شرعی سے کہ اس کو شرعی طریقہ پر ذبح کیا گیا اس وقت تک آدمی کے لئے اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ تو شکار اصلاً حرام تھا۔ جب تک دلیلِ شرعیہ سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اُنہوں نے بسم اللہ پڑھ کر کتا چھوڑا۔ اور پھر اگر یہی کتا جا کر مارتا تو دلیل شرعی ثابت ہو جاتی لیکن وہاں جا کر دیکھا کہ دوسرا کتا بھی کھڑا ہے اور احتمال ناشی عن دلیل اس بات کا پیدا ہوا کہ شاید اس کتے نے مارا ہو۔

اس صورت میں اصل حرمت تھی اور حلت کے واقع ہونے میں شبہ ناشی عن دلیل پیدا ہو گیا، لہٰذا اس مشتبہ سے بچنا واجب ہے۔

یاد رکھنے کے اصول وقواعد

ان احادیث سے بعض ایسے اصول وقواعد نکلے ہیں کہ جو یاد رکھنے کے ہیں اور بڑی اہم باتیں ہیں اور امام بخاریؒ انہی کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

وہ یہ ہیں کہ جہاں اصل اشیاء میں اباحت ہو اور حرمت کا شبہ پیدا ہو جائے وہاں اس سے بچنا محض مستحب ہے واجب نہیں، اس کا استعمال جائز ہے حرام نہیں۔ اور جہاں اصل اشیاء میں حرمت ہو اور پھر حلت کا شبہ پیدا ہو جائے تو اس سے بچنا واجب ہے۔

سوال: کوئی اگر یہ سوال کرے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جو عورت گوشت لے کر آئی تھی اس میں اصل حرمت تھی اور ان کو پتہ نہیں کہ یہ شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا یا غیر شرعی طریقہ سے تو شبہ پیدا ہوا ایک ایسی شئ میں جس کی اصل حرمت تھی؟

جواب: وہاں بات یہ تھی کہ شبہ ناشی عن غیر دلیل تھا۔ کیونکہ جب مسلمان گوشت لے کر آ رہا ہے تو پھر اصل یہ ہے کہ وہ مباح اور حلال ہوگا۔ لہٰذا یہاں یہ بات پیدا نہیں ہوگی۔

اب یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے دور میں بہت سی مشتبہ چیزیں پھیل گئی ہیں، ان مشتبہ اشیاء میں بھی ان اصولوں کے مطابق عمل کرنا چاہئے کہ جہاں اصل اشیاء میں اباحت ہو اور شبہ غیر ناشی عن دلیل پیدا ہو جائے تو وہ محض وسوسہ ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں، اور جہاں اصل اشیاء میں اباحت ہے اور شبہ ناشی عن دلیل پیدا ہو جائے وہاں اس شئ سے بچنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے لیکن وہ اپنے عمل کی حد تک مستحب ہے یعنی اپنے عمل میں آدمی احتیاط کرے یہ بہتر اور مستحب ہے۔ لیکن لوگوں میں اس کی تشہیر کرنا اور اشتہار چھاپنا یہ صحیح نہیں، اس سے خواہ مخواہ تشویش پیدا ہوگی اور دوسرے آدمی اس احتیاط پر عمل نہیں کر رہے ہیں تو اس پر نکیر بھی نہیں، یہ کہنا کہ وہ تو ایسے غیر محتاط ہیں تو جب اللہ نے حرام نہیں کیا تم کہاں سے داروغہ بن کر آگئے ہو کہ اس کے منہ پر اعتراض اور نکیر شروع کر دو۔

اور جہاں اصل اشیاء میں حرمت ہو اور شبہ غیر ناشی عن دلیل ہو تو اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں اور جہاں اشیاء میں اصل حرمت ہو اور شبہ ناشی عن دلیل ہو تو اس صورت میں اس سے بچنا واجب ہے، یہ اصول ہیں۔

ہمارے دور میں بیشمار اشیاء ایسی پھیل گئیں جن کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ ان میں فلاں حرام عنصر کی آمیزش ہے اور لوگ مشہور بھی کرتے رہتے ہیں۔

اس میں چند اصولی باتیں سمجھنے کی ہیں۔ بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ جہاں شبہ پیدا ہو گیا تو تبلیغ شروع کر دیتے ہیں، اشتہار چھاپنا شروع کر دیتے ہیں کہ اس کو استعمال مت کرنا، خبردار! کوئی مسلمان اس کو استعمال نہ کرے۔ دوسری طرف بعض لوگ وہ ہیں جو یہ اجمالی بات کہہ دیتے ہیں کہ بھائی کہاں تک ہم اس کی تحقیق میں پڑیں گے۔ اگر ہم اس تحقیق میں پڑیں گے تو پھر ہمارے لئے کوئی چیز حلال نہ رہے گی۔ لہٰذا چھوڑو بس سب کھاؤ۔

اعتدال کا راستہ

اس کے نتیجہ میں ایک طرف افراط ہوگی دوسری طرف تفریط ہوگی۔ لہٰذا شریعت اور ان

اصولوں کی روشنی میں جو میں نے بتلائے ہیں اعتدال کا راستہ یہ ہے کہ اس اصل کی طرف آ جاؤ جس شے کے بارے میں یہ طے ہے کہ اس کی اصل اباحت ہے، تو جب تک یقین سے یا کم از کم ظن غالب سے اس شئ مباح کے اندر کسی طرح کی حرام شئ کی شمولیت معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک اس شئ کے استعمال کو حرام نہیں کہیں گے، اور نہ اس کی حرمت کا فتویٰ دیں گے، نہ اس کی حرمت کی تبلیغ کریں گے اور نہ اس کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں کو مشوش کریں گے۔ اب ڈبل روٹی ہے، اصل اباحت ہے، جب تک یقین سے معلوم نہ ہو جائے یا ظن غالب سے معلوم نہ ہو جائے کہ اس میں کوئی حرام شئ شامل کی گئی ہے اس وقت تک حلال سمجھیں گے۔ اگر کوئی کھا رہا ہے تو نہیں روکیں گے۔ ہاں یقین سے معلوم ہو جائے یا ظن غالب سے معلوم ہو جائے کہ اس خاص ڈبل روٹی میں جو میرے سامنے ہے، اس خاص بسکٹ میں جو میرے سامنے ہے کوئی حرام شئ شامل ہو گئی پھر بیشک اس سے پرہیز واجب ہے۔ محض یہ عمومی بات کہ بعض اوقات ڈبل روٹی پر مردار کی چربی لگائی جاتی ہے اس عمومی بات کی وجہ سے حرمت کا فتویٰ نہیں دیں گے۔

اور جب یہ بات معلوم ہو کہ اس مباح الاصل شئ میں بعض مرتبہ حرام شئ کی آمیزش ہو جاتی ہے اور بکثرت نہیں ہوتی ہے، دونوں باتیں ممکن ہیں تو اب اس کی تحقیق و تدقیق میں غلو کرنا بھی مناسب نہیں۔

اگر کوئی تحقیق اپنے طور پر احتیاط کے لئے اور اپنے عمل کے لئے کرے تو اچھی بات ہے لیکن عام لوگوں کو اس سے بالکلیہ منع کرنا درست نہیں۔

غلو سے بچنے کی مثال

موطأ امام مالکؒ میں ہے کہ حضرت عمر فاروق اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما جنگل میں جا رہے ہیں۔ وضو کی ضرورت پیش آگئی تو ایک حوض کے پاس گئے۔ حضرت نے ارادہ کیا کہ یہاں سے وضو کریں تو اتنے میں وہ حوض والا چلا آ رہا تھا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: یا صاحب الحوض هل ترد حوضك السباع۔ یعنی اے حوض والے کیا تمہارے اس حوض پر پانی پینے کے لئے درندے آتے ہیں یا نہیں؟ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ اگر درندے یہاں پانی کے لئے آتے ہیں تو پانی تھوڑا ہے تو نجس ہو گا اور ہمارے لئے وضو کرنا جائز نہ ہو گا۔ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے زور سے آواز دی: یا صاحب الحوض لا تخبرنا، یعنی اے حوض والے ہمیں مت بتلانا۔ کوئی ضرورت نہیں ہمیں تم سے پوچھنے کی کہ اس پر درندے آتے ہیں یا نہیں آتے۔ (۱)

---

(۱) موطا امام مالکؒ، باب الطهور للوضوء ص ۱۷۔

جب دونوں احتمال ہیں اور غالب بھی یہ ہے کہ پانی طاہر ہوگا لہٰذا وضوء کرو اور خواہ مخواہ تحقیق میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟

"لَا تَسْئَلُوا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ"(۱)

ترجمہ: "ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بُری لگیں۔"

نهينا عن التعمق فى الدين

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک اور واقعہ ہے کہ وہ یمن سے کپڑے لے کر آتے تھے اور یہ بات لوگوں میں مشہور تھی کہ ان کپڑوں کو پیشاب میں رنگا جاتا ہے اور پیشاب میں اس لئے رنگتے ہیں کہ ان کا رنگ اور پختہ ہو جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ ذرا معلومات کریں اور یمن کسی کو بھیج کر کہ واقعی یہ پیشاب میں رنگتے ہیں یا نہیں۔ پہلے ارادہ بھیجنے کا کیا پھر فرمایا کہ نهينا عن التعمق فى الدين، ہمیں دین میں تعمق سے منع کیا گیا، لہٰذا نہیں بھیجا۔ (۲)

اگر معلوم ہو کہ ایسے مواقع میں جہاں ابتلاء عام ہو، یہ کوئی دین کی خدمت نہیں ہے کہ آدمی تحقیق و تدقیق میں زیادہ پڑ کر لوگوں کے لئے تنگی پیدا کرے جبکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے تو اس کو ناجائز نہ بناؤ۔

"خلاصۃ الفتاویٰ" میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ ایک مفتی صاحب سے کسی نے آ کر کہا کہ آپ ساری دنیا کو طہارت و نجاست کا فتویٰ دیتے ہیں اور آپ کے کپڑے جو دھوبی دھوتا ہے وہ چھوٹے چھوٹے حوض ہیں اور اس میں کتنے کپڑے اکٹھے جا کر دھوئے جاتے ہیں جس سے وہ کپڑے نجس ہو جاتے ہیں کیونکہ چھوٹے چھوٹے حوض ہیں۔ مفتی صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک دن اتفاق سے وہاں سے گزرے، وہ آدمی بھی ساتھ تھا، کہنے لگا کہ حضرت دیکھیں یہ حوض کتنے چھوٹے چھوٹے بنے ہوئے ہیں، اس میں آپ کے کپڑے دھلتے ہیں۔

اب جو مفتی صاحب نے دیکھ لیا کہ حوض چھوٹے چھوٹے ہیں تو اس دھوبی کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تمہارے ان حوضوں میں کوئی بڑا حوض بھی ہے؟ اُس نے کہا: جی ہاں ایک ہے، باقی سب چھوٹے ہیں، ایک میں نے بڑا بنا رکھا ہے، تو کہا کہ دکھاؤ کہاں ہے؟ دیکھا تو ایک حوض تھا جو دہ در دہ سے زیادہ تھا، بڑا حوض تھا۔ کہا: بس ٹھیک ہے، ہمارے کپڑے اسی میں دھلتے ہیں۔

---

(۱) المائدہ: ۱۰۱۔

(۲) الموافقات ۲/۷۸، والفروع ۱/۴۹۷۔

اذا انت لم تشرب مرارا على القذى

ظمئت و اى الناس تصفو مشاربه

جو روٹی کھاتے ہو اگر اس کی طہارت اور نجاست کی تحقیق میں پڑ جاؤ گے تو بھوکے مر جاؤ گے۔ اس واسطے کہ جب یہ گندم کھیتوں سے نکلتا ہے تو یہ بھوسا الگ کرنے کے لئے پھیلایا جاتا ہے۔ پھر بیل اس کو روندتے ہیں اور اپنی ساری ضروریات اسی گندم میں پوری کرتے ہیں یعنی ان کا پیشاب پاخانہ وغیرہ سب اسی میں ہوتا ہے، اور اس کے بعد اس گندم کی تطہیر کا بھی کوئی انتظام نہیں ہوتا اور وہ گندم بازار میں بکتی ہے، اسی کا آٹا بنتا ہے اور اسی آٹے سے روٹی پکتی ہے۔ اگر اس تحقیق میں پڑ جاؤ کہ یہ جو روٹی میں کھا رہا ہوں کہاں سے آئی، کون سی چکی میں پسی، وہاں چکی میں گندم کہاں سے آئی، کون سے کھیت سے آئی، اس کو کس طرح روندا گیا اور بیلوں نے اس میں کیا کیا کاروائی کی تھی تو اگر اس تحقیق میں پڑ گئے تو بھوکے رہ جاؤ گے۔

لہٰذا جن اشیاء میں اصل اباحت ہے ان میں اگر کسی ناجائز شئ کی آمیزش کا شبہ پیدا ہو جائے تو اس کی زیادہ تحقیق میں پڑنا واجب نہیں بلکہ آدمی اس مفروضہ پر عمل کر سکتا ہے کہ چونکہ اصل اس میں اباحت ہے اور کسی حرام شے کی آمیزش یقینی اور قطعی طور پر ثابت نہیں ہے، لہٰذا میں کھاؤں گا، اور اگر تقویٰ اختیار کرے اور اس سے پرہیز کرے تو یہ اچھی بات ہے۔ لیکن اس کو اپنی ذات تک محدود رکھے، اس کو دعوت و تبلیغ کا موضوع نہ بنائے اور دوسروں پر اس کی بناء پر نکیر بھی نہ کرے۔

لیکن جن اشیاء میں اصل حرمت ہے ان کی تحقیق ضروری ہے، مثلاً گوشت اس میں اصل حرمت ہے، لہٰذا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ کسی مسلمان نے ذبح کیا ہے یا ایسے کتابی نے ذبح کیا ہے جو شرائطِ شرعیہ کی پابندی کرتا ہے اس وقت تک اس کو کھانا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ مغربی ملکوں میں جو گوشت بازاروں میں ملتا ہے وہ گوشت غیر مسلموں اور اکثر و بیشتر نصاریٰ کا ذبح کیا ہوا ہوتا ہے۔ نصاریٰ نے اپنے مذہب اور اپنے طریقہ کار کو بالکل خیر باد کہہ دیا ہے اور اس میں پہلے جن شرائطِ شرعیہ کا لحاظ ہوا کرتا تھا اب وہ ان کا لحاظ نہیں کرتے۔ لہٰذا اس کا کھانا جائز نہیں، اس میں تحقیق واجب ہے۔ اگر ایک مرتبہ پتہ لگ گیا کہ مسلمان کا ہے اور مسلمان کہہ رہا ہے کہ حلال ہے تو پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث آجائے گی کہ "سموا اللہ و کلی"۔ یہ اعتدال کا راستہ ہے جو اصولِ شرعیہ سے مستنبط ہے۔ اس سے ادھر یا ادھر دونوں طرف افراط و تفریط ہے جس سے بچنا واجب ہے [1]

(۱) عمدۃ القاری ۸/۳۱۰، ۳۱۱، وفیض الباری ۳/۱۹۸، انعام الباری ۶/۸۳ تا ۹۷۔

ناپ تول میں کمی

اور

دوسروں کے حق ادا کرنے میں کوتاہی

یہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی کا خطاب ہے جو کہ ۱۶راگست ۱۹۹۳ء میں جامع مسجد نعمان لسبیلہ چوک کراچی میں جمعۃ المبارک کی نماز سے قبل ہوا، جس میں حضرت مدظلہم نے ناپ تول میں کمی اور دوسروں کی حق تلفی کرنے کے موضوع پر فکر انگیز خطاب فرمایا۔ معمولی کمی و بیشی کے بعد یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔ از مرتب عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ناپ تول میں کمی اور دوسروں کے حق ادا کرنے میں کوتاہی

الحمد للّٰہ نحمده و نستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده اللّٰہ فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادى له، واشهد ان لا اله الا اللّٰہ وحده لا شريك له، واشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰہ تعالٰى عليه وعلٰى اٰله واصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا. اما بعد:

"فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْوَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝"(۱)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظيم، وصدق رسوله النبى الكريم، ونحن على ذٰلك من الشاهدين والشاكرين، والحمد للّٰہ رب العالمين۔

کم تولنا، ایک عظیم گناہ

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، میں نے آپ حضرات کے سامنے سورۃ مطففین کی ابتدائی آیات تلاوت کیں، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بہت بڑے گناہ اور معصیت کی طرف متوجہ فرمایا ہے، وہ گناہ ہے "کم ناپنا اور کم تولنا" یعنی جب کوئی چیز کسی کو بیچی جائے تو جتنا اس خریدنے والے کا حق ہے، اس سے کم تول کر دے۔ عربی میں کم ناپنے اور کم تولنے کو "تطفیف" کہا جاتا ہے، اور یہ "تطفیف" صرف تجارت اور لین دین کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ "تطفیف" کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ وہ یہ کہ دوسرے کا جو بھی حق ہمارے ذمے واجب ہے، اس کو اگر اس کا حق کم کر کے دیں تو یہ "تطفیف" کے اندر داخل ہے۔

---

(۱) سورة المطففين: ۱ تا ٦۔

آیات کا ترجمہ

آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ کم ناپنے اور کم تولنے والوں کے لئے افسوس ہے، (اللہ تعالیٰ نے ''ویل'' کا لفظ استعمال فرمایا، ''ویل'' کے ایک معنی تو ''افسوس'' کے آتے ہیں، دوسرے معنی اس کے ہیں ''دردناک عذاب'' اس دوسرے معنی کے لحاظ سے آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ) ان لوگوں پر دردناک عذاب ہے جو دوسروں کا حق کم دیتے ہیں، اور کم ناپتے تولتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب دوسروں سے اپنا حق وصول کرنے کا موقع آتا ہے تو اس وقت اپنا حق پورا پورا لیتے ہیں۔ (اس وقت تو ایک دمڑی بھی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے) لیکن جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دینے کا موقع آتا ہے تو اس وقت (ڈنڈی مار دیتے ہیں) کم کر دیتے ہیں۔ (جتنا حق دینا چاہئے تھا، اتنا نہیں دیتے)۔ (آگے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ) ''کیا ان لوگوں کو یہ خیال نہیں کہ ایک عظیم دن میں دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، جس دن سارے انسان رب العالمین کے سامنے پیش ہوں گے'' (اور اس وقت انسان کو اپنے چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں ہوگا، اور اس دن ہمارا اعمال نامہ ہمارے سامنے آجائے گا، تو کیا ان لوگوں کو یہ خیال نہیں کہ اس وقت کم ناپ کر اور کم تول کر دنیا کے چند ٹکوں کا جو تھوڑا فائدہ اور نفع حاصل کر رہے ہیں، یہ چند ٹکوں کا فائدہ ان کے لئے جہنم کے عذاب کا سبب بن جائے گا۔ اس لئے قرآن کریم نے بار بار کم ناپنے اور کم تولنے کی بُرائی بیان فرمائی، اور اس سے بچنے کی تاکید فرمائی، اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا واقعہ بھی بیان فرمایا)۔

قوم شعیب علیہ السلام کا جرم

حضرت شعیب علیہ السلام جب اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے، اس وقت ان کی قوم بہت سی معصیتوں اور نافرمانیوں میں مبتلا تھی۔ کفر، شرک اور بت پرستی میں تو مبتلا تھی، اس کے علاوہ پوری قوم کم ناپنے اور کم تولنے میں مشہور تھی۔ تجارت کرتے تھے، لیکن اس میں لوگوں کا حق پورا نہیں دیتے تھے۔ دوسری طرف وہ ایک انسانیت سوز حرکت یہ کرتے تھے کہ مسافروں کو راستے میں ڈرایا کرتے اور ان پر حملہ کر کے لوٹ لیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو کفر، شرک اور بت پرستی سے منع کیا، اور توحید کی دعوت دی، اور کم ناپنے کم تولنے اور مسافروں کو راستے میں ڈرانے اور اُن پر حملہ کرنے سے بچنے کا حکم دیا، لیکن وہ قوم اپنی بداعمالیوں میں مست تھی، اس لئے حضرت شعیب علیہ السلام کی بات ماننے کے بجائے اُن سے یہ پوچھا کہ

"اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِىْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا"(۱)

یعنی کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دے رہی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء واجداد عبادت کرتے تھے، یا ہم اپنے مال میں جس طرح چاہیں، تصرف کرنا چھوڑ دیں۔

یہ ہمارا مال ہے، ہم اسے جس طرح چاہیں، حاصل کریں، چاہے کم تول کر حاصل کریں یا کم ناپ کر حاصل کریں، یا دھوکہ دے کر حاصل کریں۔ تم ہمیں روکنے والے کون ہو؟ ان باتوں کے جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام ان کو محبت اور شفقت کے ساتھ سمجھاتے رہے۔ اور اللہ کے عذاب سے اور آخرت کے عذاب سے ڈراتے رہے، لیکن یہ لوگ باز نہ آئے۔ اور بالآخران کا وہی انجام ہوا جو نبی کی بات نہ ماننے والوں کا ہوتا ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا عذاب بھیجا جو شاید کسی اور قوم کی طرف نہیں بھیجا گیا۔

قوم شعیب علیہ السلام پر عذاب

وہ عذاب اُن پر اس طرح آیا کہ پہلے تین دن متواتر پوری بستی میں سخت گرمی پڑی، اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ آسمان سے انگارے برس رہے ہیں، اور زمین آگ اُگل رہی ہے، جبس اور تپش نے ساری بستی والوں کو پریشان کر دیا، تین دن کے بعد بستی والوں نے دیکھا کہ اچانک ایک بادل کا ٹکڑا بستی کی طرف آ رہا ہے، اور اس بادل کے نیچے ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں۔ چونکہ بستی کے لوگ تین دن سے سخت گرمی کی وجہ سے بلبلائے ہوئے تھے، اس لئے سارے بستی والے بہت اشتیاق کے ساتھ بستی چھوڑ کر اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے، تاکہ یہاں ٹھنڈی ہواؤں کا لطف اُٹھائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو بادل کے نیچے اس لئے جمع کرنا چاہتے تھے تاکہ سب پر ایک ساتھ عذاب نازل کر دیا جائے۔ چنانچہ جب وہ سب وہاں جمع ہو گئے تو وہی بادل جس میں سے ٹھنڈی ہوائیں آ رہی تھیں، اس میں سے آگ کے انگارے برسنا شروع ہو گئے، اور ساری قوم ان انگاروں کا نشانہ بن کر جھلس کر ختم ہو گئی۔ اسی واقعہ کی طرف قرآن کریم نے ان الفاظ سے اشارہ فرمایا کہ:

"فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ط"(۲)

ترجمہ: یعنی اُنہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا، اس کے نتیجے میں ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔

---

(۱) سورۃ ہود: ۸۷۔ (۲) سورۃ الشعراء: ۱۸۹۔

ایک اور جگہ فرمایا:

"فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ م بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ط وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ O" (۱)

یعنی یہ ان کی بستیاں دیکھو، جو ان کی ہلاکت کے بعد آباد بھی نہیں ہو سکیں، مگر بہت کم، ہم ہی ان کے سارے مال و دولت اور جائیداد کے وارث بن گئے۔

وہ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ کم ناپ کر، کم تول کر، ملاوٹ کر کے، دھوکہ دے کر ہم اپنے مال و دولت میں اضافہ کریں گے، لیکن وہ ساری دولت دھری کی دھری رہ گئی۔

یہ آگ کے انگارے ہیں

اگر تم نے ڈنڈی مار کر ایک تولہ، یا دو تولہ، ایک چھٹانک یا دو چھٹانک مال خریدار کو کم دے دیا، اور چند پیسے کما لیے، دیکھنے میں تو یہ پیسے ہیں، لیکن حقیقت میں آگ کے انگارے ہیں، جس کو تم اپنے پیٹ میں ڈال رہے ہو۔ حرام مال اور حرام کھانے کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ط وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا O" (۲)

یعنی جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں، وہ درحقیت اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، جو لقمے حلق سے نیچے اُتر رہے ہیں یہ حقیقت میں آگ کے انگارے ہیں، اگرچہ دیکھنے میں وہ روپیہ پیسہ اور مال و دولت نظر آ رہا ہے۔ کیونکہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے اور اللہ کی معصیت اور نافرمانی کر کے یہ پیسے حاصل کیے گئے ہیں۔ یہ پیسے اور یہ مال و دولت دنیا میں بھی تباہی کا سبب ہے، اور آخرت میں بھی تباہی کا ذریعہ ہے۔

اُجرت کم دینا گناہ ہے

اور یہ کم ناپنا اور کم تولنا صرف تجارت کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے، بلکہ کم ناپنا اور کم تولنا اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو امام المفسرین ہیں، سورۃ مطففین کی ابتدائی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

(۱) سورۃ القصص: ۵۸۔

(۲) سورۃ النساء: ۱۰۔

"شدة العذاب يومئذ للمطففين من الصّلاة والزكاة والصيام وغير ذلك من العبادات."(۱)

یعنی قیامت کے روز سخت عذاب ان لوگوں کو بھی ہوگا جو اپنی نماز، زکوۃ اور روزے اور دوسری عبادات میں کمی کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عبادات میں کوتاہی کرنا، اس کو پورے آداب کے ساتھ ادا نہ کرنا بھی تطفیف کے اندر داخل ہے۔

مزدور کو مزدوری فوراً دے دو

یا مثلاً ایک آقا مزدور سے پورا پورا کام لیتا ہے، اس کو ذرا سی بھی سہولت دینے کو تیار نہیں ہے، لیکن تنخواہ دینے کے وقت اس کی جان نکلتی ہے، اور پوری تنخواہ نہیں دیتا، یا صحیح وقت پر نہیں دیتا، ٹال مٹول کرتا ہے، یہ بھی ناجائز اور حرام ہے، اور تطفیف میں داخل ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے:

"اعطوا الاجير اجره قبل ان يجف عرقه."(۲)

یعنی مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔

اس لئے کہ جب تم نے اس سے مزدوری کرالی، کام لے لیا تو اب مزدوری دینے میں تاخیر کرنا جائز نہیں۔

نوکر کو کھانا کیسا دیا جائے؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک نوکر رکھا، اور نوکر سے یہ طے کیا کہ تمہیں ماہانہ اتنی تنخواہ دی جائے گی، اور روزانہ دو وقت کا کھانا دیا جائے گا، لیکن جب کھانے کا وقت آیا تو خود تو خوب پلاؤ زردے اُڑائے، اعلیٰ درجے کا کھانا کھایا، اور بچا کھچا کھانا جس کو ایک معقول اور شریف آدمی پسند نہ کرے، وہ نوکر کے حوالے کر دیا تو یہ بھی "تطفیف" ہے، اس لئے کہ جب تم نے اس کے ساتھ دو وقت کا کھانا طے کر لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس کو اتنی مقدار میں ایسا کھانا دو گے جو ایک معقول آدمی پیٹ بھر کر کھا سکے، لہٰذا اب اس کو بچا کھچا کھانا دینا اس کی حق تلفی اور اس کے ساتھ ناانصافی ہے، لہٰذا یہ بھی "تطفیف" کے اندر داخل ہوگی۔

---

(۱) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس: سورۃ مطففین۔

(۲) رواہ ابن ماجہ، ابواب الاحکام، باب اجر الاجراء، حدیث نمبر ۲۴۶۸۔

ملازمت کے اوقات میں ڈنڈی مارنا

یا مثلاً ایک شخص کسی محکمے میں، کسی دفتر میں آٹھ گھنٹے کا ملازم ہے، تو گویا کہ اُس نے یہ آٹھ گھنٹے اس محکمے کے ہاتھ فروخت کر دیئے ہیں، اور یہ معاہدہ کرلیا ہے کہ میں آٹھ گھنٹے آپ کے پاس کام کروں گا۔ اور اس کے عوض اس کو اُجرت اور تنخواہ ملے گی۔ اب اگر وہ اُجرت تو پوری لیتا ہے، لیکن اس آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی میں کمی کر لیتا ہے، اور اس میں سے کچھ وقت اپنے ذاتی کاموں میں صرف کر لیتا ہے تو اس کا یہ عمل بھی "تطفیف" کے اندر داخل ہے، حرام ہے، گناہِ کبیرہ ہے، یہ بھی اسی طرح گناہ گار ہے جس طرح کم ناپنے اور کم تولنے والا گناہ گار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے اگر آٹھ گھنٹے کے بجائے سات گھنٹے کام کیا تو ایک گھنٹے کی ڈیوٹی مار دی۔ گویا کہ اُجرت کے وقت اپنا حقِ اُجرت تو پورا لے رہا ہے، اور جب دوسروں کے حق دینے کا وقت آیا تو کم دے رہا ہے۔ لہٰذا تنخواہ کا وہ حصہ حرام ہوگا جو اس وقت کے بدلے میں ہوگا جو اس نے اپنے ذاتی کاموں میں صرف کیا۔

ایک ایک منٹ کا حساب ہوگا

کسی زمانے میں تو دفتروں میں ذاتی کام چوری چھپے ہوا کرتے تھے، مگر آجکل دفتروں کا یہ حال ہے کہ ذاتی کام چوری چھپے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ کھلم کھلا، علانیہ، ڈنکے کی چوٹ پر کیا جاتا ہے۔ اپنے مطالبات پیش کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں کہ تنخواہیں بڑھاؤ، الاؤنس بڑھاؤ، فلاں فلاں مراعات ہمیں دو، اور اس مقصد کے لئے احتجاج کرنے، جلسے جلوس کرنے اور نعرے لگانے کے لئے، ہڑتال کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں، لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارے ذمے کیا حقوق عائد ہو رہے ہیں؟ ہم ان کو ادا کر رہے ہیں یا نہیں؟ ہم نے آٹھ گھنٹے کی ملازمت اختیار کی تھی، ان آٹھ گھنٹوں کو کتنی دیانت اور امانت کے ساتھ خرچ کیا اس کی طرف بالکل دھیان نہیں جاتا۔ یاد رکھو، ایسے ہی لوگوں کے لئے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ جو دوسرے کے حقوق میں کمی کرتے ہیں، اور جب دوسروں سے حق وصول کرنے کا وقت آتا ہے تو اس وقت پورا پورا لیتے ہیں۔ یاد رکھو، اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک ایک منٹ کا حساب ہوگا، اس میں کوئی رعایت نہیں کی جائے گی۔

دار العلوم دیوبند کے اساتذہ

آپ حضرات نے دار العلوم دیوبند کا نام سنا ہوگا۔ اس آخری دور میں اللہ تعالیٰ نے اس ادارے کو اس اُمت کے لئے رحمت بنادیا، اور یہاں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یادیں تازہ کردیں۔ میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ سے سنا کہ دار العلوم دیوبند کے ابتدائی دور میں اساتذہ کا یہ معمول تھا کہ دار العلوم کے وقت میں اگر کوئی مہمان ملنے کے لئے آجاتا تو جس وقت وہ مہمان آتا اس وقت گھڑی دیکھ کر وقت نوٹ کر لیتے۔ اور یہ نوٹ کر لیتے کہ یہ مہمان مدرسہ کے اوقات میں سے اتنا وقت میرے پاس رہا۔ پورا مہینہ اس طرح کرتے، اور جب مہینہ ختم ہو جاتا تو استاذ ایک درخواست پیش کرتے کہ چونکہ فلاں فلاں ایام میں اتنی دیر تک میں مہمان کے ساتھ مشغول رہا، اس وقت کو دار العلوم کے کام میں صرف نہیں کر سکا، لہٰذا میری تنخواہ میں سے اتنے وقت کی تنخواہ کاٹ لی جائے۔

تنخواہ حرام ہوگی

آج تنخواہ بڑھانے کی درخواست دینے کے بارے میں تو آپ روزانہ سنتے ہیں، لیکن یہ کہیں سننے میں نہیں آتا کہ کسی نے یہ درخواست دی ہو کہ میں نے دفتری اوقات میں اتنا وقت ذاتی کام میں صرف کیا تھا، لہٰذا میری اتنی تنخواہ کاٹ لی جائے۔ یہ عمل وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کی فکر ہو ـــــ آج ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے، مزدوری کرنے والے، ملازمت کرنے والے لوگ کتنا وقت دیانت داری کے ساتھ اپنی ڈیوٹی پر صرف کر رہے ہیں؟ آج ہر جگہ فساد برپا ہے، خلقِ خدا پریشان ہے، اور دفتر کے باہر دھوپ میں کھڑی ہے اور صاحب بہادر اپنے ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں مہمانوں کے ساتھ گپ شپ میں مصروف ہیں۔ چائے پی جارہی ہے۔ ناشتہ ہو رہا ہے۔ اس طرزِ عمل میں ایک طرف تو تنخواہ حرام ہو رہی ہے، اور دوسری طرف خلقِ خدا کو پریشان کرنے کا گناہ الگ ہو رہا ہے۔

سرکاری دفاتر کا حال

ایک سرکاری محکمے کے ذمہ دار افسر نے مجھے بتایا کہ میرے ذمے یہ ڈیوٹی ہے کہ میں ملازموں کی حاضری لگاؤں۔ ایک ہفتہ کے بعد ہفتہ بھر کا چٹھہ تیار کر کے افسر بالا کو پیش کرتا ہوں، تاکہ اس کے

مطابق تنخواہیں تیار کی جائیں، اور میرے محکمے میں نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو مار پیٹ والے نوجوان ہیں۔ اُن کا حال یہ ہے کہ اولاً تو دفتر میں آتے ہی نہیں ہیں، اور اگر کبھی آتے بھی ہیں تو ایک دو گھنٹے کے لئے آتے ہیں، اور یہاں آکر بھی یہ کرتے ہیں کہ دوستوں سے ملاقات کرتے ہیں۔ کینٹین میں بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں، اور مشکل سے آدھا گھنٹہ دفتری کام کرتے ہیں، اور چلے جاتے ہیں۔ میں نے حاضری کے رجسٹر میں لکھ دیا کہ یہ حاضر نہیں ہوئے تو وہ لوگ پستول اور ریوالور لے کر مجھے مارنے کے لئے آگئے، اور کہا کہ ہماری حاضری کیوں نہیں لگائی؟ فوراً ہماری حاضری لگاؤ۔

اب مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟ اگر حاضری لگاتا ہوں تو جھوٹ ہوتا ہے، اور اگر نہیں لگاتا ہوں تو ان لوگوں کے غیض وغضب کا نشانہ بنتا ہوں۔ میں کیا کروں؟ آج ہمارے دفتروں کا یہ حال ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہی

اور سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس حق کی ادائیگی میں کمی کرنا بھی کم ناپنے اور کم تولنے میں داخل ہے۔ مثلاً نماز اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور نماز کا طریقہ بتا دیا گیا کہ اس طرح قیام کرو، اس طرح رکوع کرو، اس طرح سجدہ کرو، اس طرح اطمینان کے ساتھ اور اس طرح اطمینان کے ساتھ سارے ارکان ادا کرو۔ اب آپ نے جلدی جلدی بغیر اطمینان کے ایک منٹ کے اندر نماز پڑھ لی۔ نہ سجدہ اطمینان سے کیا۔ نہ رکوع اطمینان سے کیا۔ تو آپ نے اللہ کے حق میں کوتاہی کر دی۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صاحب نے جلدی جلدی نماز ادا کر لی۔ نہ رکوع اطمینان سے کیا، نہ سجدہ اطمینان سے کیا۔ تو ایک صحابی نے اُن کی نماز دیکھ کر فرمایا کہ:

"لقد طففت."

تم نے نماز کے اندر تطفیف کی، یعنی اللہ تعالیٰ کا پورا حق ادا نہیں کیا۔

یاد رکھئے، کسی کا بھی حق ہو، چاہے اللہ تعالیٰ کا حق ہو، یا بندے کا حق ہو، اس میں جب کمی اور کوتاہی کی جائے گی تو یہ بھی ناپ تول میں کمی کے حکم میں داخل ہوگی۔ اور اس پر وہ ساری وعیدیں صادق آئیں گی جو قرآن کریم نے ناپ تول کی کمی پر بیان کی ہیں۔

ملاوٹ کرنا حق تلفی ہے

اسی طرح "تطفیف" کے وسیع مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جو چیز فروخت کی، وہ خالص فروخت نہیں، بلکہ اس کے اندر ملاوٹ کر دی۔ یہ ملاوٹ کرنا کم ناپنے اور کم تولنے میں اس لحاظ

سے داخل ہے کہ مثلاً آپ نے ایک سیر آٹا فروخت کیا۔ لیکن اس ایک سیر آٹے میں خالص آٹا تو آدھا سیر ہے، اور آدھا سیر کوئی اور چیز ملا دی ہے۔ اس ملاوٹ کا نتیجہ یہ ہوا کہ خریدار کا جو حق تھا کہ اس کو ایک سیر آٹا ملتا، وہ حق اس کو پورا نہیں ملا، اس لئے یہ بھی حق تلفی میں داخل ہے۔

اگر تھوک فروش ملاوٹ کرے؟

بعض لوگ یہ اشکال پیش کرتے ہیں کہ ہم خوردہ فروش ہیں۔ ہمارے پاس تھوک فروشوں کی طرف سے جیسا مال آتا ہے، وہ ہم آگے فروخت کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں ہم ملاوٹ نہیں کرتے، ملاوٹ تو تھوک فروش کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں لامحالہ وہ چیز ویسی ہی آگے فروخت کرنی پڑتی ہے۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اگر ایک شخص خود مال نہیں بناتا، اور نہ ملاوٹ کرتا ہے، بلکہ دوسرے سے مال لے کر آگے فروخت کرتا ہے تو اس صورت میں خریدار کے سامنے یہ بات واضح کر دے کہ میں اس بات کا ذمہ دار نہیں کہ اس میں کتنی اصلیت ہے، اور کتنی ملاوٹ ہے۔ البتہ میری معلومات کے مطابق اتنی اصلیت ہے اور اتنی ملاوٹ ہے۔

دھوکہ دینے والا ہم میں سے نہیں

عن ابي هريرة رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على صبرة من طعام فادخل يده فيها فنالت اصابعه بللا، فقال: يا صاحب الطعام! ما هذا؟ قال: اصابته السماء يا رسول الله. قال: افلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس، ثم قال: من غش فليس منا. (۱)

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ بازار تشریف لے گئے۔ وہاں آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص گندم بیچ رہا ہے۔ آپ ﷺ اس کے قریب تشریف لے گئے اور گندم کی ڈھیری میں اپنا ہاتھ ڈال کر اس کو اُوپر نیچے کیا تو یہ نظر آیا کہ اُوپر تو اچھا گندم ہے، اور نیچے بارش اور پانی کے اندر گیلا ہو کر خراب ہو جانے والا گندم ہے۔ اب دیکھنے والا جب اُوپر سے دیکھتا ہے تو اس کو یہ نظر آتا ہے کہ گندم بہت اچھا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ تم نے یہ خراب والا گندم اُوپر کیوں نہیں رکھا، تا کہ خریدار کو معلوم ہو جائے کہ یہ گندم ایسا ہے۔ وہ لینا چاہے تو لے لے، نہ لینا چاہے تو چھوڑ دے۔ اس

(۱) رواه الترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی کراهة الغش فی البیوع، وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من غش فليس منا.

شخص نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ، بارش کی وجہ سے کچھ گندم خراب ہوگئی تھی، اس لئے میں نے اس کو نیچے کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، بلکہ اس کو اُوپر کر دو، اور پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"من غش فلیس منا."

جو شخص دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں، یعنی جو شخص ملاوٹ کر کے دھوکہ دے کہ بظاہر تو خالص چیز بیچ رہا ہے لیکن حقیقت میں اس میں کوئی دوسری چیز ملا دی گئی ہے یا بظاہر تو پوری چیز دے رہا ہے لیکن حقیقت میں وہ اس سے کم دے رہا ہے تو یہ غش اور دھوکہ ہے اور جو شخص یہ کام کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے، یعنی مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ دیکھئے ایسے شخص کے بارے میں حضور اقدس ﷺ کتنی سخت بات فرما رہے ہیں، لہٰذا جو چیز بیچ رہے ہو، اس کی حقیقت خریدار کو بتا دو کہ اس کی یہ حقیقت ہے، لیکن خریدار کو دھوکے میں اور اندھیرے میں رکھنا منافقت ہے، مسلمان اور مومن کا شیوہ نہیں ہے۔

بیوی کے حقوق میں کوتاہی گناہ ہے

اسی طرح آج شوہر بیوی سے تو سارے حقوق وصول کرنے کو تیار ہے، وہ ہر بات میں میری اطاعت بھی کرے، کھانا بھی پکائے، گھر کا انتظام بھی کرے، بچوں کی پرورش بھی کرے، اُن کی تربیت بھی کرے، اور میرے ماتھے پر شکن بھی نہ آنے دے اور چشم وابرو کے اشارے کی منتظر رہے، یہ سارے حقوق وصول کرنے کو شوہر تیار ہے۔ لیکن جب بیوی کے حقوق ادا کرنے کا وقت آئے، اس وقت ڈنڈی مار جائے اور ان کو ادا نہ کرے، حالانکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے شوہروں کو حکم فرما دیا ہے کہ:

"وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ"(۱)

یعنی بیویوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔

"خیارکم خیارکم لنساء هم."(۲)

یعنی تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہو۔

ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

"استوصوا بالنساء خیرًا."(۳)

یعنی عورتوں کے حق میں بھلائی کرنے کی نصیحت کو قبول کر لو یعنی اُن کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو۔

---

(۱) سورۃ النساء:۱۹۔ (۲) رواہ الترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا۔
(۳) رواہ البخاری، کتاب النکاح، باب المدارۃ مع النساء۔

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ تو ان کے حقوق کی ادائیگی کی اتنی تاکید فرما رہے ہیں، لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اپنی عورتوں کے پورے حقوق ادا کرنے کو تیار نہیں۔ یہ سب کم ناپنے اور کم تولنے کے اندر داخل ہے، اور شرعاً حرام ہے۔

مہر معاف کرانا حق تلفی ہے

ساری زندگی میں بے چاری عورت کا ایک ہی مالی حق شوہر کے ذمے واجب ہوتا ہے، وہ ہے مہر، وہ بھی شوہر ادا نہیں کرتا۔ ہوتا یہ ہے کہ ساری زندگی تو مہر ادا نہیں کیا۔ جب مرنے کا وقت آیا تو بستر مرگ پر پڑے ہیں ـــــ دنیا سے جانے والے ہیں ـــــ رخصتی کا منظر ہے ـــــ اس وقت بیوی سے کہتے ہیں کہ مہر معاف کر دو۔ اب اس موقع پر بیوی کیا کرے؟ کیا رخصت ہونے والے شوہر سے یہ کہہ دے کہ میں معاف نہیں کرتی، چنانچہ اس کو مہر معاف کرنا پڑتا ہے ـــــ ساری عمر اس سے فائدہ اُٹھایا، ساری عمر تو اس سے حقوق طلب کیے، لیکن اس کا حق دینے کا وقت آیا تو اس میں ڈنڈی مار گئے۔

نفقہ میں کمی حق تلفی ہے

یہ تو مہر کی بات تھی، نفقہ کے اندر شریعت کا یہ حکم ہے کہ اس کو اتنا نفقہ دیا جائے کہ وہ آزادی اور اطمینان کے ساتھ گزارہ کر سکے۔ اگر اس میں کمی کرے گا تو یہ بھی کم ناپنے اور کم تولنے کے اندر داخل ہے، اور حرام ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس کسی کا کوئی حق دوسرے کے ذمے واجب ہو، وہ اس کو پورا ادا کرے۔ اس میں کمی نہ کرے، ورنہ اس عذاب کا مستحق ہوگا جس عذاب کی وعید اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمائی ہے۔

یہ ہمارے گناہوں کا وبال ہے

ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب ہم مجلس جما کر بیٹھتے ہیں تو حالات پر تبصرہ کرتے ہیں کہ بہت حالات خراب ہو رہے ہیں۔ بدامنی ہے، بے چینی ہے، ڈاکے پڑ رہے ہیں، جان محفوظ نہیں، مال محفوظ نہیں، معاشی بدحالی کے اندر مبتلا ہیں ـــــ یہ سب تبصرے ہوتے ہیں۔ لیکن کوئی شخص ان تمام پریشانیوں کا حل تلاش کر کے اس کا علاج کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ مجلس کے بعد دامن جھاڑ کر اُٹھ جاتے ہیں۔

ارے، یہ دیکھو کہ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ خود سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ کوئی کرنے والا کر رہا ہے۔ اس کائنات کا کوئی ذرّہ اور کوئی پتہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اگر بدامنی اور

بے چینی آ رہی ہے تو اس کی مشیت سے آ رہی ہے۔ اگر سیاسی بحران پیدا ہو رہا ہے تو وہ بھی اللہ کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ اگر چوریاں اور ڈکیتیاں ہو رہی ہیں تو اسی کی مشیت سے ہو رہی ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ"(۱)

یعنی جو کچھ تمہیں بُرائی یا مصیبت پہنچ رہی ہے، وہ سب تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے ہے، اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔" دوسری جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ"(۲)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ہر گناہ پر پکڑ کرنے پر آجائیں تو رُوئے زمین پر کوئی چلنے والا جانور باقی نہ رہے۔ سب ہلاک و برباد ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے اور اپنی رحمت سے بہت سے گناہ معاف کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جب تم حد سے بڑھ جاتے ہو، اس وقت اس دنیا کے اندر بھی تم پر عذاب نازل کیے جاتے ہیں، تاکہ تم سنبھل جاؤ، اگر اب بھی سنبھل گئے تو تمہاری باقی زندگی بھی درست ہو جائے گی اور آخرت بھی درست ہو جائے گی، لیکن اگر اب بھی نہ سنبھلے تو یاد رکھو، دنیا کے اندر تو تم پر عذاب آ ہی رہا ہے، اللہ بچائے ــــ آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔

حرام کے پیسوں کا نتیجہ

آج ہر شخص اس فکر میں ہے کہ کسی طرح دو پیسے جلدی سے ہاتھ آجائیں، کل کے بجائے آج ہی مل جائیں، چاہے حلال طریقے سے ملیں، یا حرام طریقے سے ملیں، دھوکہ دے کر ملیں، یا فریب دے کر ملیں، یا دوسرے کی جیب کاٹ کر ملیں، لیکن مل جائیں۔ یاد رکھو، اس فکر کے نتیجے میں تمہیں دو پیسے مل جائیں گے، لیکن یہ دو پیسے نہ جانے کتنی بڑی رقم تمہاری جیب سے نکال کر لے جائیں گے۔ یہ دو پیسے دنیا میں تمہیں کبھی امن اور سکون نہیں دے سکتے۔ یہ دو پیسے تمہیں چین کی زندگی نہیں دے سکتے۔ اس لئے کہ یہ دو پیسے تم نے حرام طریقے سے اور دوسرے کی جیب پر ڈاکہ ڈال کر، دوسرے انسان کی مجبوری سے فائدہ اُٹھا کر حاصل کیے ہیں۔ لہٰذا گنتی میں تو یہ پیسے شاید اضافہ کر دیں، لیکن تمہیں چین لینے نہیں دیں گے۔ اور کوئی دوسرا شخص تمہاری جیب پر ڈاکہ ڈال دے گا، اور اس سے زیادہ نکال کر لے جائے گا۔ آج بازاروں میں یہی ہو رہا ہے کہ آپ نے ملاوٹ کر کے دھوکہ دے کر پیسے کمائے۔ دوسری طرف دو مسلح افراد آپ کی دکان میں داخل ہوئے، اور اسلحہ کے زور پر آپ کا سارا اثاثہ اُٹھا کر

(۱) سورۃ الشوریٰ: ۳۰۔ (۲) سورۃ الفاطر: ۴۵۔

لے گئے۔ اب بتایئے، جو پیسے آپ نے حرام طریقے سے کمائے تھے، وہ فائدہ مند ثابت ہوئے یا نقصان دہ ثابت ہوئے؟ لیکن اگر تم حرام طریقہ اختیار نہ کرتے، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست رکھتے تو اس صورت میں یہ پیسے اگرچہ گنتی میں کچھ کم ہوتے، لیکن تمہارے لئے آرام اور سکون اور چین کا ذریعہ بنتے۔

عذاب کا سبب گناہ ہیں

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو بہت امانت اور دیانت کے ساتھ پیسے کمائے تھے، اس کے باوجود ہماری دکان پر بھی ڈاکو آ گئے، اور لوٹ کر لے گئے ــــ بات یہ ہے کہ ذرا غور کرو کہ اگرچہ تم نے امانت اور دیانت سے کمائے تھے، لیکن یقین کرو کہ تم سے کوئی نہ کوئی گناہ ضرور سرزد ہوا ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ یہی فرما رہے ہیں کہ جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچ رہی ہے، وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے پہنچ رہی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم نے کوئی گناہ کیا ہو، لیکن اس کا خیال اور دھیان نہیں کیا، ہوسکتا ہے کہ تم نے زکوٰۃ پوری ادا نہ کی ہو، یا زکوٰۃ کا حساب صحیح نہ کیا ہو ــــ یا اور کوئی گناہ کیا ہو۔ اس کے نتیجے میں یہ عذاب تم پر آیا ہو۔

یہ عذاب سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا

دوسرے یہ کہ جب کوئی گناہ معاشرے میں پھیل جاتا ہے، اور اس گناہ سے کوئی روکنے والا بھی نہیں ہوتا تو اس وقت جب اللہ تعالیٰ کا کوئی عذاب آتا ہے تو عذاب یہ نہیں دیکھتا کہ کس نے اس گناہ کا ارتکاب کیا تھا، اور کس نے نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ عذاب عام ہوتا ہے، تمام لوگ اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً"(۱)

یعنی اس عذاب سے ڈرو، جو صرف ظالموں ہی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا۔

بلکہ جو لوگ ظلم سے علیحدہ تھے، وہ بھی اس عذاب میں پکڑے جائیں گے، اس لئے کہ اگرچہ یہ لوگ خود تو ظالم نہیں تھے، لیکن کبھی ظالم کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش نہیں کی، کبھی ظلم کو مٹانے کی جدوجہد نہیں کی، اس ظلم کے خلاف ان کی پیشانی پر بل نہیں آیا، اس لئے گویا کہ وہ بھی اس ظلم میں ان کے ساتھ شامل تھے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ہم تو بڑی امانت اور دیانت کے ساتھ تجارت کر رہے تھے، اس کے

---

(۱)　سورۃ الأنفال: ۲۵۔

باوجود ہمارے ہاں چوری ہوگئی اور ڈاکہ پڑ گیا، اتنی بات کہہ دینا کافی نہیں۔ اس لئے کہ اس امانت اور دیانت کو دوسروں تک پہنچانے کا کام تم نے انجام نہیں دیا، اس کو چھوڑ دیا، اس لئے اس عذاب میں تم بھی گرفتار ہو گئے۔

غیر مسلموں کی ترقی کا سبب

ایک زمانہ وہ تھا جب مسلمانوں کا یہ شیوہ تھا کہ تجارت بالکل صاف ستھری ہو۔ اس میں دیانت اور امانت ہو۔ دھوکہ اور فریب نہ ہو۔ آج مسلمانوں نے تو ان چیزوں کو چھوڑ دیا اور انگریزوں اور امریکیوں اور دوسری مغربی اقوام نے ان چیزوں کو اپنی تجارت میں اختیار کرلیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی تجارت کو فروغ ہو رہا ہے۔ دنیا پر چھا گئے ہیں۔ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ یاد رکھو، باطل کے اندر کبھی اُبھرنے اور ترقی کرنے کی طاقت ہی نہیں۔ اس لئے کہ قرآن کریم کا صاف ارشاد ہے:

"اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا"

یعنی باطل تو مٹنے کے لئے آیا ہے، لیکن اگر کبھی تمہیں یہ نظر آئے کہ کوئی باطل ترقی کر رہا ہے، اُبھر رہا ہے، تو سمجھ لو کہ کوئی حق چیز اس کے ساتھ لگ گئی ہے۔ اور اس حق چیز نے اس کو اُبھار دیا ہے۔ لہٰذا یہ باطل لوگ جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے، آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے، اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ان کو دنیا کے اندر بھی ذلیل اور رسوا کر دیا جاتا۔ لیکن کچھ حق چیزیں ان کے ساتھ لگ گئیں، وہ امانت اور دیانت جو حضور اقدس ﷺ نے ہمیں سکھائی تھی، وہ اُنہوں نے اختیار کرلی۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی تجارت کو ترقی عطا فرمائی۔ آج وہ پوری دنیا پر چھا گئے۔ اور ہم نے تھوڑے سے نفع کی خاطر امانت اور دیانت کو چھوڑ دیا، اور دھوکہ، فریب کو اختیار کرلیا، اور یہ نہ سوچا کہ یہ دھوکہ اور فریب آگے چل کر ہماری اپنی تجارت کو تباہ و برباد کر دیں گے۔

مسلمانوں کا طرۂ امتیاز

مسلمان کا ایک طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ تجارت میں کبھی دھوکہ اور فریب نہیں دیتا، ناپ تول میں کبھی کمی نہیں کرتا، کبھی ملاوٹ نہیں کرتا، امانت اور دیانت کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ حضور اقدس ﷺ نے دنیا کے سامنے ایسا ہی معاشرہ پیش کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شکل میں ایسے ہی لوگ تیار کیے جنہوں نے تجارت میں بڑے سے بڑے نقصان کو گوارہ کرلیا، لیکن دھوکہ اور فریب دینے کو گوارہ نہیں

کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی تجارت بھی چمکائی، اور ان کی سیاست بھی چمکائی۔ ان کا بول بالا کیا۔ اور اُنہوں نے دنیا سے اپنی طاقت اور قوت کا لوہا منوایا۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ عام مسلمان نہیں بلکہ وہ مسلمان جو پانچ وقت کی نماز پابندی سے ادا کرتے ہیں، لیکن جب وہ بازار میں جاتے ہیں تو سب احکام بھول جاتے ہیں، گویا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام صرف مسجد تک کے لئے ہیں، بازار کے لئے نہیں۔ خدا کے لئے اس فرق کو ختم کریں۔ اور زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام کے تمام احکامات کو بجالائیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ "تطفیف" کے اندر وہ تمام صورتیں داخل ہیں، جس میں ایک شخص اپنا حق تو پورا پورا وصول کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے، لیکن اپنے ذمے جو دوسروں کے حقوق واجب ہیں، وہ اس کو ادا نہ کرے۔ ایک حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا یومن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه"(۱)

"یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔" یہ نہ ہو کہ اپنے لئے تو پیمانہ کچھ اور ہے اور دوسروں کے لئے پیمانہ کچھ اور ہے۔ جب تم دوسروں کے ساتھ کوئی معاملہ کرو تو اس وقت یہ سوچو کہ اگر یہی معاملہ کوئی دوسرا شخص میرے ساتھ کرتا تو مجھے ناگوار ہوتا، میں اس کو اپنے اُوپر ظلم تصور کرتا۔ تو اگر میں بھی یہ معاملہ جب دوسروں کے ساتھ کروں گا تو وہ بھی آخر انسان ہے، اس کو بھی اس سے ناگواری اور پریشانی ہوگی، اس پر ظلم ہوگا، اس لئے مجھے یہ کام نہیں کرنا چاہئے۔

لہٰذا ہم سب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں اور صبح سے لے کر شام تک کی زندگی کا جائزہ لیں کہ کہاں کہاں ہم سے حق تلفیاں ہو رہی ہیں۔ کم ناپنا، کم تولنا، دھوکہ دینا، ملاوٹ کرنا، فریب دینا، عیب دار چیز فروخت کرنا، یہ تجارت کے اندر حرام ہیں۔ جس کی وجہ سے تجارت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وبال آرہا ہے۔ یہ سب حق تلفی اور "تطفیف" کے اندر داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حقیقت کا فہم اور ادراک عطا فرمائے، اور حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور "تطفیف" کے وبال اور عذاب سے ہمیں نجات عطا فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

---

(۱) رواہ البخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیه ما یحب لنفسه۔

اپنے معاملات صاف رکھیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنے معاملات صاف رکھیں

الحمد لله نحمده و نستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، ونشهد ان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله واصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا.

اما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ."(۱)

امنت بالله صدق الله مولانا العظيم، وصدق رسوله النبى الكريم، ونحن على ذلك من الشاهدين والشاكرين، والحمد لله رب العالمين.

معاملات کی صفائی ___ دین کا اہم رکن

یہ آیت جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، یہ دین کے ایک بہت اہم رکن سے متعلق ہے، وہ دین کا اہم رکن "معاملات کی درستی اور اس کی صفائی" ہے۔ یعنی انسان کا معاملات میں اچھا ہونا اور خوش معاملہ ہونا، یہ دین کا بہت اہم باب ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ دین کا جتنا اہم باب ہے، ہم لوگوں نے اتنا ہی اس کو اپنی زندگی سے خارج کر رکھا ہے۔ ہم نے دین کو صرف چند عبادات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عمرہ، وظائف اور اوراد میں منحصر کر لیا ہے، لیکن روپے پیسے کے لین دین کا جو باب ہے، اس کو ہم نے بالکل آزاد چھوڑا ہوا ہے، گویا کہ دین سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ حالانکہ

(۱) النساء: ۲۹۔

اسلامی شریعت کے احکام کا جائزہ لیا جائے تو نظر آئے گا کہ عبادات سے متعلق جو احکام ہیں وہ ایک چوتھائی ہیں، اور تین چوتھائی احکام معاملات اور معاشرت سے متعلق ہیں۔

تین چوتھائی دین معاملات میں ہے

فقہ کی ایک مشہور کتاب ہے جو ہمارے تمام مدارس میں پڑھائی جاتی ہے، اور اس کتاب کو پڑھ کر لوگ عالم بنتے ہیں، اس کا نام ہے ''ہدایہ''، اس کتاب میں طہارت سے لے کر میراث تک شریعت کے جتنے احکام ہیں، وہ سب اس کتاب میں جمع ہیں۔ اس کتاب کی چار جلدیں ہیں، پہلی جلد عبادات سے متعلق ہے جس میں طہارت کے احکام، نماز کے احکام، زکوۃ، روزے اور حج کے احکام بیان کیے گئے ہیں، اور باقی تین جلدیں معاملات یا معاشرت کے احکام سے متعلق ہیں۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ دین کے احکام کا ایک چوتھائی حصہ عبادات سے متعلق ہے اور تین چوتھائی حصہ معاملات سے متعلق ہے۔

معاملات کی خرابی کا عبادت پر اثر

پھر اللہ تعالیٰ نے ان معاملات کا یہ مقام رکھا ہے کہ اگر انسان روپے پیسے کے معاملات میں حلال وحرام کا، اور جائز ناجائز کا امتیاز نہ رکھے تو عبادات پر بھی اس کا اثر یہ واقع ہوتا ہے کہ چاہے وہ عبادات ادا ہو جائیں لیکن ان کا اجر وثواب اور ان کی قبولیت موقوف ہو جاتی ہے، دُعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑی عاجزی کا مظاہرہ کر رہے ہوتے ہیں، اس حال میں کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں، گڑگڑا کر اور رو رو کر پکارتے ہیں کہ یا اللہ! میرا یہ مقصد پورا کر دیجئے، فلاں مقصد پورا کر دیجئے، بڑی عاجزی سے، الحاح وزاری کے ساتھ یہ دُعائیں کر رہے ہوتے ہیں، لیکن کھانا اُن کا حرام، پینا اُن کا حرام، لباس اُن کا حرام، اور اُن کا جسم حرام آمدنی سے پرورش پایا ہوا، فانی یستجاب له الدعاء، ایسے آدمی کی دُعا کیسے قبول ہو؟ ایسے آدمی کی دُعا قبول نہیں ہوتی۔

معاملات کی تلافی بہت مشکل ہے

دوسری جتنی عبادات ہیں، اگر ان میں کوتاہی ہو جائے تو اس کی تلافی آسان ہے، مثلاً نمازیں چھوٹ گئیں، تو اب اپنی زندگی میں قضا نمازیں ادا کر لو، اور اگر زندگی میں ادا نہ کر سکے تو وصیت کر جاؤ

کہ اگر میں مر جاؤں اور میری نمازیں ادا نہ ہوئی ہوں تو میرے مال میں سے اس کا فدیہ ادا کر دیا جائے اور توبہ کر لو۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں تلافی ہو جائے گی۔ لیکن اگر کسی دوسرے کا مال ناجائز طریقے پر کھا لیا تو اس کی تلافی اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک صاحبِ حق معاف نہ کرے۔ چاہے تم ہزار توبہ کرتے رہو، ہزار نفلیں پڑھتے رہو۔ اس لئے معاملات کا باب بہت اہمیت رکھتا ہے۔

حضرت تھانویؒ اور معاملات

اسی وجہ سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے یہاں تصوف اور طریقت کی تعلیمات میں معاملات کو سب سے زیادہ اوّلیت حاصل تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے اپنے مریدین میں سے کسی کے بارے میں یہ پتہ چلے کہ اس نے اپنے معمولات، نوافل اور اوراد و وظائف پورے نہیں کیے تو اس کی وجہ سے رنج ہوتا ہے اور اس مرید سے کہہ دیتا ہوں کہ ان کو پورا کرلو، لیکن اگر کسی مرید کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس نے روپے پیسے کے معاملات میں گڑبڑ کی ہے تو مجھے اس مرید سے نفرت ہو جاتی ہے۔

معاملات کی خرابی سے زندگی حرام

انہی روپے پیسے کے معاملات میں کمال احتیاط کی وجہ سے یہ بات مشہور تھی کہ جب کوئی شخص ریلوے کے دفتر میں اپنے سامان کا وزن کرا رہا ہوتا تو لوگ سمجھ جاتے تھے کہ یہ شخص تھانہ بھون جانے والا ہے، اور حضرت تھانویؒ کے متعلقین میں سے ہے۔ حضرت والا کی بہت سی باتیں لوگوں نے لے کر مشہور کر دیں، لیکن یہ پہلو کہ ایک پیسہ بھی شریعت کے خلاف کسی ذریعہ سے ہمارے پاس نہ آئے، یہ پہلو نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ آج کتنے لوگ اس قسم کے معاملات کے اندر مبتلا ہیں اور ان کو خیال بھی نہیں آتا کہ ہم یہ معاملات شریعت کے خلاف اور ناجائز کر رہے ہیں۔ اگر ہم نے غلط کام کر کے چند پیسے بچا لیے تو وہ چند پیسے حرام ہو گئے، اور وہ حرام مال ہمارے دوسرے مال کے ساتھ ملنے کے نتیجے میں اس کے بُرے اثرات ہمارے مال میں پھیل گئے۔ پھر اسی مال سے ہم کھانا کھا رہے ہیں، اسی سے کپڑے بنا رہے ہیں، اسی سے لباس تیار ہو رہا ہے، جس کے نتیجے میں ہماری پوری زندگی حرام ہو رہی ہے۔ اور ہم چونکہ بے حس ہو گئے ہیں، اس لئے حرام مال اور حرام آمدنی کے بُرے نتائج کا ہمیں ادراک بھی نہیں۔ یہ حرام مال ہماری زندگی میں کیا فساد مچا رہا ہے، اس کا ہمیں احساس نہیں۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ احساس عطا فرماتے ہیں، اُن کو پتہ لگتا ہے کہ حرام چیز کیا ہوتی ہے۔

حرام کی دو قسمیں

یہ جو آج ہمارے دِلوں سے گناہوں کی نفرت مٹتی جا رہی ہے، اور گناہ کے گناہ ہونے کا احساس ختم ہو رہا ہے، اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے مال میں حرام مال کی ملاوٹ ہو چکی ہے۔ پھر ایک تو وہ حرام ہے جو کھلا حرام ہے، جس کو ہر شخص جانتا ہے کہ یہ حرام ہے، جیسے رشوت کا مال، سود کا مال، جوا کا مال، دھوکے کا مال، چوری کا مال وغیرہ۔ لیکن حرام کی دوسری قسم وہ حرام ہے جس کے حرام ہونے کا ہمیں احساس ہی نہیں ہے، حالانکہ وہ بھی حرام ہے اور وہ حرام چیز ہمارے کاروبار میں مل رہی ہے۔ اس دوسری قسم کی تفصیل سنئے۔

ملکیت متعین ہونی چاہئے

حضور اقدس ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ معاملات چاہے بھائیوں کے درمیان ہوں، باپ بیٹے کے درمیان ہوں، شوہر اور بیوی کے درمیان ہوں، وہ معاملات بالکل صاف اور بے غبار ہونے چاہئیں اور ان میں کوئی غبار نہ ہونا چاہئے۔ اور ملکیتیں آپس میں متعین ہونی چاہئیں کہ کونسی چیز باپ کی ملکیت ہے اور کونسی چیز بیٹے کی ملکیت ہے۔ کونسی چیز شوہر کی ملکیت ہے اور کونسی چیز بیوی کی ملکیت ہے۔ کونسی چیز ایک بھائی کی ہے اور کونسی چیز دوسرے بھائی کی ہے۔ یہ ساری بات واضح اور صاف ہونی چاہئے۔ یہ نبی کریم ﷺ کی تعلیم ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

"تعاشروا کالاخوان، تعاملوا کالاجانب."

یعنی بھائیوں کی طرح رہو، لیکن آپس کے معاملات اجنبیوں کی طرح کرو۔ مثلاً اگر قرض کا لین دین کیا جا رہا ہے تو اس کو لکھ لو کہ یہ قرض کا معاملہ ہے، اتنے دن کے بعد اس کی واپسی ہوگی۔

باپ بیٹوں کے مشترک کاروبار

آج ہمارا سارا معاشرہ اس بات سے بھرا ہوا ہے کہ کوئی بات صاف ہی نہیں۔ اگر باپ بیٹوں کے درمیان کاروبار ہے تو وہ کاروبار ویسے ہی چل رہا ہے، اس کی کوئی وضاحت نہیں ہوتی کہ بیٹے باپ کے ساتھ جو کام کر رہے ہیں وہ آیا شریک کی حیثیت میں کر رہے ہیں، یا ملازم کی حیثیت میں کر رہے ہیں، یا ویسے ہی باپ کی مفت مدد کر رہے ہیں، اس کا کچھ پتہ نہیں، مگر تجارت ہو رہی ہے، ملیں قائم ہو رہی ہیں، دکانیں بڑھتی جا رہی ہیں، مال اور جائیداد بڑھتا جا رہا ہے۔ لیکن یہ پتہ نہیں ہے کہ کس کا کتنا

حصہ ہے۔ اگر ان سے کہا بھی جائے کہ اپنے معاملات کو صاف کرو، تو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ تو غیریت کی بات ہے۔ بھائیوں بھائیوں میں صفائی کی کیا ضرورت ہے؟ یا باپ بیٹوں میں صفائی کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب شادیاں ہو جاتی ہیں اور بچے ہو جاتے ہیں، اور شادی میں کسی نے زیادہ خرچ کر لیا اور کسی نے کم خرچ کیا۔ یا ایک بھائی نے مکان بنالیا اور دوسرے نے ابھی تک مکان نہیں بنایا۔ بس اب دل میں شکایتیں اور ایک دوسرے کی طرف سے کینہ پیدا ہونا شروع ہو گیا، اور اب آپس میں جھگڑے شروع ہو گئے کہ فلاں زیادہ کھا گیا اور مجھے کم ملا۔ اور اگر اس دوران باپ کا انتقال ہو جائے تو اس کے بعد بھائیوں کے درمیان جو لڑائی اور جھگڑے ہوتے ہیں وہ لامتناہی ہوتے ہیں، پھر ان کے حل کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔

باپ کے انتقال پر میراث کی تقسیم فوراً کریں

جب باپ کا انتقال ہو جائے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ فوراً میراث تقسیم کرو۔ میراث تقسیم کرنے میں تاخیر کرنا حرام ہے۔ لیکن آج کل یہ ہوتا ہے کہ باپ کے انتقال پر میراث تقسیم نہیں ہوتی، اور جو بڑا بیٹا ہوتا ہے وہ کاروبار پر قابض ہو جاتا ہے، اور بیٹیاں خاموش بیٹھی رہتی ہیں، اُن کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ ہمارا کیا حق ہے اور کیا نہیں ہے؟ یہاں تک کہ اسی حالت میں دس سال اور بیس سال گزر گئے، اور پھر اس دوران کسی اور کا بھی انتقال ہو گیا، یا کسی بھائی نے اس کاروبار میں اپنا پیسہ ملا دیا، پھر سالہا سال گزرنے کے بعد جب اُن کی اولاد بڑی ہوئی تو اب جھگڑے کھڑے ہو گئے۔ اور جھگڑے ایسے وقت میں کھڑے ہوئے جب ڈور اُلجھی ہوئی ہے۔ اور جب وہ جھگڑے انتہاء کی حد تک پہنچے تو اب مفتی صاحب کے پاس چلے آرہے ہیں کہ اب آپ بتائیں کہ ہم کیا کریں۔ مفتی صاحب بچارے ایسے وقت میں کیا کریں گے۔ اب اس وقت یہ معلوم کرنا مشکل ہوتا ہے کہ جس وقت کاروبار کے اندر شرکت تھی، اور بیٹے اپنے باپ کے ساتھ مل کر کاروبار کر رہے تھے، اس وقت بیٹے کس حیثیت میں کام کر رہے تھے؟

مشترک مکان کی تعمیر میں حصہ داروں کا حصہ

یا مثلاً ایک مکان بن رہا ہے، تعمیر کے دوران کچھ پیسے باپ نے لگا دیئے، کچھ پیسے ایک بیٹے نے لگا دیئے، کچھ دوسرے بیٹے نے لگا دیئے، کچھ تیسرے بیٹے نے لگا دیئے۔ لیکن یہ پتہ نہیں کہ کون کس حساب سے کس طرح سے کس تناسب سے لگا رہا ہے، اور یہ بھی پتہ نہیں کہ جو پیسے تم لگا رہے ہو وہ

آیا بطور قرض کے دے رہے ہو اور اس کو واپس لو گے، یا مکان میں حصہ دار بن رہے ہو، یا بطور امداد اور تعاون کے پیسے دے رہے ہو، اس کا کچھ پتہ نہیں۔ اب مکان تیار ہو گیا اور اس میں رہنا شروع کر دیا۔ اب جب باپ کا انتقال ہوا یا آپس میں دوسرے مسائل پیدا ہوئے تو اب مکان پر جھگڑے کھڑے ہو گئے۔ اب مفتی صاحب کے پاس چلے آرہے ہیں کہ فلاں بھائی یہ کہتا ہے کہ میرا اتنا حصہ ہے، مجھے اتنا ملنا چاہئے۔ دوسرا کہتا ہے مجھے اتنا ملنا چاہئے۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ بھائی! جب تم نے اس مکان کی تعمیر میں پیسے دیئے تھے، اس وقت تمہاری کیا نیت تھی؟ کیا تم نے بطور قرض دیئے تھے؟ یا تم مکان میں حصہ دار بننا چاہتے تھے؟ یا باپ کی مدد کرنا چاہتے تھے؟ اس وقت کیا بات تھی؟ تو یہ جواب ملتا ہے کہ ہم نے تو پیسے دیتے وقت کچھ سوچا ہی نہیں تھا، نہ تو ہم نے مدد کے بارے میں سوچا تھا، اور نہ حصہ داری کے بارے میں سوچا تھا، اب آپ کوئی حل نکالیں۔ اب ڈور اُلجھ گئی اور سرا ہاتھ نہیں آرہا ہے تو اب مفتی صاحب کی مصیبت آئی کہ وہ اس کا حل نکالیں کہ کس کا کتنا حصہ بنتا ہے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ معاملات کے بارے میں حضور اقدس نبی کریم ﷺ کی تعلیم پر عمل نہیں کیا۔ نفلیں ہو رہی ہیں، تہجد کی نماز ہو رہی ہے، اشراق کی نماز ہو رہی ہے، لیکن معاملات میں سب الم غلم ہو رہا ہے، کسی چیز کا کچھ پتہ نہیں۔ یہ سب کام حرام ہو رہا ہے۔ جب یہ معلوم نہیں کہ میرا حق کتنا ہے اور دوسرے کا حق کتنا ہے، تو اس صورت میں جو کچھ تم اس میں سے کھا رہے ہو، اس کے حلال ہونے میں بھی شبہ ہے۔ جائز نہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ اور ملکیت کی وضاحت

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ، اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے، آمین، اُن کا ایک مخصوص کمرہ تھا، اس میں آرام فرمایا کرتے تھے۔ ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی، اسی پر آرام کیا کرتے تھے۔ اسی پر لکھنے پڑھنے کا کام کیا کرتے تھے۔ وہیں پر لوگ آکر ملاقات کیا کرتے تھے۔ میں یہ دیکھتا تھا کہ جب اس کمرے میں کوئی سامان باہر سے آتا تو فوراً واپس بھجوا دیتے تھے۔ مثلاً حضرت والد صاحب نے پانی منگوایا، میں گلاس میں پانی بھر کر پلانے چلا گیا۔ جب آپ پانی پی لیتے تو فوراً فرماتے کہ یہ گلاس واپس رکھ آؤ جہاں سے لائے تھے۔ جب گلاس واپس لے جانے میں دیر ہو جاتی تو ناراض ہو جاتے۔ اگر پلیٹ آجاتی تو فوراً فرماتے کہ یہ پلیٹ واپس باورچی خانے میں رکھ آؤ۔ ایک دن میں نے کہا کہ حضرت! اگر سامان واپس لے جانے میں تھوڑی دیر ہو جایا کرے تو معاف فرما دیا کریں۔ فرمانے لگے، تم بات سمجھتے نہیں ہو۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے اپنے

وصیت نامہ میں لکھا ہوا ہے کہ اس کمرے میں جو سامان بھی ہے وہ میری ملکیت ہے، اور باقی کمروں میں اور گھر میں جو سامان ہے وہ تمہاری والدہ کی ملکیت ہے۔ اس لئے میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کبھی دوسرے کمروں کا سامان یہاں پر آ جائے، اور اسی حالت میں میرا انتقال ہو جائے تو اس وصیت نامہ کے مطابق تم یہ سمجھو گئے کہ یہ میری ملکیت ہے، حالانکہ وہ میری ملکیت نہیں۔ اس وجہ سے میں کوئی چیز دوسروں کی اپنے کمرے میں نہیں رکھتا، واپس کروا دیتا ہوں۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحبؒ کی احتیاط

جب حضرت والد صاحبؒ کی وفات ہوگئی تو میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ تعزیت کے لئے تشریف لائے۔ حضرت والد صاحب سے حضرت ڈاکٹر صاحب کو بہت ہی والہانہ تعلق تھا، جس کا ہم اور آپ تصور نہیں کر سکتے۔ چونکہ آپ ضعیف تھے، اس وجہ سے اس وقت آپ پر کمزوری کے آثار نمایاں تھے۔ مجھے اس وقت خیال آیا کہ حضرت والا پر اس وقت بہت ضعف اور غم ہے تو اندر سے میں حضرت والد صاحبؒ کا خمیرہ لے آیا جو آپ تناول فرمایا کرتے تھے، اور حضرت والا کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت آپ خمیرہ کا ایک چمچہ تناول فرمالیں۔ حضرت والا نے اس خمیرہ کو دیکھتے ہی کہا کہ تم یہ خمیرہ کیسے لے آئے، یہ خمیرہ تو اب میراث کا اور ترکہ کا ایک حصہ بن گیا ہے، اب تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ اس طرح یہ خمیرہ اُٹھا کر کسی کو دے دو، اگرچہ وہ ایک چمچہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ میں نے کہا کہ حضرت! حضرت والد صاحبؒ کے جتنے ورثاء ہیں، وہ سب الحمد للہ بالغ ہیں اور وہ سب یہاں موجود ہیں، اور سب اس بات پر راضی ہیں کہ آپ یہ خمیرہ تناول فرمالیں۔ تب حضرت نے وہ خمیرہ تناول فرمایا۔

حساب اسی دن کرلیں

اس کے ذریعہ حضرت والا نے یہ سبق دے دیا کہ یہ بات ایسی بات نہیں ہے کہ آدمی روا روی میں گزر جائے۔ فرض کریں کہ اگر تمام ورثاء میں ایک وارث بھی نابالغ ہوتا یا موجود نہ ہوتا اور اس کی رضامندی شامل نہ ہوتی تو اس خمیرہ کا ایک چمچہ بھی حرام ہو جاتا۔ اس لئے شریعت کا یہ حکم ہے کہ جونہی کسی کا انتقال ہو جائے تو جلد از جلد اس کی میراث تقسیم کر دو، یا کم از کم حساب کر کے رکھ لو کہ فلاں کا اتنا حصہ ہے اور فلاں کا اتنا حصہ ہے، اس لئے کہ بعض اوقات تقسیم میں کچھ تاخیر ہو جاتی ہے، بعض اشیاء کی قیمت لگانی پڑتی ہے اور بعض اشیاء کو فروخت کرنا پڑتا ہے، لیکن حساب اسی دن ہو جانا چاہئے۔ آج اس

وقت ہمارے معاشرے میں جتنے جھگڑے پھیلے ہوئے ہیں، ان جھگڑوں کا ایک بڑا بنیادی سبب حساب کتاب کا صاف نہ ہونا اور معاملات کا صاف نہ ہونا ہے۔

دوسروں کی چیز اپنے استعمال میں لانا

اسی طرح دوسرے کی چیز استعمال کرنا حرام ہے، مثلاً کوئی دوست ہے یا بھائی ہے، اس کی چیز اس کی اجازت کے بغیر استعمال کر لی تو یہ جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے۔ البتہ اگر آپ کو یہ یقین ہے کہ اس کی چیز استعمال کرنے سے وہ خوش ہوگا اور خوشی سے اس کی اجازت دیدے گا، تب تو استعمال کرنا جائز ہے، لیکن جہاں ذرا بھی اس کی اجازت میں شک ہو، چاہے وہ حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو، یا چاہے وہ بیٹا ہو اور اپنے باپ کی چیز استعمال کر رہا ہو، جب تک اس بات کا اطمینان نہ ہو کہ خوش دِلی سے وہ اجازت دیدے گا، یا میرے استعمال کرنے سے وہ خوش ہوگا، اس وقت تک اس کا استعمال جائز نہیں۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"لا یحل مال امری مسلم الا بطیب نفس منه." (۱)

کسی مسلمان کا مال تمہارے لئے حلال نہیں جب تک وہ خوش دِلی سے نہ دے۔ اس حدیث میں ''اجازت'' کا لفظ استعمال نہیں فرمایا بلکہ ''خوش دِلی'' کا لفظ استعمال فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ صرف اجازت کافی نہیں بلکہ وہ اس طرح اجازت دے کہ اس کا دل خوش ہو، تب تو وہ چیز حلال ہے۔ اگر آپ دوسرے کی چیز استعمال کر رہے ہیں، لیکن آپ کو اس کی خوش دِلی کا یقین نہیں ہے، تو آپ کے لئے وہ چیز استعمال کرنا جائز نہیں۔

ایسا چندہ حلال نہیں

حکیم الامت حضرت تھانویؒ مدرسوں کے چندے اور انجمنوں کے چندے کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ چندے اس طرح وصول کرنا کہ دوسرا شخص دباؤ کے تحت چندہ دیدے، ایسا چندہ حلال نہیں۔ مثلاً آپ نے مجمع عام میں چندہ لینا شروع کر دیا، اس مجمع میں ایک آدمی شرما شرمی میں یہ سوچ کر چندہ دے رہا ہے کہ اتنے سارے لوگ چندہ دے رہے ہیں اور میں چندہ نہ دوں تو میری ناک کٹ جائے گی، اور دل کے اندر چندہ دینے کی خواہش نہیں تھی، تو یہ چندہ خوش دِلی کے بغیر دیا گیا، یہ ''چندہ'' لینے والے کے لئے حلال نہیں۔ اس موضوع پر حضرت تھانویؒ نے ایک مستقل رسالہ لکھا

(۱) کنز العمال، حدیث ۳۹۷۔

ہے، اور اس میں یہ احکام لکھے ہیں کہ کس حالت میں چندہ لینا جائز ہے اور کس حالت میں چندہ لینا جائز نہیں۔

ہر ایک کی ملکیت واضح ہونی چاہئے

بہر حال، یہ اصول ذہن میں رکھو کہ جب تک دوسرے کی خوش دِلی کا اطمینان نہ ہو، اس وقت تک دوسرے کی چیز استعمال کرنا حلال نہیں، چاہے وہ بیٹا کیوں نہ ہو، باپ کیوں نہ ہو، بھائی اور بہن کیوں نہ ہو، چاہے بیوی اور شوہر کیوں نہ ہو۔ اس اصول کو فراموش کرنے کی وجہ سے ہمارے مال میں حرام کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں تو کوئی غلط کام نہیں کرتا، رشوت میں نہیں لیتا، سود نہیں کھاتا، چوری میں نہیں کرتا، ڈاکہ میں نہیں ڈالتا، اس لئے میرا مال تو حلال ہے۔ لیکن اس کو یہ نہیں معلوم کہ اس اصول کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے مال حرام کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ اور مالِ حرام کی آمیزش حلال مال کو بھی تباہ کر دیتی ہے اور اس کی برکتیں زائل ہو جاتی ہیں، اس کا نفع ختم ہو جاتا ہے، اور اُلٹا اس حرام مال کے نتیجے میں انسان کی طبیعت گناہوں کی طرف چلتی ہے، روحانیت کو نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے معاملات کو صاف رکھنے کی فکر کریں کہ کسی معاملے میں کوئی اُلجھاؤ نہ رہے، ہر چیز صاف اور واضح ہونی چاہئے۔ ہر چیز کی ملکیت واضح ہونی چاہئے کہ یہ چیز میری ملکیت ہے، یہ فلاں کی ملکیت ہے۔ البتہ ملکیت واضح ہو جانے کے بعد آپس میں بھائیوں کی طرح رہو۔ دوسرے شخص کو تمہاری چیز استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئے تو دے دو، لیکن ملکیت واضح ہونی چاہئے، تاکہ کل کو کوئی جھگڑا کھڑا نہ ہو جائے۔

مسجدِ نبوی کے لئے زمین مفت قبول نہ کی

جب حضور اقدس ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کے پیشِ نظر سب سے پہلا کام یہ تھا کہ یہاں پر کوئی مسجد بنائی جائے۔ وہ مسجدِ نبوی جس میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ چنانچہ ایک جگہ آپ ﷺ کو پسند آ گئی جو خالی پڑی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے اس جگہ کے بارے میں معلوم کرایا کہ یہ کس کی جگہ ہے تو پتہ چلا کہ یہ بنی نجار کے لوگوں کی جگہ ہے۔ جب بنو نجار کے لوگوں کو پتہ چلا کہ آپ ﷺ اس جگہ پر مسجد بنانا چاہتے ہیں تو اُنہوں نے آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ تو ہماری بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ ہماری جگہ پر مسجد بنائی جائے۔ ہم یہ جگہ مسجد کے لئے مفت دیتے ہیں تاکہ آپ یہاں پر مسجدِ نبوی کی تعمیر فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں،

میں مفت نہیں لوں گا، تم اس کی قیمت بتاؤ، قیمت کے ذریعہ لوں گا۔ حالانکہ بظاہر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ لوگ اپنی سعادت اور خوش نصیبی سمجھ کر یہ چاہ رہے تھے کہ ان کی جگہ مسجدِ نبوی کی تعمیر میں استعمال ہو جائے، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے مفت لینا گوارہ نہیں کیا۔

تعمیرِ مسجد کے لئے دباؤ ڈالنا

علماء کرام نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ویسے، تو جب بنی نجار کے لوگ مسجد کے لئے چندہ کے طور پر مفت زمین دے رہے تھے تو یہ زمین لینا جائز تھا، اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں تھی، لیکن چونکہ مدینہ منورہ میں اسلام کی یہ پہلی مسجد تعمیر ہو رہی تھی، اگرچہ قبا میں ایک مسجد تعمیر ہو چکی تھی، اور یہ وہ مسجد تھی جس کو آئندہ حرمِ مکہ کے بعد دوسرا مقام حاصل ہونا تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ یہ زمین اس طرح مفت قیمت کے بغیر لے لی جائے۔ ورنہ آئندہ کے لئے لوگوں کے سامنے یہ نظیر بن جائے گی کہ جب مسجد بنانی ہو تو مسجد کے لئے زمین قیمتاً خریدنے کے بجائے لوگ مفت اپنی زمینیں دیں، اور اس لئے یہ زمین مفت قبول نہیں کی تاکہ لوگوں پر یہ واضح فرما دیں کہ یہ بات درست نہیں کہ مسجد کی تعمیر کی خاطر دوسروں پر دباؤ ڈالا جائے، یا دوسروں کی املاک پر نظر رکھی جائے۔ اس وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے پیسے دے کر وہ زمین خریدی اور پھر مسجدِ نبوی کی تعمیر فرمائی تاکہ معاملہ صاف رہے اور کسی قسم کی کوئی اُلجھن برقرار نہ رہے۔

پورے سال کا نفقہ دینا

آنحضرت ﷺ کی ازواجِ مطہراتؓ، جو حقیقت میں آنحضرت ﷺ کی شریکِ حیات بننے کی وہی مستحق تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دِلوں سے دنیا کی محبت نکالی ہوئی تھی، اور آخرت کی محبت اُن کے دِلوں میں بھری ہوئی تھی، لیکن حضور اقدس ﷺ کا معاملہ یہ تھا کہ سال کے شروع میں اپنی تمام ازواجِ مطہراتؓ کا نفقہ اکٹھا دے دیا کرتے تھے، اور اُن سے فرما دیتے کہ یہ تمہارا نفقہ ہے تم جو چاہو کرو۔ اب وہ ازواجِ مطہراتؓ بھی حضور اقدس ﷺ کی ازواجِ مطہرات تھیں۔ اُن کے یہاں تو ہر وقت صدقہ خیرات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ چنانچہ وہ ازواجِ مطہراتؓ بقدرِ ضرورت اپنے پاس رکھتیں، باقی سب خیرات کر دیتی تھیں۔ لیکن حضور اقدس ﷺ نے یہ مثال قائم فرمائی کہ پورے سال کا نفقہ اکٹھا دے دیا۔

ازواج مطہراتؓ سے برابری کا معاملہ کرنا

اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ سے پابندی اُٹھالی تھی کہ وہ اپنی ازواج مطہراتؓ میں برابری کریں۔ بلکہ آپ ﷺ کو یہ اختیار دے دیا تھا کہ جس کو چاہیں زیادہ دیں اور جس کو چاہیں کم دیں، اس معاملے میں ہم آپ سے مواخذہ نہیں کریں گے۔ اس اختیار کے نتیجے میں ازواج مطہراتؓ کے درمیان برابری کرنا آپ کے ذمہ فرض نہیں رہا تھا۔ جب کہ اُمت کے تمام افراد کے لئے برابری کرنا فرض ہے۔ لیکن حضور اقدس ﷺ نے ساری عمر اس اختیار اور اجازت پر عمل نہیں فرمایا بلکہ ہر چیز میں برابری فرمائی، اور ان کی ملکیت کو واضح اور نمایاں فرمادیا تھا۔ اور اُن کے حقوق پوری طرح زندگی بھر ادا فرمائے۔

خلاصہ

بہر حال، ان احادیث اور آیات میں جو بنیادی اصول بیان فرمایا، جس کو ہم فراموش کرتے جارہے ہیں، وہ ''معاملات کی صفائی'' اور معاملات کی درستی ہے، یعنی معاملہ صاف اور واضح ہو، اس میں کوئی اجمال اور ابہام نہ رہے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت، ہر ایک اپنے معاملات کو صاف رکھے۔ اس کے بغیر آمدنی اور اخراجات شریعت کی حدود میں نہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل وکرم سے اس حقیقت اور اس حکم کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تنخواہ کا یہ حصہ حرام ہوگیا

ہماری زندگیوں میں بہت سی آمدنیاں اس طرح داخل ہوگئی ہیں کہ ہمیں ان کے بارے میں یہ احساس بھی نہیں کہ یہ آمدنیاں حرام ہیں، مثلاً آپ نے کسی جگہ پر جائز اور شریعت کے مطابق ملازمت اختیار کررکھی ہے، لیکن ملازمت کا جو وقت طے ہو چکا ہے اس وقت میں آپ کمی کر رہے ہیں اور پورا وقت نہیں دے رہے ہیں بلکہ ڈنڈی مار رہے ہیں، جیسے ایک شخص کی آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہے مگر وہ ان میں سے ایک گھنٹہ چوری چھپے دوسرے کاموں میں ضائع کر دیتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مہینے کے ختم پر جو تنخواہ ملے گی اس کا آٹھواں حصہ حرام ہوگیا۔ وہ آٹھواں حصہ رزقِ حلال نہ رہا بلکہ وہ رزقِ حرام ہوگیا، لیکن ہمیں اس کا احساس ہی نہیں کہ یہ حرام مال ہماری آمدنی میں شامل ہو رہا ہے۔

تھانہ بھون کے مدرسہ کے اساتذہ کا تنخواہ کٹوانا

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی خانقاہ میں جو مدرسہ تھا، اس مدرسہ کے ہر استاد اور ہر ملازم کے پاس ایک روزنامچہ رکھا رہتا تھا۔ مثلاً ایک استاد ہے اور اس کو چھ گھنٹے سبق پڑھانا ہے، اب سبق پڑھانے کے دوران اس کے پاس کوئی مہمان ملنے کے لئے آ گیا تو جس وقت مہمان آتا، وہ استاد اس کے آنے کا وقت اس روزنامچے میں لکھ لیتا، اور پھر جب وہ مہمان رخصت ہو کر واپس جاتا تو اس کے جانے کا وقت بھی نوٹ کر لیتا۔ سارا مہینہ وہ اسی طرح کرتا اور جب مہینے کے آخر میں تنخواہ ملنے کا وقت آتا تو وہ استاد دفتر میں ایک درخواست دیتا کہ اس ماہ کے دَوران میرا اتنا وقت مہمانوں کے ساتھ صرف ہوا ہے، لہٰذا اتنی دیر کی تنخواہ میری تنخواہ میں سے کم کر لی جائے۔ اس طرح ہر استاد اور ہر ملازم درخواست دے کر اپنی تنخواہ کٹواتا۔ صرف مہمان کے آنے کی حد تک نہیں بلکہ مدرسہ کا وہ وقت کسی بھی ذاتی کام میں صرف ہوتا تو وہ وقت نوٹ کر کے اس کی تنخواہ کٹواتا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ یہ وقت بکا ہوا ہے، اب یہ وقت ہمارا نہیں ہے، جس ادارے میں آپ نے ملازمت کی ہے وہ وقت اس ادارے کی ملکیت بن گیا۔ اب اگر آپ نے اس وقت کے اندر کمی کی تو اتنے وقت کی تنخواہ آپ کے لئے حرام ہو گئی۔ آج ہم لوگوں کو اس طرف دھیان نہیں ہے۔ ہم لوگ تو صرف سود کھانے اور رشوت لینے کو حرام سمجھتے ہیں، لیکن ان مختلف طریقوں سے ہماری آمدنیوں میں جو حرام کی آمیزش ہو رہی ہے اس کی طرف ہمارا ذہن نہیں جاتا۔

ٹرین کے سفر میں پیسے بچانا

یا مثلاً آپ ٹرین میں سفر کر رہے ہیں اور جس درجے کا آپ نے ٹکٹ خریدا ہے اس سے اُونچے درجے کے ڈبے میں سفر کر لیا، اور دونوں درجوں کے درمیان کرایہ کا جو فرق ہے اتنے پیسے آپ نے بچا لیے، تو جو پیسے بچے وہ آپ کے لئے حرام ہو گئے اور وہ حرام مال آپ کی حلال آمدن میں شامل ہو گئے اور آپ کو پتہ بھی نہ چلا کہ یہ حرام مال شامل ہو گیا۔

زائد سامان کا کرایہ

حضرت تھانویؒ سے تعلق رکھنے والوں کے بارے میں یہ بات مشہور و معروف تھی کہ جب وہ ریل کا سفر کرتے تو اپنے سامان کا وزن ضرور کرایا کرتے تھے اور ایک مسافر کو جتنا سامان لے جانے کی

اجازت ہوتی، اگر سامان اس وزن سے زیادہ ہوتا تو وہ زائد سامان کا کرایہ ریلوے کو ادا کرتے اور پھر سفر شروع کرتے۔ یہ کاروائی کیے بغیر سفر کرنے کا ان کے یہاں تصور ہی نہیں تھا۔

حضرت تھانویؒ کا ایک سفر

ایک مرتبہ خود حضرت تھانویؒ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ سفر کرنے کے لئے اسٹیشن پہنچے اور سیدھے اس دفتر میں تشریف لے گئے جہاں سامان کا وزن کرایا جاتا تھا۔ وہاں اتفاق سے ریلوے کا گارڈ کھڑا ہوا تھا جو حضرت والا کو پہچانتا تھا، وہ پوچھنے لگا کہ حضرت کیسے تشریف لائے؟ حضرت نے فرمایا کہ میں اپنے سامان کا وزن کرانے آیا ہوں تاکہ اگر زیادہ ہو تو اس کا کرایہ ادا کر دوں۔ اس گارڈ نے کہا کہ حضرت! آپ وزن کرانے کے چکر میں کیوں پڑ رہے ہیں، آپ سامان کو وزن کرائے بغیر سفر کرلیں، میں آپ کے ساتھ ہوں اور میں اس ٹرین کا گارڈ ہوں، آپ کو راستے میں کوئی نہیں پکڑے گا اور اگر سامان زیادہ ہوا تو آپ سے کوئی شخص بھی جرمانے کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ حضرت نے اس گارڈ سے پوچھا کہ آپ کہاں تک میرے ساتھ جائیں گے؟ اس گارڈ نے جواب دیا کہ میں فلاں اسٹیشن تک جاؤں گا۔ حضرت والا نے پوچھا کہ اس کے بعد پھر کیا ہوگا؟ اس نے کہا کہ اس کے بعد جو گارڈ آئے گا، میں اس سے کہہ دوں گا کہ ان کے سامان کا ذرا خیال رکھنا۔ حضرت والا نے پھر پوچھا کہ وہ گارڈ کہاں تک جائے گا؟ گارڈ نے جواب دیا کہ وہ گارڈ تو جہاں تک آپ کی منزل ہے وہاں تک آپ کے ساتھ ہی سفر کرے گا، اس لئے آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے اور بھی آگے جانا ہے۔ اس نے پوچھا کہ آگے کہاں جانا ہے؟ حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے تو اس منزل سے آگے اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس جانا ہے، وہاں کون گارڈ میرے ساتھ جائے گا جو مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے سوال و جواب سے بچائے گا؟

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ ٹرین تمہاری ملکیت نہیں ہے، اس کے اُوپر تمہارا اختیار نہیں ہے، تمہیں محکمے کی طرف سے اجازت نہیں ہے کہ تم کسی شخص کے زیادہ سامان کو کرایہ کے بغیر چھوڑ دو۔ لہٰذا میں تمہاری وجہ سے دنیاوی پکڑ سے تو بچ جاؤں گا لیکن اس وقت جو چند پیسے میں بچالوں گا اور وہ چند پیسے میرے لئے حرام ہو جائیں گے، ان حرام پیسوں کے بارے میں جب اللہ تعالیٰ کے سامنے سوال ہوگا تو وہاں پر کون سا گارڈ مجھے بچائے گا اور کون جواب دہی کرے گا؟ یہ باتیں سن کر اس گارڈ کی آنکھیں کھل گئیں اور پھر حضرت والا سامان وزن کرا کر اس کے زائد پیسے ادا کر کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

یہ حرام پیسے رزقِ حلال میں شامل ہو گئے

لہٰذا اگر کسی نے اس طرح ریل گاڑی میں یا ہوائی جہاز میں سفر کے دوران اجازت سے زیادہ سامان کے ساتھ سفر کر لیا اور اس سامان کا وزن کرا کر اس کا کرایہ علیحدہ سے ادا نہیں کیا تو اس کے نتیجے میں جو پیسے بچے وہ حرام بچے اور یہ حرام پیسے ہمارے رزقِ حلال کے اندر شامل ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا جو اچھا خاصا حلال پیسہ تھا اس میں حرام کی آمیزش ہو گئی۔

بے برکتی کیوں نہ ہو

آج ہم لوگ جو بے برکتی کی وجہ سے پریشان ہیں اور ہر شخص رونا رو رہا ہے، جو لکھ پتی ہے وہ بھی رو رہا ہے اور جو کروڑ پتی ہے وہ بھی رو رہا ہے کہ صاحب خرچہ پورا نہیں ہوتا اور مسائل حل نہیں ہوتے، درحقیقت یہ بے برکتی اس لئے ہے کہ حلال و حرام کی تمیز اور اس کی فکر اُٹھ گئی ہے۔ بس چند مخصوص چیزوں کے بارے میں تو یہ ذہن میں بٹھا لیا ہے کہ یہ حرام ہیں، ان سے تو کسی نہ کسی طریقے سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن مختلف ذرائع سے جو یہ حرام پیسے ہماری آمدنیوں میں داخل ہو رہے ہیں، ان کی فکر نہیں۔

ٹیلیفون اور بجلی کی چوری

یا ٹیلیفون کے محکمے والوں سے دوستی ہے اور اب اس کے ذریعہ ملکی اور غیر ملکی کالیں ہو رہی ہیں، دنیا بھر میں باتیں ہو رہی ہیں اور ان کالوں پر ایک پیسہ ادا نہیں کیا جا رہا ہے، یہ درحقیقت محکمے کی چوری ہو رہی ہے اور اس چوری کے نتیجے میں جو پیسے بچے وہ مالِ حرام ہے، اور وہ مالِ حرام ہمارے مالِ حلال کے اندر شامل ہو رہا ہے۔ یا مثلاً بجلی کی چوری ہو رہی ہے کہ بجلی کا میٹر بند پڑا ہے لیکن بجلی استعمال ہو رہی ہے۔ اس طرح جو پیسے بچے وہ مالِ حرام ہے اور وہ حرام مال ہمارے حلال مال کے اندر شامل ہو رہا ہے اور حرام مال کی آمیزش ہو رہی ہے۔ لہٰذا نہ جانے کتنے شعبے ایسے ہیں جن میں ہم نے اپنے لئے حرام کے راستے کھول رکھے ہیں اور حرام مال ہمارے حلال مال میں داخل ہو رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم بے برکتی کے عذاب کے اندر مبتلا ہیں۔

یہاں تو آدمی بنائے جاتے ہیں

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ خانقاہوں میں ذکر و شغل سیکھنے کے لئے جاتے ہیں اگر ذکر و شغل سیکھنا ہے تو بہت ساری خانقاہیں کھلی ہیں وہاں چلا جائے، لیکن ہمارے یہاں تو آدمی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور شریعت کے جو احکام ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کی فکر پیدا کی جاتی ہے۔ چنانچہ ریلوے اسٹیشن پر اگر کوئی داڑھی والا آدمی اپنا سامان وزن کرانے کے لئے ریلوے کے دفتر پہنچتا تو وہ دفتر والے اس کو دیکھتے ہی پہچان لیتے کہ اس کا تعلق تھانہ بھون سے ہے، لہٰذا اس سے خود پوچھ لیتے کہ آپ تھانہ بھون جارہے ہیں؟

چنانچہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے اپنے تعلق رکھنے والوں میں سے کسی کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے معمولات چھوٹ گئے ہیں تو مجھے زیادہ دکھ اور شکایت نہیں ہوتی، لیکن اگر کسی کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے حلال و حرام کو ایک کر رکھا ہے اور اس کو معاملات کے اندر حلال و حرام کی فکر نہیں ہے تو مجھے اس شخص سے نفرت ہو جاتی ہے۔

ایک خلیفہ کا سبق آموز واقعہ

حضرت تھانویؒ کے ایک بڑے خلیفہ تھے جن کو آپ نے باقاعدہ خلافت عطا فرمائی تھی۔ ایک مرتبہ وہ ایک سفر سے تشریف لائے تو ان کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا۔ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام دعا ہوئی، خیریت معلوم کی۔ حضرت والا نے پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ فلاں جگہ سے آرہا ہوں۔ حضرت نے پوچھا کہ ریل گاری سے آرہے ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں۔ حضرت نے پوچھا کہ یہ بچہ جو تمہارے ساتھ ہے اس کا ٹکٹ پورا لیا تھا یا آدھا لیا تھا؟ اب آپ اندازہ لگائیں کہ خانقاہ کے اندر پیر صاحب اپنے مرید سے یہ سوال کر رہے ہیں کہ بچے کا ٹکٹ پورا لیا تھا یا آدھا لیا تھا؟ جبکہ دوسری خانقاہوں میں یہ سوال کرنے کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ دوسری خانقاہوں میں تو یہ سوال ہوتا ہے کہ معمولات پورے کیے تھے یا نہیں؟ تہجد کی نماز پڑھی تھی یا نہیں؟ اشراق کی نماز پڑھی تھی یا نہیں؟ لیکن یہاں یہ سوال ہو رہا ہے کہ یہ بچہ جو آپ کے ساتھ ہے اس کا ٹکٹ آدھا لیا تھا یا پورا لیا تھا؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ حضرت! آدھا لیا تھا۔ حضرت نے پھر سوال کیا کہ اس بچے کی عمر کیا ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ حضرت! یہ بچہ ویسے تو تیرہ سال کا ہے لیکن دیکھنے میں بارہ سال کا لگتا ہے، اس لئے آدھا ٹکٹ لیا تھا۔ یہ جواب سن کر حضرت والا

کو سخت رنج ہوا اور اُن سے خلافت واپس لے لی اور فرمایا کہ مجھ سے غلطی ہوئی، تم اس لائق نہیں ہو کہ تمہیں خلافت دی جائے اور تمہیں مجاز بنایا جائے، اس لئے کہ تمہیں حلال وحرام کی فکر نہیں۔ جب بچے کی عمر بارہ سال سے زیادہ ہوگئی، چاہے ایک دن ہی زیادہ کیوں نہ ہوئی ہو تو اس وقت تم پر واجب تھا کہ تم بچے کا پورا ٹکٹ لیتے۔ تم نے آدھا ٹکٹ لے کر جو پیسے بچائے وہ حرام کے پیسے بچائے اور جس کو حرام سے بچنے کی فکر نہ ہو وہ خلیفہ بننے کا اہل نہیں۔ چنانچہ خلافت واپس لے لی۔

اگر کوئی شخص حضرت تھانویؒ سے آکر کہتا کہ حضرت معمولات ترک ہوگئے، تو حضرت والا فرماتے کہ معمولات ترک ہوگئے تو استغفار کرو اور دوبارہ شروع کردو اور ہمت سے کام لو اور اس بات کا دوبارہ عزم کرو کہ آئندہ ترک نہیں کریں گے۔ اور معمولات ترک کرنے کی بناء پر کبھی خلافت واپس نہیں لی لیکن حلال وحرام کی فکر نہ کرنے پر خلافت واپس لے لی، اس لئے کہ جب حلال وحرام کی فکر نہ ہو تو وہ انسان انسان نہیں۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ "طلب الحلال فريضة بعد الفريضة"، حلال کی طلب دوسرے فرائض کے بعد یہ بھی فرض۔ ہے۔ (۱)

دنیا کے سامنے نمونہ پیش کریں

بہر حال، اس وقت ہمارے مسلمان تاجروں کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ قرآن و سنت کی ہدایتوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے دنیا کے سامنے ایک عملی نمونہ پیش کریں۔ اس دنیا کے سامنے جو سرمایہ داری سے بھی زخم کھائی ہوئی ہے، اور اشتراکیت سے بھی زخم کھائی ہوئی ہے۔ اور ایسا نمونہ پیش کریں جو دوسروں کے لئے باعثِ کشش ہو۔ جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اس دور کی سب سے بڑی ضرورت کو پورا کرے گا۔

کیا ایک آدمی معاشرے میں تبدیلی لا سکتا ہے؟

آجکل یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ جب تک نظام نہ بدلے، اور جب تک سب لوگ نہ بدلیں، اس وقت تک اکیلا آدمی کیسے تبدیلی لا سکتا ہے؟ یاد رکھئے! نظام اور معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے۔ اگر ہر فرد اپنی جگہ یہ سوچتا رہے کہ جب تک معاشرہ نہیں بدلے گا، اس وقت تک میں بھی نہیں بدلوں گا، تو پھر معاشرے میں کبھی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔ تبدیلی ہمیشہ اس طرح آیا کرتی ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ

(۱) اصلاحی خطبات ۱۹۳/۱۰ تا ۲۰۰۔

فرد بن کر اپنی زندگی میں تبدیلی لاتا ہے، پھر اس چراغ کو دیکھ کر دوسرا چراغ جلتا ہے، اور پھر دوسرے سے تیسرا چراغ جلتا ہے، اسی طرح افراد کے سنورنے سے معاشرہ سنورتا ہے، اور افراد سے قوموں کی تعمیر ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ عذر کہ میں تنہا کچھ نہیں کرسکتا، یہ معقول عذر نہیں۔

حضور ﷺ کس طرح تبدیلی لائے

جب نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے، اس وقت معاشرے کی خرابیاں اور برائیاں اپنی انتہاء کو پہنچی ہوئی تھیں، اس وقت اگر آپ ﷺ یہ سوچتے کہ اتنا بڑا معاشرہ اُلٹی سمت کی طرف جارہا ہے میں تنہا کیا کرسکوں گا، اور یہ سوچ کر آپ ہمت ہار کر بیٹھ جاتے تو آج ہم اور آپ یہاں پر مسلمان بیٹھے ہوئے نہ ہوتے۔ آپ ﷺ نے دنیا کی مخالفتوں کے سیلاب کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک راہ ڈالی، نیا راستہ نکالا، اور اس راستے پر گامزن ہوئے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ آپ ﷺ کو اس راستے میں قربانیاں بھی دینی پڑیں، آپ کو پریشانیاں بھی پیش آئیں، مشکلات بھی سامنے آئیں، لیکن آپ نے ان سب کو گوارا کیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا کی ایک تہائی آبادی محمد رسول اللہ ﷺ کی نام لیوا اور اُن کی غلام ہے۔ لیکن اگر آپ یہ سوچ کر بیٹھ جاتے کہ جب تک معاشرہ نہیں بدلے گا، اس وقت تک تنہا میں کیا کرسکتا ہوں تو یہ صورتِ حال نہ ہوتی۔

ہر شخص اپنے اندر تبدیلی لائے

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی ذمہ داری اس کے اپنے اُوپر ڈالی ہے۔ لہٰذا اس بات کو دیکھے بغیر کہ دوسرے لوگ کیا کررہے ہیں، ہر انسان پر فرض ہے کہ وہ اپنے طرزِ عمل کو درست کرے، اور کم از کم اس بات کی طلب ہمارے دِلوں میں پیدا ہوجائے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں معیشت کے میدان میں اور تجارت وصنعت کے میدان میں کن احکام کا پابند کیا ہے؟ ان احکام پر ہم کس طرح عمل کرسکتے ہیں۔ اس کی معلومات حاصل کرکے اس پر عمل کرنے کا جذبہ اور عزم پیدا ہوجائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ مجلس انشاء اللہ بڑی مبارک اور مفید ہے۔ ورنہ نشستن و گفتن و برخواستن والی مجلسیں تو بہت ہوتی رہتی ہیں۔

معاشرے کی اصلاح فرد سے ہوتی ہے

کسی معاشرے کی اصلاح افراد سے ہوتی ہے، یہ سوچنا کہ چونکہ سب یہ کررہے ہیں تو میں

اکیلا کر کے کیا کروں گا، یہ شیطان کا دوسرا دھوکہ ہے۔ دوسرے خواہ کچھ کر رہے ہیں، لا یضرکم من ضل اذا اهتدیتم۔ اپنے طور پر اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے درست کرلو اور جو اخلاق نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائے ہیں ان کے اُوپر عمل کرلو تو اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب ایک چراغ جلتا ہے تو اس ایک سے دوسرا چراغ جلتا ہے اور جلے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہ جذبہ اور یہ تصور اور یہ خیال اور یہ عزم ہمارے دِلوں کے اندر پیدا فرمادے جو اس وقت کی بڑی اہم ضرورت ہے، اور اللہ تعالیٰ ہماری دنیا و آخرت دونوں سنوار دے۔ اور ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

(۱) انعام الباری ۶/۱۳۱۔

﴿صاحب تصنیف﴾

نام: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی ابن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (مفتی اعظم پاکستان' بانی جامعہ دارالعلوم کراچی)۔

ولادت: ۵ شوال المکرم ۱۳۶۲ھ (اکتوبر 1943ء)

تعلیم: ا۔ تکمیل درسِ نظامی جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۳۷۹ھ (1960ء)

۲۔ فاضل عربی پنجاب بورڈ (امتیازی درجہ کے ساتھ) (1958ء)

۳۔ بی۔اے کراچی یونیورسٹی۔ (1964ء)

۴۔ ایل۔ایل۔بی کراچی یونیورسٹی (امتیازی درجہ کے ساتھ) (1967ء)

۵۔ ایم۔اے عربی پنجاب یونیورسٹی (امتیازی درجہ کے ساتھ) (1970ء)

تدریس: ☆ شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی (۴۹ سال سے زائد عرصہ سے جامعہ دارالعلوم کراچی میں حدیث وفقہ کے علاوہ مختلف اسلامی علوم کی تدریس)

صحافت: ا۔ نگران شعبہ تصنیف وتالیف۔ جامعہ دارالعلوم کراچی

۲۔ مدیر اعلیٰ۔ ماہنامہ "البلاغ" (1967ء) سے تاحال

۳۔ مدیر اعلیٰ۔ ماہنامہ "البلاغ انٹرنیشنل" انگریزی (1989ء) سے تاحال

مناصب: ا۔ نائب صدر جامعہ دارالعلوم کراچی (1976ء) سے تاحال

۲۔ چیئرمین " انٹرنیشنل شریعہ سٹینڈرڈز کونسل (International Shariah Standards Council) (ذیلی ادارہ)۔

"اکاؤنٹنگ اینڈ آڈیٹنگ آرگنائزیشن فار اسلامک فنانشل انسٹی ٹیوشنز"

(Accounting & auditing Organization For Islamic Financial Institutions).

۳۔ مستقل ممبر "انٹرنیشنل اسلامک فقہ اکیڈمی"۔ جدہ (ذیلی ادارہ۔ O.I.C)

۴۔ ممبر "اسلامک فقہ اکیڈمی آف رابطہ عالمِ اسلامی" (مکہ مکرمہ)

۵۔ چیئرمین مرکز الاقتصاد الاسلامی (centre for Islamic Economics) 1991ء سے تاحال۔

۶۔ جج شریعت اپیلٹ بینچ (سپریم کورٹ آف پاکستان) (1982 تا مئی 2002)

۷۔ جج ''فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان'' (1980ء تا 1982ء)

۸۔ ممبر آف سنڈیکیٹ کراچی یونیورسٹی (1985ء تا 1988ء)

۹۔ ممبر ''بورڈ آف گورنرز، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی۔اسلام آباد'' (1985ء تا 1989ء)

۱۰۔ ممبر ''انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اکنامکس'' (1985ء تا 1988ء)

۱۱۔ ممبر ''اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان'' (1977ء تا 1981ء)

۱۲۔ ممبر ''بورڈ آف ٹرسٹیز انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد۔(2004ء تا 2007ء)

۱۳۔ ممبر ''کمیشن فور اسلامائیزیشن آف اکنامی پاکستان''۔

تصانیف

مولانا جسٹس (ر) مفتی محمد تقی عثمانی

﴿اُردو﴾

☆ **اسلام اور جدید معاشی مسائل** (کامل سیٹ ۸ جلد)

☆ تجارت کے فضائل و مسائل (جلد اوّل) ☆ خرید و فروخت کی جائز و ناجائز صورتیں (جلد دوم)

☆ خرید و فروخت کے جدید طریقے اور ان کے احکام (جلد سوم) ☆ مخصوص اشیاء کی خرید و فروخت اور ان کے احکام (جلد چہارم)

☆ اسلامی بنکاری اور دور حاضر میں اس کی عملی شکل (جلد پنجم) ☆ سود اور اس کا متبادل (جلد ششم)

☆ اسلام کا معاشی نظام (جلد ہفتم) ☆ اراضی کا اسلامی نظام (جلد ہشتم)

☆ اسلام اور جدید معیشت و تجارت ☆ حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ☆ حضور ﷺ نے فرمایا (انتخاب حدیث)

☆ حکیم الامت کے سیاسی افکار ☆ تقلید کی شرعی حیثیت ☆ جہانِ دیدہ (بیس ملکوں کا سفرنامہ)

☆ اندلس میں چند روز ☆ اسلام اور سیاستِ حاضرہ ☆ اسلام اور جدت پسندی

☆ اصلاحِ معاشرہ ☆ اصلاحی خطبات (کامل سیٹ) ☆ اصلاحی مواعظ (کامل سیٹ)

☆ اصلاحی مجالس (کامل سیٹ) ☆ احکام اعتکاف ☆ اکابر دیوبند کیا تھے؟

☆ آسان نیکیاں ☆ بائبل سے قرآن تک (۳ جلدیں) ☆ بائبل کیا ہے؟

☆ پُرنور دعائیں ☆ تراشے ☆ درسِ ترمذی (۳ جلد)

☆ دنیا مرے آگے (سفرنامہ) ☆ دینی مدارس کا نصاب و نظام ☆ ذکر و فکر

☆ ضبطِ ولادت ☆ عیسائیت کیا ہے؟ ☆ علومُ القرآن

☆ عدالتی فیصلے (کامل سیٹ) ☆ فردکی اصلاح ☆ فقہی مقالات (کامل سیٹ)

☆ مآثر حضرت عارفیؒ ☆ میرے والد میرے شیخؒ ☆ ملکیت زمین اور اس کی تحدید

☆ نشری تقریریں ☆ نقوشِ رفتگاں ☆ نفاذ شریعت اور اس کے مسائل

☆ نمازیں سنت کے مطابق پڑھیے ☆ ہمارے عائلی مسائل ☆ ہمارا معاشی نظام

☆ ہمارا تعلیمی نظام ☆ اسلامی بنکاری ☆ ذکر و فکر

☆ حجیت حدیث

﴿عربی﴾

☆ **تكمله فتح الملهم** (شرح صحیح مسلم ۶ جلد عربی) ☆ **ماهى النصرانيه ؟** (عربی)

☆ **نظرة عابرة حول التعليم الاسلامى** (عربی) ☆ **احكام الذبائيح** (عربی)

☆ **بحوث فى قضايا فقهيه معاصره** (عربی)

☆English☆

- ☆ TheNoble Qur'an (2 Vols)
- ☆ An Introduction to Islamic Finance
- ☆ The Historic Judgment on Interest
- ☆ The Rules of Etikaf
- ☆ The Language of the Friday Khutbah
- ☆ Discourses on the Islamic Way of Life
- ☆ Easy Good Deeds
- ☆ Sayings of Muhammad ﷺ
- ☆ The Legal Status of Following a Madhab
- ☆ Spritual Discourses
- ☆ Islamic Months
- ☆ Perform Salah Correctly
- ☆ Radiant Prayers
- ☆ Quranic Science
- ☆ Islam and Modernism
- ☆ What is Christianity
- ☆ The Authority of Sunnah
- ☆ Contemporary Fatawa